

مَجْمُوعَةُ رَسَائِلِ اِمَامِ شَاهِ وَلِي اللّٰهِ

(رُویا و مکاشفات، مکتوب، تصوف، آداب، بیعت، سلاسل اولیا و مشائخ، رویدعت اور اصلاح عقائد پر مشتمل و محیط امام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے نادر و نایاب رسائل و کتب کا گرانقدر مجموعہ)

جلد ششم

www.KitaboSunnat.com



تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی



شاہ ولی اللہ انسٹیٹیوٹ نئی دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کادشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ

(روایا و مکاشفات، مکتوب، تصوف، آداب بیعت، سلاسل اولیاء و مشائخ، رد بدعت اور اصلاح عقائد
پر مشتمل و محیط
امام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے نادرونایاب رسائل و کتب کا گرانقدر مجموعہ)

جلد ششم

www.KitaboSunnat.com

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

جملہ حقوق بحق انسٹی ٹیوٹ محفوظ

نام کتاب :	مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد ششم
مرتبہ :	مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی
قیمت :	۳۰۰
سن اشاعت :	مارچ ۲۰۱۵ء
تعداد :	۵۰۰
کمپوزنگ :	ریاض احمد
مطبع :	نیو پرنٹ سنٹر، دریا گنج نئی دہلی
آئی ایس بی این :	978-93-84153-02-1
ناشر :	شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکا نگر، نزد (این، ڈی، ایم، سی پرائمری اسکول) کاکا نگر نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۳

بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

All Rights Reserved by the Institute

Title :	Majmua Rasail-e-Imam Shah Waliullah-VI
Editing :	Maulana Mufti Aatur Rahman Qasmi
First Edition :	March - 2015
Price :	300
ISBN :	978-93-84153-02-1
Composing :	Riyaz Ahmed

Published by

Shah Waliullah Institute

Masjid Kaka Nagar, Near (N. D. M. C.
Primary School) Kaka Nagar, New Delhi-110 003
Ph. : 011-26953430, Mob.9811740661
website : www.shahwaliullah.com
Email : shahwaliullah_institute@yahoo.in

فہرست کتب

نمبر شمار	کتب	صفحہ
۱-	مقدمہ	۵
۲-	شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف	۱۵
۳-	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ﷺ	۹۷
۴-	مکتوب مدنی	۱۲۱
۵-	القول الجلیل فی بیان سواہ السبیل	۱۳۵
۶-	انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	۲۱۷
۷-	البلاغ المبین	۳۳۳
۸-	العقیدۃ الحسیۃ	۳۸۵

مقدمہ

الحمد للہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ اپنے قیام کے روزِ اوّل سے علمی و تحقیقی میدان میں تیز گام ہے اور اپنے بنیادی و اساسی مقاصد و اہداف کو بروئے کار لانے میں مصروفِ عمل ہے۔ اس میں کوئی دَورائے نہیں ہے کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ اپنے تحقیقی منصوبوں اور دینی و ثقافتی پروگراموں کے حوالے سے ہندوستان ہی نہیں برصغیر میں جانا پچھانا جاتا ہے۔ اور قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اب تک متنوع موضوعات بالخصوص تفسیر و حدیث، فقہ و تصوف، تاریخ و ثقافت اور آثار و اوقاف کے موضوع پر ۲۵ سے زائد کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے جہاں متنوع موضوعات پر تحقیق و تصنیف کا کام جاری ہے، وہاں دوسری طرف مشاہیرِ علماء اور معاصرین کی علمی خدمات پر قومی و بین الاقوامی سیمیناروں کا انعقاد بھی کیا جاتا رہا ہے اور فکرِ ولی اللہی سے تعلق رکھنے والے مستند علماء و مشائخ اور دانشوروں میں سے ہر سال کسی ایک کو ”شاہ ولی اللہ ایوارڈ“ بھی دیا جاتا ہے اس کے زیرِ اہتمام ایک موقر ماہنامہ براہین بھی نکلتا ہے۔ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے اب تک درجنوں قومی و بین الاقوامی سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، جس میں ہندو و بیرون ہند کے علماء و مشائخ اور مقالات نگار حضرات شریک ہو چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ۲۳، ۲۲، ۲۱ نومبر ۲۰۱۴ء کو ”شاہ ولی اللہ کے

افکار کی عصری معنویت“ کے موضوع پر ایک سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار منعقد کیا گیا تھا جس میں ہندوستان کے دینی مدارس اور عصری یونیورسٹیوں کے اسکالروں اور مقالہ نگاروں کے علاوہ تاجکستان، کویت، ساؤتھ افریقہ اور مصر کے مقالہ نگار بھی شریک ہوئے تھے۔ اس سیمینار میں بھاری تعداد میں مقالات پڑھے گئے تھے اور اس سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کو جناب ضحیر الدین شاہ (ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل) وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور پروفیسر طلعت احمد وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی موجودگی میں دلی کے لیفٹیننٹ گورنر جناب نجیب جنگ صاحب کے ہاتھوں ”شاہ ولی اللہ ایوارڈ ۲۰۱۳“ جیسا یادگار اعزاز تفویض کیا گیا۔

اسی افتتاحی اجلاس میں شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی گرانقدر نئی مطبوعات، مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد دوم، سوم، چہارم کا اجرا بھی عمل میں آیا تھا۔ جناب نجیب جنگ صاحب نے ان متعدد کتابوں کا اجرا کرتے ہوئے کہا کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ قلت وسائل کے باوجود تحقیقاتی میدان میں غیر معمولی پیش رفت کر رہا ہے، جو میرے لئے باعث مسرت اور دوسرے اداروں کے لئے باعث عبرت ہے۔

جناب ضحیر الدین شاہ صاحب اور پروفیسر طلعت احمد نے بھی کہا کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی نئی مطبوعات سے شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے معیار تحقیق اور اس کی فعالیت کا بحسن و خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیں کھلے دل سے اس کا اعتراف کرنا چاہئے

ڈاکٹر مولانا بدر الحسن قاسمی کویت نے بھی شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے اس بین الاقوامی سیمینار کے انعقاد اور متعدد ضخیم کتابوں کی اشاعت پر اظہار مسرت کیا اور انسٹی ٹیوٹ کے علمی کاموں کا اعتراف کیا۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحب مصنف میرۃ النبی کے صاحبزادے اور مشہور ماہر اسلامیات پروفیسر سلمان ندوی صاحب سابق صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز ڈربن یونیورسٹی ساؤتھ

افریقہ نے بھی اس سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں اپنا کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کی فقہی آرا کی روشنی میں ملت کو درپیش مسائل کے حل کرنے پر زور دیا اور آئندہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کی فقہی آرا پر خواہ چھوٹا ہی سہی، ایک فقہی سیمینار کے انعقاد کا مشورہ بھی دیا، جسے سامعین نے بے حد پسند کیا اور اس کی عصری ضرورت کا احساس کیا، اس افتتاحی اجلاس میں دوسرے مہمانان خصوصی نے بھی تحسینی کلمات کا اظہار کیا تھا۔

آدم برسر مطلب! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی نے حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے جملہ رسائل و کتب کو ”مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ“ کے نام سے تحقیق و تلیق اور تصحیح و تنقیح کے ساتھ شائع کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا تھا، جس کے تحت اب تک مجموعہ رسائل کی پانچ ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اب اس مجموعہ رسائل کی چھٹی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو میرے لئے بے انتہائی خوشی و مسرت کا مقام ہے، چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عوامی مقبولیت کے باوجود (چند معروف کتابوں کا استثنیٰ کر کے) آپ کے زیادہ تر رسائل و کتب آج سے ۹۰، ۸۰ سال سے قبل ہی شائع ہوئے تھے جو عرصہ دراز سے نایاب تھے اور بازار میں کہیں بھی دستیاب نہیں تھے، البتہ کسی کسی قدیم کتب خانہ میں اور بعض بعض لائبریریوں میں بعض رسائل موجود ہیں۔ ان نادر و نایاب رسالوں اور کتابوں کو تلاش و جستجو کرنا بھی خاصا مشکل کام ہے اور اتفاق سے اگر بعض کتب خانوں میں موجود بھی ہیں تو قدامت و بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے لائق مطالعہ بھی نہیں ہیں اور متعدد نسخوں کے موازنہ و تقابلیں کے بعد ہی صحیح عبارت اور صحت املا کا علم ہو پاتا ہے۔

میں ان نادر و نایاب رسائل و کتب کی تلاش و جستجو میں دلی کے علاوہ ملک کی دوسری دینی لائبریریوں اور سرکاری کتب خانوں کی خاک چھانتا پھرتا رہا ہوں، بعض دوستوں کی کرم فرمائی سے بھی مجھے بعض رسائل دستیاب ہوئے ہیں، جن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

اس مجموعہ رسائل میں مقدمہ تعارف کے علاوہ حکیم الامت حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی کے چھ نادر و نایاب رسائل و کتب شامل ہیں۔

اس مجموعہ رسائل جلد ششم کے شروع میں مشہور مجاہد آزادی مفکر اسلام مولانا عبید اللہ سندھی کی ایک معرکتہ الآرا تحریر ”امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف“ شامل ہے، جس سے حضرت شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کی تفہیم میں بڑی مدد ملتی ہے، حضرت مولانا سندھی فکر و ولی الہی کے شارح عظیم اور مفکر جلیل تھے، انھوں نے اس اجمالی تعارف میں الامام الدہلوی کے نظریہ تفسیر وحدیث، اور فقہ و تصوف پر بڑی عمیق بحث کی ہے اور حضرت شاہ صاحب کی سوچ اجاگر کی ہے، اس اجمالی تعارف میں حضرت شاہ صاحب کے بعض رسائل کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔

اس مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد ششم میں شامل حکیم الامت حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نادر و نایاب رسائل شامل ہیں جن میں پہلا اہم رسالہ ”الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم“ ہے جو عالم کشف، مشاہدہ اور رویا میں حضرت نبی ذی وقار صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث اور اکتساب فیض کے موضوع پر ایک قیمتی رسالہ ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”مکتبین خلائق احمد جو ولی اللہ بن عبد الرحیم العری الدہلوی کے نام سے مشہور ہے، عرض کرتا ہے کہ احادیث مبارکہ میں سے یہ چالیس حدیثیں ہیں جو عالم خواب میں یا آپ کی روح مبارک کے مشاہدے کی حالت میں آپ سے روایت کی گئی ہیں، میں نے انہیں اس رسالے میں جمع کر دیا ہے، ان میں سے کچھ حدیثیں ایسی ہیں جنہیں کسی واسطے کے بغیر براہ راست ذات اقدس سے میں نے اخذ کیا ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں کہ آپ کی روایت میں میرے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو یا تین واسطے ہیں میں نے اس کا نام الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم تجویز کیا ہے۔“

(صفحہ ۲۳۷ تصوف فاؤنڈیشن لاہور)

۱۔ الدراقمین کے مطبوعہ نسخوں کے علاوہ اس کے مخطوطات بھی کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، خدا بخش لاہوری پٹنہ اور رزالا بھیری رام پور میں موجود ہیں، یہ رسالہ عربی زبان میں ہے، اس کے مترجم مولانا سید محمد فاروق قادری صاحب ہیں، انھوں نے اس کا بڑا عمدہ فصیح ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ نیٹ پر بھی دستیاب ہے اور تصوف فاؤنڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے لیکن اس میں تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ یہ کتاب متعدد بار متعدد اداروں سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ دوسرا مکتوب مدنی ہے، یہ مکتوب دراصل شیخ آفندی اسماعیل بن عبد اللہ الرومی ثم المدنی کے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے، جو انھوں نے مسئلہ وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کے متعلق شیخ ابن عربی اور حضرت شیخ محمد الف ثانی کے نظریات کے بارے میں استفسار کیا تھا اور ان کے درمیان تطبیق کی راہ تلاش کرنے کی درخواست کی تھی۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحب رقمطراز ہیں:

”عبد ضعیف احمد ولی اللہ بن عبد الرحیم عفی اللہ عنہ کی طرف سے آفندی اسماعیل بن عبد اللہ الرومی ثم المدنی کی طرف، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نیک امیدوں اور خواہشوں میں کامرانی عطا کرے!

اما بعد! میں اس اللہ کی حمد و ستائش کا تحفہ تمہاری طرف ارسال کر رہا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے برگزیدہ رسول اور اس کے صحابہ و آل پر درود و سلام بھیجتا ہوں، تمہارا مکتوب مجھے ملا ہے، جس میں تم نے وحدۃ الوجود کے اس تصور کے بارے میں دریافت کیا ہے، جس کو شیخ اکبرؒ اور اس کے اتباع نے پیش کیا ہے اور وحدۃ الشہود کی اس تشریح کی وضاحت چاہنی ہے، جس کا ذکر محمد الف ثانیؒ نے کیا ہے، تم نے یہ بھی پوچھا ہے کہ آیا دونوں بزرگوں کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے۔

(مکتوب مدنی صفحہ ۱، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

مکتوب مدنی عربی زبان میں ہے، اس کا قلمی نسخہ خدا بخش لاہوری پٹنہ میں ہے، یہ ۹ اوراق

پر مشتمل ہے، اس رسالہ کے ترجمہ نگار مولانا محمد حنیف ندوی صاحب ہیں، انھوں نے اس کا بڑا معیاری اور عمدہ ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۸۶۵ میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور سے شائع ہوا تھا، جس کے ناشر محمد اشرف ڈار صاحب ہیں، اس کا مطبوعہ نسخہ بھی خدا بخش لائبریری میں موجود ہے۔

۳۔ تیسری کتاب القول الجلیل فی بیان سوا السبیل ہے، جس کے مقدمے میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

حمد و صلوة کے بعد بندہ ضعیف، رحمت خداوندی کا امیدوار ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم (اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو اپنی خصوصی رحمت کا سایہ مرحمت کرے اور آخرت میں دائمی نعمت کے خزانے سے سرفراز کرے) عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب اصول طریقت اور اس سے متعلق موضوعات پر مشتمل ہے، یہ وہ اصول اور قواعد ہیں، جنہیں ہم نے اپنے سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سے حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، میں نے اس کا نام القول الجلیل فی بیان سوا السبیل "تجوید کیا ہے۔ (صفحہ ۳۰ تصوف فاؤنڈیشن، لاہور)

اس میں بیعت، بیعت کی حیثیت، آداب اور شرائط مرشد، تعلیم و تربیت سالک، اشغال مشائخ قادریہ، اشغال مشائخ چشتیہ، اشغال مشائخ نقشبندیہ، حقیقت نسبت، خاندانی مجرب عملیات، علمائے ربانی کے آداب و فرائض وغیرہ اہم مباحث و مسائل بیان کئے گئے ہیں، یہ کتاب عربی زبان میں ہے، جس کے مترجم سید محمد فاروق قادری صاحب ہیں، جنھوں نے بڑے محتاط طریقے سے اس کا سلیس و بامحاورہ ترجمہ کیا ہے، یہ کتاب تصوف فاؤنڈیشن لاہور سے شائع ہوئی ہے، اس کا مخطوطہ بھی رضا لائبریری راجپور اور خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۴۔ اس سلسلہ کی چوتھی کتاب "انتباہ فی بیان سلاسل اولیاء اللہ" ہے جس میں سلسلہ ولی اللہی، سلسلہ قادریہ، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ کبریہ، سلسلہ مدنیہ، سلسلہ

شاذلیہ، اور سلسلہ شطاریہ جیسے مشہور سلاسل کا ذکر کیا گیا ہے اور ان سلاسل سے حضرت شاہ صاحب اور ان کے والد مرحوم کا بھی تعلق رہا ہے۔

چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”احمد بن عبد الرحیم عمری دہلوی المعروف ولی اللہ (اللہ تعالیٰ اسے، اس کے مشائخ اور اولیاء کو اپنی عظیم رحمت میں ڈھانپ لے) عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ جس کا نام انتخاب فی سلاسل اولیاء اللہ و اسانید وارثی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا ہے، ان مشہور سلاسل کے تعارف پر مبنی ہے جس سے یہ فقیر ظاہری و باطنی علوم میں نسبت رکھتا ہے اور ان کی کسی نہ کسی شاخ سے منسلک ہے۔“ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو خالص اپنی ذات کیلئے کرے اور مجھے اور عام لوگوں کو اس سے نصیب کامل عطا فرمائے۔

(صفحہ ۱۲۶، تصوف فاؤنڈیشن لاہور)

زیر تربیت قدیم مطبوعہ نسخہ انتخاب فی سلاسل اولیاء اللہ کے سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے۔

”هو الولی“

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

از تصنیف حضرت دستگاہ حقائق انتخاب، مجمع کمالات ظاہری و باطنی منبع مکارم حسنات صوری و معنوی زہد مفسرین و قد وہ محدثین پیشروانی سالکین فانی اللہ باقی باللہ جناب جد امجدی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الموسوم بہ ”مترجم انتخاب فی سلاسل اولیاء اللہ“

بہ صبح نام و صحت جس کو لا کلام برائے فائدہ ہر خاص و عام عمومی کرم سید ظہیر الدین عرف سید احمد صاحب نے عرصہ ہوا طبع کرایا تھا۔ اور شائقین کے متواتر اصرار سے مرحوم کے ہم شیر زادے سید عبدالغنی جعفری کلیسی نواسہ و جانشین حضرت شاہ صاحب مدوح نے

بار دوم - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

آرمی برقی پریس دہلی میں طبع کرایا۔“

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھی گئی ہے اس کا قدیم اردو ترجمہ سید ظہیر الدین عرف ولی اللہی نے بہت پہلے آرمی پریس دہلی سے طبع کرایا تھا، اس کے بعد اسی قدیم اردو ترجمہ کو دوبارہ سید عبدالغنی جعفری عیسیٰ نے شائع کرایا تھا، یہی ترجمہ اس مجموعہ رسائل میں شامل ہے، اس ترجمہ کو میرے دوست جناب عبدالرحمن کوندو صاحب سری نگر، کشمیر نے مجھے عنایت فرمایا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ اس کا دوسرا حصہ بھی ہے لیکن مجھے اس کا دوسرا حصہ دستیاب نہ ہو سکا ہے۔ اس ترجمہ کے علاوہ ایک دوسرا ترجمہ بھی مجھے دستیاب ہوا ہے جس کے ترجمہ نگار مولانا سید محمد فاروق قادری صاحب ہیں ان کا ترجمہ سادہ و سلیس ہے، مجھے افسوس ہے کہ یہ ترجمہ مجھے بعد میں دستیاب ہوا تھا، ورنہ یہی ترجمہ شامل کتاب ہوتا۔

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کا قلمی نسخہ خدا بخش لاہوری پٹنہ میں موجود ہے۔

۵۔ اس مجموعہ میں پانچویں کتاب البلاغ المبین ہے جس کے ترجمہ نگار مولانا محمد علی مظفری صاحب گوجرانوالہ ہیں، جو مولانا عبداللہ قصوری کے پھوپھی زاد بھائی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے معتمد تھے، ۱۹۱۵ء میں آپ نے کلکتہ کا سفر کیا تھا، اور مولانا آزاد سے ملاقات کی تھی اور وہاں مولانا آزاد کی مجالس و عظ میں شریک ہوتے تھے، آپ نے دہلی میں پروفیسر خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام بھی کیا، اور شدھی تحریک کے دور میں دہلی اور اس کے اطراف میں مرتدین میں کام کیا تھا، آپ کا تعلق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے بھی تھا، قیام پاکستان کے بعد مولانا محمد علی مظفری صاحب سرکاری عہدہ پر بھی فائز رہے اور کئی مسجدوں میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

مولانا محمد علی مظفری بڑے قناعت پسند اور متوکل انسان تھے، مولانا آخر میں سخت بیمار ہوئے تو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب دو دفعہ آپ کی مزاج پرسی اور عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے اور علاج و معالجے کے لئے ایک رقم بھی عنایت فرمائی تھی آپ نے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

میں تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی تھی۔

ابلاغ المبین ۲۰۰۲ میں قرآن آسان تحریک کے زیر اہتمام قومی پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی، یہی نسخہ میرے سامنے ہے۔ مولانا محمد علی مظفری مرحوم نے اس کا بڑا عمدہ ترجمہ کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ رضا البهریری رام پور میں ہے۔ جس کے متعلق ڈاکٹر ابوسعید اصلاحی صاحب لاہور میں رضا البهریری اپنے ایک مضمون ”رام پور رضا البهریری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تفسیفات کے قلمی نسخے“ میں لکھتے ہیں:

مخطوطہ نمبر ۴۲۱ ابلاغ المبین فن عقائد

ورق ۸، سطر ۱۳، سائز ۱۷+۲۴ خط معمولی نستعلیق سنہ کتابت ۱۲۳۸ھ

”ابتداء! الحمد للہ..... این رسالہ ایست نامیدہ ابلاغ المبین کہ آیات کلام رب الانام واحادیث صحیحہ رسول علیہ السلام وآثار صحابہ کرام و اخبار اولیاء عظام ائمہ دین ترجمہ نمودہ آمد۔

ترقیمہ: بحسب ارشاد فیض بنیاد مولوی بکری مولانا رشید الدین خان صاحب دامت ارشاد ہم ابلاغ المبین (۱۱۶۶) بتاریخ بست و چہارم شہر رجب ۱۲۳۸ در جلدہ ۱ جمیر اتمام دست اختتام پذیرفت کتبہ میر شاہ علی۔

(صفحہ ۱۹۲، امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار و نظریات مطبوعہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، بنی دہلی)

۶۔ اس مجموعہ رسائل میں شامل آخری رسالہ ”العقیدۃ الحسیۃ“ ہے، جو علم عقائد میں ایک جامع ترین رسالہ ہے، جس کے فاضل ترجمہ نگار و شارح مولانا عبدالحمید صاحب سواتی ہیں، جو گونہ انوالہ کے مدرسہ نصرۃ العلوم کے مدرس تھے، اور اردو اور عربی کے بہترین ترجمہ نگار تھے۔ انھوں نے اپنی ترجمہ نگاری کے ذریعہ اپنی غیر معمولی صلاحیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ العقیدۃ الحسیۃ، امام طحاویؒ کی مشہور کتاب عقیدۃ الطحاوی کے طرز پر ایک جامع کتاب ہے، جو درس نظامیہ

کے نصاب تعلیم میں شامل کرنے کے لائق ہے اور اصلاح عقائد میں ایک گرانقدر تصنیف ہے۔

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور اس کی عربی زبان بہت شستہ و شگفتہ ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد ششم شائع ہو رہی ہے اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ڈاکٹر خولجہ اکرام الدین صاحب ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنہوں نے اس مجموعہ کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ہر ممکن مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمام شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور علمی ترقیات سے نوازے۔ مولانا عبدالرحمن کوندہ صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ وہ شاہ ولی اللہ انشی ٹیوٹ کے علمی کاموں میں بڑی علمی معاونت فرماتے ہیں اور وہ ایک لائق و مخلص دوست ہیں۔

آخر میں محترمہ مسرت جہاں صاحبہ اور ڈاکٹر توقیر احمد راہی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان دونوں حضرات نے بھی اس تحقیقی کام میں بھرپور تعاون کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں بھی بعافیت رکھے۔

مجھے یقین ہے کہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کی دوسری جلدوں کی طرح یہ جلد ششم بھی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی اور علمی و دینی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی۔

عطاء الرحمن قاسمی

چیئرمین

شاہ ولی اللہ انشی ٹیوٹ

نئی دہلی

امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف

تحریر دلپذیر
مولانا عبید اللہ سندھیؒ

تحقیق و تعلیق
مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۱	امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف از مولانا عبید اللہ سندھی	۱۔
۲۱	باب اول (تحصیلی ملکات)	۲۔
۲۱	تحصیلی ملکات کی تشریح	۳۔
۲۲	شاہ عبدالرحیم کا علمی سلسلہ	۴۔
۲۲	فصل (۲) شاہ ولی اللہ کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ	۵۔
۲۳	فصل (۳) حکمت عملی کے باب میں شاہ ولی اللہ کا امتیاز اور اس کے اسباب	۶۔
۲۷	باب دوم (تکمیلی ملکات)	۷۔
۲۷	فصل (۱) شاہ ولی اللہ اقرآن فہمی کے باب کی ایک عام غلط فہمی کی اصلاح	۸۔
	فصل (۲) قرآن میں قصص الانبیاء کی تکرار کا حل اور مضامین قرآن کی	۹۔
	ولی الہی تقسیم جس کی رعایت سے فہم قرآن کا دروازہ کھل جاتا ہے	
۲۸	اور قرآن تک رسائی ہو سکتی ہے	
۲۹	عقدہ لائیکل اور مسئلہ حقیقت روح	۱۰۔
	فصل (۳) شاہ صاحب کی تقسیم کے مطابق قرآن کا ایک اہم مضمون	۱۱۔
۳۰	مخاصمہ اور عام علما کی اس نکتہ سے بے اعتنائی	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۳	فصل (۴) متن قرآن سے شاہ ولی اللہ کا اعتنا اور اس کی برکات آپ کا ترجمہ قرآن "فتح الرحمن" اور اس کی خصوصیات	۱۲
۳۵	فصل (۵) آیات متشابہات کے متعلق شاہ صاحب کا مسلک	۱۳
۳۷	فصل (۶) رسوخ فی العلم کی تشریح	۱۴
۳۹	فصل (۷) مسئلہ نسخ فی القرآن اور شاہ صاحب	۱۵
۴۱	فصل (۸) شاہ صاحب اور مقصد قرآن کی تعیین	۱۶
۴۲	فصل (۹) شاہ صاحب کی حکمت کی اساس و بنیاد	۱۷
۴۳	الامام کا لقب اور شاہ صاحب	۱۸
۴۳	فصل (۱۰) مضامین قرآن کا ظاہری انتشار اور شاہ صاحب	۱۹
۴۴	فصل (۱۱) رابطہ آیات اور شاہ ولی اللہ	۲۰
۴۵	فصل (۱۲) قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کے بارے میں شاہ صاحب کی خاص رائے	۲۱
۴۵	فصل (۱۳) اجماع کا تعلق اور استنباط قرآن سے	۲۲
۴۷	باب سوم (علم حدیث)	۲۳
۴۹	فصل (۲) کتب حدیث پر شاہ صاحب کی تنقید اور طبقات کی تقسیم	۲۴
۵۱	مولانا محمد قاسم نانوتوی اور کتب حدیث کے متعلق ولی اللہی نظریہ کی عقلی تشریح	۲۵
۵۵	فصل (۳) ہمارا اپنا استقرار اور ولی اللہی نظریہ کی مزید تشریح	۲۶
۵۶	ائمہ تنقید حدیث کے تین طبقے	۲۷
۵۶	ائمہ فقہ الحدیث کے چار طبقے	۲۸
۵۷	ائمہ مصنفین کے دو طبقے	۲۹
۵۷	ان ائمہ کے بعد کے محدثین کی خدمات کی اقسام	۳۰
۵۸	فصل (۴) صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ابن ماجہ ہے یا موطا مالک	۳۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵۸	سنن ابن ماجہ کا علمی درجہ	۳۲
۵۹	درجہ تکمیل	۳۳
۵۹	فصل (۵) صحیح و ضعیف حدیثوں میں تمیز کا منکھ پیدا کرنے کا ولی الہی طریقہ	۳۴
۶۰	شاہ صاحب کی تحقیق میں موطا مالک کی اہمیت و اقد میت	۳۵
۶۳	فتحا، سبجہ	۳۶
۶۳	فصل (۶) عام علما نے موطا کو اس قدر اہمیت کیوں نہیں دی	۳۷
۶۳	وصیت شیخ الہندؒ	۳۸
۶۵	مسند احمد	۳۹
۶۵	فتح الباری	۴۰
۶۶	سبب الرجوع الی الموطا	۴۱
۶۸	باب چہارم - علم فقہ	۴۲
۶۸	فصل (۱) عرب اور رسول اللہؐ کی بعثت کا مقصد	۴۳
۷۲	قرآن اور دنیا میں انٹر نیشنل انقلاب کا پروگرام	۴۴
۷۲	انقلاب کا قرآنی پروگرام اور طاقت	۴۵
۷۳	عدم تشدد کا مسلک	۴۶
۷۳	قرآن کی انقلابی تحریک کا آئیڈیا	۴۷
۷۳	اس تحریک کو چلانے والی پارٹی یا حزب اللہ	۴۸
۷۴	سینٹرل کمیٹی کی تعیین	۴۹
۷۴	مسئلہ خلافت و امامت	۵۰
۷۵	فصل (۲) عجم	۵۱
۷۶	سلاطین اور علمائے کرام	۵۲
۷۷	سلاطین اسلام اور صوفیہ	۵۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۷۸	فصل (۳) تطبیق الفقہ والحدیث	۵۴
۷۸	ایران اور خراسان	۵۵
۷۹	حجازی اور عراقی فقہ کی تدوین	۵۶
۸۰	تدوین فقہ اور ہندوستان	۵۷
۸۱	شاہ ولی اللہ اور فقہ	۵۸
۸۳	حجاز پہنچ کر شاہ صاحب کا فقہی مسلک	۵۹
۸۳	مرکز کی تلاش اور پھر حنفی فقہ کی طرف رجوع	۶۰
۸۴	ہند میں فقہ حنفی اور شاہ ولی اللہ	۶۱
۸۵	حقیقت میں شاہ صاحب کی الہامی تجدید	۶۲
۸۶	شاہ صاحب بحیثیت مجتہد منتسب	۶۳
۸۶	امام عبدالعزیز دہلوی	۶۴
۸۷	مشائخ دیوبند	۶۵
۸۸	باب پنجم (تصوف و فلسفہ)	۶۶
۹۰	فصل (۲) عجمی اقوام اور فلسفہ اشراق	۶۷
۹۱	فصل (۳) آریں اقوام کو سامی نبوت سمجھانے کا ولی اللہی طریقہ	۶۸
۹۲	فصل (۴) شاہ صاحب کی نظر میں تصوف کی اہمیت اور ضرورت	۶۹
۹۳	فصل (۵) اسلام اور ہندوستانیت	۷۰
	فصل (۶) نبوت کی رہنمائی کی ضرورت صرف امور آخرت ہی میں	۷۱
	نہیں ہے بلکہ دنیاوی معیشت کا سنوارنا بھی نبوی ہدایات کا محتاج ہے	
۹۴	ابن خلدون کی ایک سنگین غلطی پر انتباہ	
۹۵	روحانیت اور اخلاق انسانی کا تعلق اقتصادیات سے شاہ صاحب کی نظر میں	۷۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

باب اول (تحصیلی ملکات)

شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے تحصیلی ملکات کی تشریح سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایسے مشائخ کا اجماعی تذکرہ کر دیا جائے جن کی صحبت نے ان کی ذہنیت کو صاف کیا

تحصیلی ملکات کی تشریح

تحصیلی ملکات سے ہماری مراد ہے عربی زبان کا سیکھنا۔ منطقی اصطلاحات کا استعمال کرنا، سو سائے کے رائج الوقت قانون یعنی فقہ حنفی کے متون و شروح کا پڑھنا، اس قانون کے عقلی نظام یعنی اصول فقہ کا سمجھنا متکلمین کے مختلف اسکول اور ان کی باہمی مسابقت سے شناسا ہونا۔ اس کے بعد حقائق کائنات پر اپنی صاف ذہنیت سے غور کرنا اور اپنے کسی اطمینان پر بھروسہ کرنا۔ یہ سب علوم و فنون تحصیلی ملکات کا ذریعہ ہیں اس وقت ہم آخری حصے پر سب سے پہلے بحث کرتے ہیں۔

آزاد ذہنیت سے حقائق کائنات کو سوچنے کا فلسفہ ہیئتہ الوجود اور اس کے تنزیلات کو سمجھنے کا نام ہے، اس فن کے امام متاخرین صوفیہ میں حضرت شیخ اکبر (محمد بن علی) محی الدین ابن عربی (متوفی ۶۳۸) ہیں، شاہ صاحبؒ کے مربی اصل میں سب سے پہلے ان کے والد شاہ عبدالرحیم

(ومتوفی ۱۳۱۱ھ) ہیں وہ ابن عربی کے فلسفہ کے پورے ماہر استاذ تھے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کا علمی سلسلہ

شاہ عبدالرحیم اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمدؒ (متوفی ۱۰۱۱ھ) کے شاگرد ہیں، شیخ ابوالرضا مذکورہ بالا فلسفہ میں ایک مستقل امام کا درجہ رکھتے ہیں، شاہ صاحب کی یہ ذہنیت اپنے والد اور چچا سے خاندانی خصوصیات کے ضمن میں بلا قصد تکمیل پاتی ہے شاہ صاحب کے والد اور چچا خواجہ عبداللہ المعروف بہ خواجہ خورد (متوفی ۱۰۷۵ء) کے خاص صحبتی ہیں۔ خواجہ خورد اپنے والد خواجہ رضی الدین محمد باقی عرف باقی باللہ دہلوی (متوفی ۱۰۱۲ء) کے پانچ شاگردوں کے ہم صحبت ہیں (۱) حضرت امام ربانی شیخ احمد سہروردی مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) (۲) شیخ اللہ داد دہلوی (متوفی ۱۰۳۴ھ) (۳) خواجہ حسام الدین دہلوی (متوفی ۱۰۴۰ھ) (۴) شیخ رفیع الدین متوفی ۱۰۵۲ھ (۵) شیخ تاج الدین سنہلی (متوفی ۱۰۵۰ھ) خواجہ باقی باللہ نظریہ وحدۃ الوجود کے بہت بڑے امام تھے۔ ان کی امامت اشراقی طرز کی ہے وحدۃ اشہود کا اسکول امام ربانی نے مرتب کیا ہے۔ خواجہ خورد اور شاہ صاحب کے والد اور چچا اگرچہ امام ربانی سے پورے مستفید ہوئے مگر ان کا فکر وحدت الوجود کی طرف مائل ہے۔ امام ولی اللہؒ نے ”انفاس العارفين“ میں اپنے والد اور چچا کے مقالات اور مقامات اس طرح ذکر کئے۔ جس سے مذکورہ مقالات اور مقامات کی شرائع الہیہ سے تطبیق ہو جائے ہر دو بھائیوں کے خاص نظریات کا حاصل ایک ایسی شاہراہ بنانے کی سعی ہے جس پر مسلمان فلاسفر (سوفیہ متکلمین) اور فقہا ساتھ ساتھ چل سکیں، کشف، عقل، نقل میں خصوصی مہارت پیدا کر کے جس طرح اہل علم فرقوں میں منقسم ہو گئے اسی طرح یہ افتراق فنا ہو جائے تاکہ اسلامی ذہنیت جو رنگ آلود ہو رہی ہے اپنے جوہر دکھا سکے، یہ شاہ صاحب کی ذہنیت کا ایک اچھا مظاہرہ ہے، کہ وہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو شرائع الہیہ کی تشریح و تفصیل میں استعمال کر سکتے ہیں۔

فصل (۲) شاہ ولی اللہؒ کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ

امام دلی اللہ حدیث شریف کی تکمیل کیلئے ۱۱۳۳ھ میں حرمین شریفین گئے، پورے دو سال وہاں رہے سب سے بڑا استاذ جس سے ان کو معنوی مناسبت پیدا ہوئی وہ شیخ ابوطاہر مدنی متوفی ۱۱۳۵ھ ہیں۔ شیخ مذکور زیادہ تر اپنے والد شیخ ابراہیم کروی (متوفی ۱۰۱۱ھ) سے مستفید ہوئے۔

حسن اتفاق سے شیخ ابراہیم کردی اور شاہ عبدالرحیم کی ذہنیت متقارب تھی، کیونکہ ہر دو کا سلسلہ تلمذ جلال الدین وانی تک پہنچتا ہے بنا بریں شیخ ابوالطاهر مدنی کی صحبت شاہ ولی اللہ کو بہت موافق آئی۔

ہم نے شیخ ابراہیم کردی کے بہت سے رسالے مطالعہ کئے، وہ شریعت اسلامیہ کو ابن عربی کے فلسفہ سے حل کرتے ہیں اور اس باب میں وہ ایک مستقل مفکر امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ شیخ ابراہیم کی تائید شیخ ابوالطاهر کے ہر قول و فعل میں نمایاں نظر آتی ہے، ہماری سمجھ میں ان دو مختلف طریقوں کا شاہ صاحب کے والد دچچا کا طریق اور دوسرا شیخ ابوالطاهر مدنی اور شیخ ابراہیم کے دوسرے شاگردوں کا طریق جو حرمین میں تھے ایک فکر پر متحد ہونا شاہ صاحب کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ ہے، کوئی عالم خواہ کسی زمانے کا کسی مذہب و ملت کا ہو مگر اس کی تعلیمات شاہ صاحب کے اساسی فلسفہ پر پوری اترتی ہوں وہ سب عالم شاہ صاحب کے یہاں مصیب ہیں، ان کے مختلف اقوال کو جمع کرنا، ان میں تطبیق دینا شاہ صاحب کا علمی کمال ہے۔

(۱) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شیخ اکبر کی وحدت الوجود اور امام ربانی کی وحدت شہود کو شاہ صاحب ایک دوسرے پر منطبق مانتے ہیں، تعبیرات کے اختلاف کو کچھ زیادہ وزن نہیں دیتے، اس مسئلہ کو شاہ صاحب نے مکتوب مدنی میں واضح کر دیا ہے شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تطبیق کو ”ائمہ مجددیہ“ کو سخت ناگوار گزری ہے۔ تاہم وہ شاہ صاحب کے کمالات کے انھیں لفظوں میں معترف ہیں جن میں وہ اپنے ائمہ کا کمال بیان کرتے ہیں۔

(۲) ہم شاہ صاحب کے اس مسئلہ کو کہ وہ ائمہ فقہاء میں حنفیہ اور شافعیہ کو ایک ہی درجہ پر قبول کرتے ہیں اسی اصول پر حل کرتے ہیں، انھوں نے دیکھا کہ ان کے والد اور چچا حنفی ہیں اور اس فلسفہ (وحدۃ الوجود) کو صحیح طریق سے جانتے اور چلاتے ہیں۔ نیز انھوں نے دیکھا کہ شیخ ابوالطاهر مدنی اور شیخ ابراہیم کردی شافعی المذہب ہیں پھر اس اصل کو اس طرح مانتے ہیں، بنا بریں ان کے نزدیک حقیقت شناسی کے نقطہ نظر سے فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے، شاہ صاحب اپنے ملک میں اپنی سوسائٹی میں، فقہ حنفی کے پابند ہیں، مگر ان کی عقلیت فقہ شافعی کی توہین برداشت نہیں کرتی جیسے عام فقہاء کے مشاجرات،

بلا قصد، استخفاف مذکور پر منتج ہوتے ہیں۔

اسی مسئلہ کو ہم ذرا آگے بڑھاتے ہیں، شاہ صاحب فقہ حنفی کو امام ربانی محرمذہب نعمانی، محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) کی کتابوں سے اخذ کرتے ہیں اور فقہ امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کو براہ راست امام شافعی کی کتابوں سے لیتے ہیں، پھر ان ہر دو اماموں کو امام مالک (متوفی ۱۸۷ھ) کا شاگرد پاتے ہیں، اس پر وہ یہ قاعدہ تجویز کر لیتے ہیں کہ موطا مالک فقہ کی اصل ہے جس سے مالکی، شافعی، حنفی مذاہب پیدا ہوئے پھر آگے بڑھ کر وہ اہل مدینہ کی فقہ کا مرکز حضرت فاروق اعظم کو قرار دیتے ہیں، بتائیں ان مذاہب ثلاثہ کو فاروق اعظم کے مذہب کی تشریح مانتے ہیں۔ ازالۃ الخفا میں وہ فاروق اعظم کو مجتہد مستقل اور ان ائمہ ثلاثہ کو مجتہد منتسب کے درجے پر تسلیم کرتے ہیں اس سے وہ ائمہ اہل سنت کے مذہب کو قرآن و سنت کی صحیح تشریح قرار دیتے ہیں ہماری سمجھ میں یہ خبر اس رنگ میں جو حنفیہ میں کی کتابوں میں بھی نظر نہیں آئی، شاہ صاحب کی اس مذکورہ بالا عقلی ذہنیت کی صفائی کا نتیجہ ہے۔

فصل (۳) حکمت عملی کے باب میں شاہ ولی اللہ کا امتیاز اور اسکے اسباب

چشتی طریقہ میں حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی البحر الموانع عرف شکر بار، مولف رسالہ عزیز یہ (یہ رسالہ انفاص العارفین میں پورا نقل ہے متوفی ۹۷۵ھ) ایک بہت بڑے عالم، عارف، متشرع بزرگ گزرے ہیں، ان کے والد شیخ حسن بن طاہر (متوفی ۸۵۹ھ) سلطان سکندر لودوی کے زمانہ میں دہلی آئے تھے، شیخ عبدالعزیز کے پوتے شیخ رفیع الدین بن قطب العالم بن عبدالعزیز ہیں، جو خوب باقی باللہ کے خواص اصحاب سے تھے، شیخ رفیع الدین شاہ عبدالرحیم کے تلامذہ ہیں، ان سے اسی طریقے پر شاہ عبدالرحیم کو فیض پہنچا، شاہ عبدالرحیم کی پیدائش سے دو سال پیشتر آپ شاہ عبدالرحیم کی خلافت کی سند لکھ کر ان کی والدہ کو دے گئے تھے، یہ جملہ مشہور ہے کہ جس طرح مغلیہ خاندان میں سلطنت کا تسلسل رہا، اسی طرح شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں شاہ ولی اللہ تک پھر ان کی اولاد تک جو سراج الدین بہادر شاہ ثانی (متوفی ۱۷۲۳ھ) کے زمانے تک ہی، علم و عرفان کا تسلسل رہا ہے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کے ایک استاد میر محمد زاہد ہردی (متوفی ۱۱۱۱ھ) ہیں، ان کا سلسلہ تلمذ شیخ

محقق جلال الدین دوانی (متوفی ۹۲۸ھ) پر ختم ہوتا ہے۔ سلطان محمد خان قانع نے جب یورپین اقوام کو اسلام سے آشنا کرنا ضروری سمجھا تو اپنے اہل عصر علماء کو شریعت و حکمت کی تطبیق پر متوجہ کیا ان میں سے محقق دوانی ایک نامور استاذ ہیں حکمت علمی میں اکثر افاضل زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے مگر شیخ جلال الدین دوانی نے محقق نصیر الدین طوسی (متوفی ۶۷۲ھ) کے بعد اخلاق جلالی لکھ کر اس فن کو زندہ کر دیا۔ شاہ عبدالرحیم نے شاہ ولی اللہ کو حکمت عملی سکھانے میں خصوصی توجہ برتی ہے۔ جس کا ذکر ”انفاس العارفین“ اور ”جز لطیف“ میں موجود ہے۔

شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کا یہ کارنامہ بھی قابل احترام ہے کہ حکمت عملی سکھانے پر خاص زور دیتے تھے عام متکلمین نے ارسطو کی حکمت نظریہ کو اپنا مطمح نظر بنالیا ہے، وہ حکمت عملی سے سروکار نہیں رکھتے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم کلامیہ میں دلچسپی سے حصہ لینے والے فقہاء اور متکلمین قومی زندگی کی ضروریات میں تہہ برادر ٹکڑے سے محروم ہو گئے۔ امام ولی اللہ فرماتے ہیں ”حضرت ایشاں با اخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت و فراست و کفایت و غیرت بوجہ اتم موصوف ہووند۔ و عقل معاش مثل عقل معا و کامل و دافر داشتند و در مجلس صحبت، حکمت عملی و آداب معاملہ بسیار می آموختند۔ بحوالہ کتاب ”تمہید“ فی الانفاس“ ایں فقیر رادر مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیار سے آموختند۔ اس بنیاد پر شاہ ولی اللہ نے عظیم الشان عمارت کھڑی کر دی ہے اپنے حالات میں جہاں اور انعامات الہیہ کا ذکر کرتے ہیں یہ بھی لکھتے ہیں۔ ”حکمت عملی کہ صلاح ایں دورہ دوراں است بوسعت تمام افادہ فرمودند و توفیق تشہید آن بہ کتاب و سنت و آثار صحابہ و اوند“ (جز لطیف) اگر شاہ ولی اللہ کے شاہ کار حجۃ اللہ البالغہ پر غور کیا جائے تو اس میں ایک امتیازی وصف یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ مباحث ارتفاعات میں حکمت عملی کا مفصل ذکر کر کے تمام احادیث کو انہیں ابواب پر تقسیم کر دیتے ہیں پھر خاص موقعہ پر حدیث کے ذیل میں حکمت عملی کا کوئی نکتہ ذکر کر دیتے ہیں۔

الفرض شاہ صاحب کی تمام کتابیں عبادات کے چار ابتدائی ارکان کے بعد حکمت عملی کے ابواب پر مرتب ہیں اس کا ایک نتیجہ ہماری سمجھ میں یہ ہے کہ شاہ صاحب نے حسن و قبح (یعنی برواظ) کے معنی لفظی بحثوں سے مجرور کر کے ہر طالب حق کے لئے اکتوٹھس کر دیا ہے۔ ان کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نوعی خواص اس میں کاملًا

پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک گدھے کو ہم اچھا کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ حماریت کے لازم اس میں پورے موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ مثلاً ایک انسان سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اگر ہم ایک نبات کو یا ایک جماعت کو اچھا کہیں گے تو اس کے نوعی خواص کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائیں گے بنا بریں ایک انسان کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں انسانیت نوعیہ کے خواص کا ملنا پائے جاتے ہیں اسی طرح جس قدراں اوصاف میں تنزل ہوگا اسی قدر اس کی خوبی میں نقص پیدا ہوتا جائے گا، انسانیت کے اوصاف کیا ہیں؟ اس کا جواب ایک ماہر حکمت کے نزدیک یہ ہوگا کہ تمام اقوام اور اصناف میں استقرائے تام کے بعد جس قدر اوصاف مشترک پائے جاتے ہیں وہ انسانیت کا مصداق ہیں شاہ صاحبؒ کی حجتہ اللہ پڑھ کر دیکھئے وہ ہر بات میں کسی عمل کی، کسی خلق کی، کسی عقیدہ کی خوبی فقط اس طریقے سے ثابت کریں گے کہ وہ انسانیت کے عام افراد میں یعنی مشرق و مغرب میں اور عرب و عجم میں پایا جاتا ہے، یہ ایسا نفیس جوہر حکمت ہے جس سے عام مصنفین کی کتب خالی ہیں دوسرے علما کی کتابیں پڑھ کر حسن و قبح کی تمیز میں براہم کی حقیقت معین کرنے میں خیالی فلسفہ گھڑنے سے زیادہ کوئی کمال پیدا نہیں ہوگا۔

شاہ صاحبؒ کی اس استقرائی اجتماعیت کے بعد ایک طالب علم اس ورطہ سے یک نخت نکل جاتا ہے، وہ گھر کے نظام کو ایک سلطنت کے طور پر چلانے کی فکر صحیح اپنے اندر رکھتا ہے اسی کو بڑھا کر وہ محلے، مدینے اور مدن میں پھیلا کر دنیا کی سیاست پر حکمران بن سکتا ہے، اس کے بعد وہ عالم سمجھ سکتا ہے کہ اسلام عالمگیر انقلاب کا مکمل پروگرام ہے جس پر قرآن عظیم حاوی ہے اور وہ اس نقطہ نظر سے اپنی تشریح آپ ہی کسی تکمیل اور تشریح کا محتاج نہیں، یہ شاہ صاحبؒ کے فلسفہ کا بہترین نتیجہ ہے جس نے قرآن کو مسلمانوں کے اذہان کے قریب کر دیا۔

باب دوم (تکمیلی ملکات)

اب ہم شاہ صاحبؒ کے تکمیلی ملکات سے بحث کرتے ہیں۔ تکمیلی ملکات سے ہماری مراد یہ ہے کہ:

(الف) صاف عقلیت سے تمام معلومات کو مرتب کر لینا تاکہ ان میں کسی قسم کا تضاد اور تراجم باقی نہ رہے۔

(ب) وہی قوتوں سے سرشار ہونا تاکہ تمام اختلافات کی اصلاح کے لئے جو تہذیب الہیہ کام کر رہی ہیں وہ بھی محسوس ہونے لگیں۔ اس وقت وہی کا استناد، اول الذکر قوت عقلی پر ہو، غرض اس پہلے عقلی فیصلہ کی اس قوت وہی سے تائید ہو رہی ہو۔

(ج) اس کے بعد قرآن حکیم کے حقائق پر عقلی اور وہی ہر دو قوتوں سے غور کرنا۔ اور اس کے تاریخی انتقادات کو مرتب طور پر سوچنا، سامنے لانا، اور واضح کرنا، پھر اس علم کی ایک تعلیم گاہ بنا کر راکھیں فی العلم تیار کرنا جو اپنے زمانہ میں اور آئندہ آنے والے دور میں قرآنی تعلیمات کو مکمل اور ادیان کے مقابلہ میں قائم رکھ سکیں۔ یہ نمبر سوم مذکورہ بالا قوتوں (عقلی اور وہی) کے استعمال کا پہلا میدان ہے، اس کی تفصیل پر مختصر آئندہ بحث آتی ہے۔

فصل (۱) شاہ ولی اللہ اور قرآن فہمی کے باب کی ایک عام غلط فہمی کی اصلاح

فقہاء و علما نے قرآن عظیم کو اپنی ”اصول فقہ“ میں پہلے درجہ پر رکھا ہے، مگر اس سے مراد ان کے یہاں چند آیات احکام ہیں جو امر و نہی کی شکل میں قرآن حکیم میں مدون ہیں، اس

تخصیص کا یہ اثر پیدا ہوا کہ ایک عالم سارا قرآن سمجھنا ضروری نہیں جانتا پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی تفسیر واعظوں اور قصہ گو افسانہ طراز لوگوں کے ہاتھ آگئی اور فقہاء کا اس میں دخل نہ رہا۔ ائمہ فقہاء نے اپنے اصول میں بالاتفاق یہ مسئلہ درج کیا ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک آیت بلفظ عموم نازل ہوئی ہو اور مفسرین اس کا کوئی خاص واقعہ سبب بتاتے ہوں تو قرآن فہمی میں عموم الفاظ ہی مد نظر رہے گا خصوصیت محل کو اس میں دخل نہیں ہوگا۔

اس قاعدے پر اتفاق ہوتے ہوئے آپ جس تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں گے ہر آیت کے ماتحت ایک جزئی واقعہ پائیں گے۔ مثلاً یہ آیت ابو جہل کے حق میں ہے، یہ عبد اللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی، یہ حضرت ابو بکر صدیق کی فضیلت میں اُتری، اس میں اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے، عام اساتذہ اور طلبہ کو آپ انہیں جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے، شاہ صاحب نے ”الغزوالکبیر“ کی ابتدا میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اور آیات احکام کا مطلب یہ بتلایا کہ اجتماعی طور پر انسان میں جو بد اخلاقیات اور بد اعمالیاں موجود ہیں ان کو ان آیات کا سبب نزول سمجھنا چاہئے عرب یا عجم، زمانے کے تقدم یا تاخر سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔ الغزوالکبیر میں ہے ”محقق آنست کہ وجود اعمال فاسدہ و جریان مظالم در میان ایشان سبب نزول آیات احکام است“۔

اس طریقے پر سوچنے والی ایک جماعت شاہ صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں پیدا ہو گئی شاہ محمد عاشق پھلتی اور شاہ محمد امین کشمیری ولی اللہی اس گروہ کے سرکردہ ہیں، سراج الہند مولانا شاہ عبد العزیز (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد ان سے پڑھ کر تکمیل کی۔ فصل (۲) قرآن میں قصص انبیاء کی تکرار کا حل اور مضامین قرآن کی ولی اللہی تقسیم جس کی رعایت سے فہم قرآن کا دروازہ کھل جاتا ہے اور قرآن تک رسائی ہو سکتی ہے۔

قرآن شریف میں انبیاء کے قصے مکرر مکرر موجود ہیں، انسان بے ترتیبی سے پڑھتے پڑھتے اکتا جاتا ہے شاہ صاحب نے عامہ کتب الہیہ کے لئے تین اصول مقرر کئے ہیں جن کے بعد وہ تمام قصص ایک اعلیٰ روحانیت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے وہ تین اصول حسب ذیل ہیں۔

(۱) التذکیر بالآلاء اللہ (۲) التذکیر بایام اللہ (۳) التذکیر بالموت وما بعده آپ نے ان تینوں فنون پر الفوز الکبیر کے مقدمے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ قرآن شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذکر، یعنی مطلق تذکرے کے لئے نازل ہوا، قال اللہ تعالیٰ شانہ ”ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر“ تذکیر مذکور کی بحث کو مستقل طور پر کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا، عام واعظ اور قصہ گو لوگ ان آیتوں میں تصرف کرتے رہے اور ان کی بحثیں ایک طرح تلاعب کے درجہ تک جا پہنچیں۔

(۱) واضح رہے کہ مذکورہ بالا تذکیر میں مفسر کو ایک تو علوم طبعیات میں کافی مہارت ہونی چاہئے تاکہ الاء اللہ کی تشریح کر سکے، سطعات میں شاہ صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ حکمت طبعیہ کو قرآن عظیم نے الاء اللہ کی تذکیر میں استعمال کیا ہے۔

(۲) تذکیر بایام اللہ کو فقط ایک مورخ اور فلسفہ تاریخ کا حاذق و ماہر ہی حل کر سکتا ہے کہ ایک قوم کس طرح بڑھی تھی، پھر کس طرح گری۔ (۳) انسانی زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی اس پر خفی ادیان میں یہودی، نصرانی، مسلم سب متفق ہیں اور صابی ادیان میں سے سناقی، بدھست اور مجوس جو تنازع کے قائل ہیں، وہ بھی موت پر زندگی کو ختم نہیں کرتے آزاد طبع عقلمندوں کی جماعت میں سے بھی بہت بڑا حصہ، انسانی زندگی کو موت پر ختم نہیں کرتا البتہ ادنیٰ طبع کے چند بوالہوس شور مچاتے رہتے ہیں ان سے عوام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس غفلت سے انسان کو نکالنا اور اس کی زندگی کا مفہوم اسے سمجھانا، اس کے ثمرات جو اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں یا وہ ثمرات جو موت کے بعد پیدا ہو گئے ان کو ذہن نشین کرانا قرآن عظیم کے مقاصد میں اہم چیز ہے۔

اس مسئلہ کو (تذکیر بالموت وما بعده کو) الہیات کا ایک بہت بڑا فاضل ہی سمجھا پڑھا سکتا ہے جسے عقلی الہیات کے ماسوا مختلف ادیان کے نظریات ما بعد الموت پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔ عقدہ لائٹل اور (مسئلہ حقیقت روح)

یہاں ایک پیچیدگی غلط تفسیر سے پیدا ہوئی جس نے مسلم مفکرین کے اذہان کو جامد بنا رکھا

ہے، مابعد الموت کے مسئلہ پر غور کرنے سے پیشتر انسانی روح کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ عامہ مفسرین نے روح کے علم کو تشابہات میں داخل کر رکھا ہے، کوئی مفکر اس کے قریب نہیں جاسکتا، اس لئے تمام مسائل مابعد الموت تحت اللفظ ترجمہ پڑھنے سے زیادہ قابل غور نہیں سمجھے جاتے یہاں تک کہ عقائد کی کتابوں میں توحید اور نبوت کا مسئلہ تو عقلی مانا جاتا ہے اور عذاب القبر سے لیکر آگے کی تمام بحثیں نقلی سمجھی جاتی ہیں۔ عذاب القبر کو صرف اسلئے مانا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں اس کا ذکر موجود ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی تالیفات میں مسلمانوں کو اس غلطی سے بچایا ہے، مابعد الموت جو زندگی قرآن ثابت کرتا ہے ان کے یہاں مسلسل عقلی نتائج کا مجمل بیان ہے، عقل صریح کی پوری تائید کے بغیر کوئی چیز قرآن منوانے کی خواہش نہیں رکھتا۔

اس ہمارے دور میں جب سے ہندوستان سے اسلامی حکومت چلی گئی ہے شاہ صاحب کے ان افادات پر توجہ نہ کرنا مسلمانوں کی سب سے بڑی بد قسمتی ہے۔

فصل (۳) شاہ صاحب کی تقسیم کے مطابق قرآن کا ایک اہم مضمون ”مخاصمہ اور عام علما کی اس نکتہ سے بے اعتنائی

شاہ صاحب نے قرآن کے اصول میں سے پانچویں اصل مخاصمہ قرار دیا ہے جو یہود و نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے ساتھ جاری ہے اس کی پوری تفصیل ”الغزو الکبیر“ کے مقدمہ میں ملے گی۔ ہماری سمجھ میں شاہ صاحب کے مباحث (در بارہ مخاصمہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ علم اخلاق جو احکام شرعیہ کے ضمن میں ملحوظ ہے۔ اس کی تعلیم دو طرح دینی چاہئے اول بطریق اوامر و نواہی دوم ان اخلاق حمیدہ کے تارکین کی زندگی میں جو معائب پیدا ہوتی ہیں ان کی تفصیل بتائی جائے۔

ایک جماعت جو اپنے آپ کو احکام الہیہ کا پابند مان لیتی ہے پھر اس ملت کے متبعین کے لئے مرکز کا کام دیتی ہے اس جماعت کی خرابی سے ساری ملت برباد ہو جاتی ہے، ان کی مثالیں یہود و نصاریٰ سے مخاصمہ کر کے واضح کر دی گئیں۔

ایک ایسی جماعت جو عقلی اصول پر اپنی ترقی تجویز کر لیتی ہے وہ اپنے مسئلہ اخلاق کی

پابندی کو ترک کر کے کس طرح برباد ہوتی ہے، اس کی توضیح مشرکین کے مناظرے میں آئے گی۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند سمجھتا ہے پھر تساہل اور تہادون سے ان احکام کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔ اس کی غلطیاں منافقین کے مناظرے سے واضح ہو گئی۔ شاہ صاحبؒ کی اس توضیح کے بعد خاصہ قرآن حکیم کے مقاصد میں نہایت اہم درجہ رکھتا ہے۔ فقیہ اس کو بے التفاتی سے پڑھ کر گزر جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں بہت کم مفسرین ایسے ہو گئے جو اس مقصد پر متوجہ ہوتے ہوں جن لوگوں نے یہ خیال بنایا تھا کہ فقیہ بننے کیلئے قرآن کریم کے فقط اوامرو نواہی کافی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ قرآن کو مس تک نہیں کر سکے۔

جب مسلمانوں کی مرکزی جماعت کا قرآن عظیم کے متعلق یہ خیال ہوا تو عوام بیچارے اس بارہ میں کہاں تک قابل ملامت قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے قرآن کے مضامین کو مذکورہ بالا پانچ ابواب میں تقسیم کر کے دنیائے اسلام پر رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے، یہاں اگر ان کی کبھی عقلی اور وہی اشرافی قوتیں کام نہ کرتیں تو ہمارے خیال میں قرآن کو اس طرح واضح کرنا ناممکن تھا۔

ہم نے امام فخر الدین رازی (محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر پڑھی۔ نیز جارا اللہ بخسری (محمود بن عمر متوفی ۳۸ھ) کی تفسیر کا مطالعہ کیا، ان کے علاوہ معالم التنزیل از (ابو محمد حسین بن مسعود فرات) بغوی (متوفی ۵۱۰ھ) اور تفسیر حافظ (عماد الدین ابوالفد اسماعیل بن عمر المعروف بہ) ابن کثیر (متوفی ۷۴۷ھ) بھی پڑھی، ان سے ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق سوائے تحیر کے کچھ نصیب نہیں ہوا، اگر طالب علمی کے عہد میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۹ھ) سے چند آیتوں کی تفسیر نہ سنی ہوتی جو کتابوں میں نہیں ملتی اور ہمارے لئے وہ اطمینان کا ذریعہ بن سکی اور اس کے ساتھ ہی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) کے بعض تفسیری جملے ہم نے نہ پڑھے ہوتے تو ہم علم تفسیر کے حاصل کرنے سے قطعاً مایوس ہو جاتے، ہم مانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے انہی کتابوں سے قرآن سمجھا تھا جب وہ قرآن کی حکومت

مجتہدانہ اصول پر قائم کر رہے تھے، مگر اس قسم کی تفسیروں سے قرآن مجہی ہمارے لئے ناممکن ہے۔ ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اصول تفسیر پر کتابیں مانگیں، آپ نے کتاب الاتفاق فی علوم القرآن، از حافظ جلال الدین (عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ہمیں مرحمت فرمائی، میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بار بار پڑھی، سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی جسے اصول کا درجہ دیا جاسکے یہ زمانہ ایسا تھا کہ میں اصول فقہ سے فارغ ہو کر اس میں ایک مستقل تصنیف لکھ چکا تھا، اسی زمانہ میں حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سار سالہ اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے جس کا نام ”الغوز الکبیر“ ہے۔

یہاں میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مولانا قدس سرہ کی عادت مبارکہ کا ضمناً ذکر کروں، آپ جانتے تھے کہ امام فخر الدین رازی اور علامہ (مسعود بن عمر التونی ۱۰۷۷ھ) تفتازانی کو عموماً طلبہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان نام پر وہ حضرات کے مقابلہ میں طلبہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ علامہ شیخ الہند اگر کسی مسئلے میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تقلید کرتے تو مبہم طور پر یہ فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلہ میں یوں ہے طلبہ سمجھتے کہ یہ محققین ان حضرات سے بھی کوئی مقدم ہستیاں ہوں گی، میں ایک لمبے عرصے کے بعد حفظن ہوا کہ محققین سے مراد حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم اور ان کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب پر ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ باعث تھا کہ آپ نے ”الغوز الکبیر“ مجھے شروع میں عطیانہ کی، بلکہ فقط اس کا تذکرہ کر دیا جب میں سندھ پہنچا تو مجھے ”الغوز الکبیر“ کا نسخہ ملا، اس سے بیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا فصل اول کا مطالعہ ختم کر لینے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ علم تفسیر مجھے آسکتا ہے پھر اس دن سے آج تک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کر سکا۔

فصل (۴) متن قرآن سے شاہ ولی اللہ کا اعتنا اور اس کی برکات، آپ کا ترجمہ قرآن ”فتح الرحمن“ اور اس کی خصوصیات

قرآن شریف کو عامہ مسلمین کے اذہان کے قریب لانا ضروری تھا مسلمانوں کی ذہنی سطح استوار کرنے کے لئے سب سے پہلے شاہ عبدالرحیم نے یہ بہترین راستہ اختیار کیا کہ متن قرآن عظیم تحقیق و تنقید سے پڑھانے لگے اس سے پہلے علما کا یہ دستور تھا کہ قرآن شریف فقط تلاوت کرنے کے لئے پڑھاتے اور مطالب سکھانے کے لئے جس فن سے انہیں دلچسپی ہوئی اس قسم کی ایک تفسیر طالب علم کو پڑھا دیتے جس سے قرآن شریف گویا اس فن کی ایک اعلیٰ کتاب بن جاتی اور جو اخلاقی ذہنیت استاد کی طبیعت میں مرکوز ہوتی، تفسیر پڑھنے سے اور راسخ ہو جاتی۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں ”غالباً در حلقہ یاران بیروں از تلاوت ہر روز دوسرے رکوع پہ تدبر و بیان معانی می خواندہ انفاس ص ۸۶ دوسرے موقع پر تحریر کیا ہے ”از جملہ من عظمیٰ بریں ضعیف آن بود کہ چند بار در مدرست قرآن عظیم یا تدبر و شان نزول و رجوع بہ تفاسیر بہ خدمت ایشاں حاضر شدم و ایں معنی سبب فتح عظیم افتادہ، جزاء لطیف

اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے متن قرآن کی حقیقت اپنے اشراق سے اس طرح معین کر لی کہ یہ کتاب بذات خود ایک کامل مکمل نصاب ہے اس پر اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں، ہندوستانی مسلمانوں کی شاہی زبان فارسی تھی۔ ۱۱۵۰ھ میں آپ نے اس کتاب مجید کا فارسی میں ”فتح الرحمن“ کے نام سے ترجمہ کیا، جو ۱۱۵۱ھ میں ختم ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں ”فتح الرحمن“ کی تدریس کا افتتاح ہوا، آپ نے ترجمہ کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے جن کی اہمیت میں یورپ جا کر سمجھ سکا ہوں۔

(الف) مثال کے طور پر ”کسب علیکم القصاص فی القتلۃ“ کی تفسیر ملاحظہ ہو، قصاص کا ترجمہ مساوات اور مماثلت، غالباً آپ کو کسی تفسیر میں نہیں ملے گا۔ انسانی مساوات کو یہاں بنائے حیات قرار دیا گیا ہے کما قال تعالیٰ شانہ ”و لکم فی القصاص حیاة یا اولی الاباب لعلکم تتقون“ پھر انسانی سوسائٹی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (الف) خود اپنی

قوم (ب) اور اجنبی، اجنبی کو "العبد بالعبد" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اپنی قوم کو (ج) الذکر والانسی میں تقسیم کر دیا ہے، اس بنیادی چیز پر جہاں تک میری نظر کام کر سکی ہے کسی حکیم نے تنبیہ نہیں کی، ہمارے دور میں جبکہ ہم یورپ سے اشتراک عمل کرنے پر مجبور ہیں اور یورپین نظریات کو ہم بڑی عزت و عظمت سے لیتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انسانی سوسائٹی کو تحلیل کرنے والے حکما مسلمانوں میں کم نظر آتے ہیں تو نو جوان مسلمان کے دماغ پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑتا، وہ یہاں پہنچ کر اپنی خودی گم کرنے لگتا ہے، اگر اس کی چیز اس کو قرآن حکیم میں سمجھادی جائے تو وہ تفصیلات ہر اچھے عالم سے لے سکتا ہے اور اس کی اسلامیت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔

(ب) سورہ رعد کی آخری آیتوں اولم یروا انا ناتی الارض لنقصھا من اطرافھا واللہ یحکم لا معقب لحکمہ وهو سریع الحساب الخ پر شاہ صاحب کا حاشیہ پڑھئے، اس سے مکہ معظمہ ہی میں "اسلامی حکومت" کی تائیس آپ کو سمجھ آنے لگے گی اور اس سے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں آپ کو سہولت ہوگی، پارٹی پالیٹکس کی بنیاد اس بیان میں روشن نظر آتی ہے جس کی تفصیل "فیوض الحرمین" میں زیادہ موجود ہے وہاں آپ نے سلطنت کو خلافت ظاہرہ سے تعبیر کیا ہے اور سلطنت پیدا کرنے والی پارٹی کو آپ خلافت باطنہ کا نام دیتے ہیں۔ قرآن کی حکومت پیدا کرنے والی پارٹی ہی کا نام حزب اللہ ہے اس طرح سیاسی مسائل پر غور کرنے کی توجہ، شاہ صاحب کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے اس کے بعد یورپ کی موجودہ ترقی ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہتی البتہ ہم اپنے چند غفلت شعار بادشاہوں اور امیروں کی سستی کا برا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ ہمارا مذہب اگر قرآنی قانون سے ماخوذ ہے تو ہم دنیا کے مقابلے میں پسا نہیں ہو سکتے اگر بادشاہوں کی شکست کے بعد ان کی باقی ماندہ میراث کو ہم اسلام سمجھیں تو میری رائے یہ ہے کہ اس اسلام کی پوری شکست مان لینی چاہئے، تاکہ نئی نسل کو نئے سرے سے کام کرنے کی ہمت پیدا ہو، غلط اصولوں کی تصحیح میں ان کے دماغوں کو الجھانا نہیں چاہئے۔

قرآن عظیم کا مذکورہ بالا ترجمہ میرے نزدیک ایک ہندوستانی کے لئے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے، اس کے اذہر کر لینے کے بعد دوسری تفاسیر پڑھنی چاہئیں۔ تب کہیں ان سے استفادہ

کیا جاسکتا ہے اگر یہ ترجمہ ایک استاد سے پڑھنے کے بعد ذہن میں راسخ نہیں ہوا تو میرے خیال میں ایک عجیب موجودہ تفاسیر سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا خواہ وہ تفاسیر نقلی ہوں یا عقلی یا ادبی۔

فصل (۵) آیات متشابہات کے متعلق شاہ صاحب کا مسلک

قرآن حکیم نے آیات قرآنی کی تقسیم محکمات اور متشابہات میں کر دی ہے عموماً اہل علم متشابہات میں بحث کرنا ناممکن سمجھتے ہیں، پھر متشابہات کی ایسی واضح تعریف و تفسیر جس سے تمام ایسی آیتیں تحقیقی اور تحدیدی طور سے جدا کر لی جاسکیں کوئی متفق علیہ موجود نہیں ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک تو قرآن بتمامہ ناقابل فہم ہو گیا، اور متشابہات میں غور نہ کرنا ایک اصول اور عقیدہ مقرر ہو گیا، ایک کتاب کی نسبت جب یہ عقیدہ بن جائے کہ اس کے بعض حصے (جس کا پورا تعین بھی نہیں) فہم سے بالاتر ہیں تو انسانی متوسط عقول کے لئے ساری کتاب مشتبہ بن جاتی ہے طبیعت میں خدشات اور اداہام اٹھتے ہیں کہ فلاں فلاں آیات کا جو مفہوم ہم نے متعین کیا ممکن ہے کہ اس کی نفیض ان آیات میں موجود ہو جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے، اس غلط فکر نے عمل کے لئے قرآن کی طرف سے مسلمانوں کے التفات کو یکسر ہٹا دیا۔

شاہ صاحب کے علوم میں یہ خاص قوت ہے کہ وہ متشابہات کے معانی راہین فی العلم کے لئے تحقیقی راہ سے سمجھا سکتے ہیں۔ ان علوم کو ہم تکمیلی علوم میں شامل جانتے ہیں، بیشک ہر طالب علم اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا لیکن اگر وہ اپنی جدوجہد مسلسل جاری رکھے تو رسوخ فی العلم کا مرتبہ حاصل کر لیں اس کے لئے ناممکن نہیں ہے۔

اس یقین کو پیدا کرنے کے بعد قرآن کریم کے عالموں کی ایک مستقل سوسائٹی پیدا ہونا لازم ہے جس میں استاذ کامل و مکمل اور اہل علم اول اور دوم درجہ کے شامل ہوں، یہ قرآن کی تعلیمات کو دنیا میں کامیاب بنانے کے لئے مرکزی قوت ہوگی۔

مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہمیں زیادہ تر واسطہ ان اہل علم سے پڑتا رہا جو شیخ الاسلام (حافظ اتقی الدین احمد بن عبدالحلیم عرف) ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کی امامت کے قائل ہیں، ظاہر یہ حنابلہ اور شافعیہ محدثین کی طرف ان کا علمی میلان ہے، وہ اسی وہم میں مبتلا تھے، کہ

تشابہات میں بحث کرنا فتنے کا دروازہ کھولنا ہے اور تشابہات کا علم یقینی طور پر حاصل کرنا کسی عالم کے لئے ممکن نہیں، اس طرح وہ ہماری تعلیم پر ایک پابندی عائد کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کو کھلے طور پر طلبہ کے سامنے پیش نہ کر سکیں، کیونکہ شاہ صاحب تشابہات میں بحث کرتے ہیں، اور یہ ان کے اصول کے خلاف ہے۔

ہمیں اس سے تھوڑے دنوں پریشانی رہی اور ہم نرمی سے عقلی طور پر ان کو سمجھاتے رہے اتفاقاً ہمیں حافظ ابن تیمیہ کی تفسیر قل هو اللہ احد مطبوعہ مصر ہاتھ آئی جو ہمارے لئے ایک حیرت کا سبب بن گئی، ابن تیمیہ نہایت شدت سے اس فکر کی تردید کرتے ہیں کہ تشابہات کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں اور یہ نتیجہ ہے اس مشہور قاعدہ کا کہ ”وما یعلم تاویلہ الا اللہ“ پروقف لازم مانا جاتا ہے ”والراسخون فی العلم“ کو اس سے منقطع کرویا جاتا ہے ابن تیمیہ پوچھتے ہیں کہ آیات تشابہات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا یا نہیں اور اس سے اوپر جبرئیل بھی جانتے تھے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو ان آیتوں کے نازل کرنے کا کیا مطلب تھا۔

ہم نے یہ نقل ان اہل علم کو دکھانا شروع کی اس پر وہ حیران رہ گئے بعد ازاں وہ خود ابن تیمیہ کی دوسری کتابوں سے اس کی تائیدات تلاش کر کے ہمیں آکر سنانے لگے۔

میرا اپنا اس معاملے میں یہ حال ہے کہ جب سے میں نے ”مسلم الثبوت“ کی شرح از مولانا بحر العلوم (متوفی ۱۲۲۵ھ) پڑھی اور یہ ۱۳۵۱ھ کا واقعہ ہے، تو اس زمانہ سے میں اس پر مطمئن تھا کہ بحث اور مناظرہ سے تو تشابہات کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا مگر وہی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کا ملین امت مرحومہ کو یہ علم عطا کرتا رہتا ہے اس کے بعد کافی زمانہ گزرنے پر خولجہ محمد معصوم سہرندی العروۃ الوثقی (متوفی ۱۰۷۱ھ) کے مکتوبات میں میں نے پڑھا کہ حضرت امام ربانی وہی طریقہ سے تشابہات کی تاویل پر قادر ہونے کو صحیح مانتے ہیں اور مقطعات کی تفسیر سمجھانے میں انھوں نے بڑی احتیاط برتی کہ اس مجلس میں سوائے خولجہ معصوم کے کوئی دوسرا حاضر نہ ہو۔

یہ میرے اساسی خیالات تھے شاہ ولی اللہ کی حکمت نے اس فکر کی تکمیل کر دی، اس کے بعد قرآنی مضامین کو میں اطمینانی شکل میں سمجھ سکا، میرے خیال میں شاہ صاحب کا اس فن کو تعلیم و تلقین

کے ذریعہ اپنی خاص جماعت میں عام کر دینا اس دوسرے ہزارہ میں ایک بہت بڑی نعمت ہے شاہ صاحب کے اتباع میں مولانا محمد اسماعیل شہید، (متوفی ۱۲۳۶ھ) پھر مولانا محمد قاسم اس حصے میں ایک استقلالی شان رکھتے ہیں یعنی اپنے اپنے زمانے کی اصطلاحات کے مطابق اہل علم کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص تقدیر کے مسئلہ کو حجۃ اللہ الباقیہ کے اصول پر حل نہیں کر سکتا وہ حکمت ولی اللہیہ سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے، تقدیر کا مسئلہ بیان کرنے میں مولانا محمد قاسم کی بھی وہی شان ہے جو شاہ صاحب کی ہے مگر شاہ صاحب اپنے متبعین کو سمجھاتے ہیں اور مولانا ایک عیسائی، ایک آریہ سماجی کو بھی سمجھا سکتے ہیں۔

جو لوگ ان اصطلاحات کے پابند ہیں جن سے ان مسائل پر غور کرنا کسی راسخ فی العلم کے لئے بھی جائز نہیں ہو سکتا (اور ان ہی سے مدارس اور مکاتب بھرے پڑے ہیں) میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ اس زمانہ میں اسلام کیلئے کس قدر مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ میری تربیت کا اثر لازم ہے کہ میں اس قسم کے غوامض میں خود راسخ فی العلم نہیں کرتا مگر کسی راسخ فی العلم جماعت سے تعلق بھی پیدا نہ کرنا اور ان مسائل کے متعلق ہر وقت پریشان و مافی میں جتلا رہنا طالب علم کی شان سے دور جانتا ہوں۔

فصل (۶) رسوخ فی العلم کی تشریح

”رسوخ فی العلم“ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عالم کے معلومات میں کہیں تناقض نہیں ملتا جو چیزیں بظاہر متعارض ہیں وہ ایک قاعدے کے اندر اس کی نظر میں جمع ہو جاتی ہیں شاہ ولی اللہ نے مکتوب مدنی کے شروع میں لکھا ہے کہ ہمارے دور کے علوم خاصہ میں سے چوٹی کا علم تطبیق آرا ہے، اسی کلیہ کے ماتحت وہ وحدت شہود اور وحدت وجود کی تطبیق اسی رسالہ میں بیان کرتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین صاحب (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے تحکیم الافہان میں تطبیق الآراء کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے مولانا محمد اسماعیل شہید ”عبقات“ میں وجودیہ و راسیہ اور شہودیہ ظلیہ میں تطبیق کی سعی کرتے ہیں مولانا محمد قاسم ”قاسم العلوم“ میں ”راختن فی العلم“ کے مابین اختلاف تسلیم ہی

نہیں کرتے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے دو سلیم المواس ایک چیز کے دیکھنے سننے میں مختلف نہیں ہو سکتے اسی طرح دور اسخ فی العلم کسی عقلی، وجدانی مسئلے میں بھی کبھی مختلف نہیں ہو سکتے جو اختلاف بظاہر نظر آتا ہے وہ فقط صورتی ہوتا ہے۔

ان مقالات پر غور سے تامل کرنے کے بعد راسخ فی العلم کے معنی محقق ہو جاتے ہیں ہم شاہ صاحب کو راسخین فی العلم کا امام مانتے ہیں۔

مثال کے طور پر شاہ صاحب کی تحقیقات کا ایک نازک مسئلہ یہاں ذکر کر دیتے ہیں، حضرت شیخ اکبر جو وحدت وجود کے مسئلے کے مسلم امام ہیں، ان کے کلام میں دو مختلف نظریے ملتے ہیں، ان کی تفصیل مولانا سلیمان شہید کی زبان میں عینہ اور درانیہ ہے۔ یہ اصطلاح ”اخبار الاخیار“ میں بھی ملتی ہے اور ”نفحات الانس“ میں بھی موجود ہے، اہل علم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان مختلف عبارات کا مرجع و مجمل کیا ہے جن میں ہر چیز کو وجود کا عین (بالفاظ دیگر واجب الوجود کا عین) کہا جاتا ہے اور پھر وہی عالم (شیخ اکبر) دوسرے موقع پر واجب الوجود اور ممکن الوجود میں فرق کرنے بیٹھ جاتا ہے پھر اس کے بعد تنزل وجود کا اصول تحقیق سے پیش کرتا ہے۔

اب شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ عینیت، نفس کلیہ پر ختم ہو جاتی ہے اس تمام تر کائنات کا ایک نفس ہے جیسے ایک شخص کا ایک نفس ہے، اس حقیقت پر ابن عربی کے یہاں بھی پوری بحث موجود ہے اور حکما کے ہاں بھی شاہ صاحب نفس کلیہ اور اس کے ماتحت تمام کائنات کو من وجہ ایک دوسرے کا حقیقتاً عین مانتے ہیں، جیسے زید و عمر اور انسان من وجہ عین ہیں، شاہ صاحب نفس کلیہ کو جنس الاجناس قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک جو ہر اور عرض دونوں جنسیں نفس کلیہ کے ماتحت آتی ہیں، عام حکما یونان کا جو ہر و عرض سے اوپر جنس مشترک عالی کا نہ مانا ان کی تصور نظر پر محمول ہے۔

نفس کلیہ کا بطریق ابداع ذات حق سے صادر ہونا، ذات حق کو ”دراء الوراہ“ ثابت کر دیتا ہے نسبت ابداعیہ میں مبدع اور مبدع کے مابین ایک طرح کی وحدت کہی جاسکتی ہے۔ مگر وہ وحدت حقیقی نہیں ہوتی، انسانی عقل وہاں جا کر ٹھک جاتی ہے، درجہ ابداع پر پہنچ کر عقل کسی امتیاز کو قائم کرنے پر قادر نہیں ہوتی، اس لئے مجازاً وحدت (بین المبدع والمبدع) کا اطلاق کر لیا جاتا ہے۔

اب مسئلہ صاف ہو گیا نفس کلیہ تک کائنات کی عینیت تھی یہ ہے، اسی لئے صوفیہ بحر اور موج کی مثال دیتے ہیں اس سے اوپر ایک معلوم الانیہ مجهول الکلیفۃ نسبت ہے جسے ابداع سے تعبیر کرتے ہیں، عقل کے احاطے سے خارج ہونے کے باعث اس میں ہر قسم کے مشتبہ الفاظ مجازاً استعمال کئے جاسکتے ہیں اس قسم کا فیصلہ دینا، اور اس کو محقق طور پر سلیم عقول کے دماغ تک پہنچانا اور تمام متعارض اقوال کی توجیہ پر قادر ہونا ایک راسخ فی العلم امام ہی کی شان ہے۔

فصل (۷) مسئلہ نسخ فی القرآن اور شاہ صاحب

قرآن عظیم میں فکری انتشار کا ایک اور باعث مسئلہ نسخ و منسوخ کی بحث بھی ہے، اہل علم منسوخ آیات کو متفقہ طور پر محدود و محصور نہیں کرتے، یعنی ایسی آیات کی تحدید میں وہ خواہ باہم مختلف ہیں اس کا اثر قرآن شریف پڑھنے والے پر یہ پڑتا ہے کہ وہ ہر عملی معاملے (حکم) میں اس کے منسوخ ہونے کا شبہ پیدا کر کے اپنے آپ کو فارغ الذمہ بنالیتا ہے۔

شاہ صاحب کے رسوخ فی العلم کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے نسخ فی القرآن کے مسئلہ کو اطمینان بخش طریقہ سے حل کر دیا۔ ”الغور الکبیر“ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے، شاہ صاحب نسخ کا لغوی ترجمہ متقدمین کی اصطلاح کو مانتے ہیں، متقدمین جب کسی آیت کو منسوخ کہیں گے تو اس سے ان کی مراد کوئی خاص اصطلاحی معنی نہیں ہو سکے، بلکہ لغوی مفہوم جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہی ان کی مراد ہوتا ہے، اگر کوئی مضمون ایک دفعہ مطلق یا مجمل بیان کر دیا جائے اور دوسرے موقع پر مطلق کی قیود واضح کر دی جائیں یا اجمال کو تفصیل سے بدل دیا جائے تو لغوی طور پر دونوں جگہ کہا جائے گا کہ دوسرے مضمون نے پہلے کو منسوخ کر دیا۔

اس اعتبار سے بے شک قرآن کی آیات میں کثرت سے نسخ موجود ہے کی سورتوں میں عموماً اصول اور کلیات محقق کئے جاتے ہیں، اور مدنی سورتوں میں ان کی تشریح اور تفصیل آتی ہے۔ ایک قوم کو تدریجی ترقی دینے والا کوئی استاذ اس طریق بیان سے بچ نہیں سکتا، اس تبدیلی کو جو قطعاً طبعی ہے معیوب نہیں سمجھا جاسکتا اور نہ اس سے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ پھر متقدمین کے بعد متاخرین آتے ہیں۔ وہ نسخ کا ایک خاص مطلب معین کر لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جیسے تورات کے تفصیل

احکام پر عمل کرنا قرآن کے تفصیلی اوامر کے بعد ممنوع ہے، اسی طرح قرآن میں بعض ایسی آیات موجود ہیں جن پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں۔

یہ اصطلاح فقہاء کے باہمی اختلاف اور تضارب کے بعد پیدا ہوئی، شاہ صاحب اس اصطلاح پر قرآن میں منسوخ نہیں مانتے۔ لیکن واضح رہے کہ شاہ صاحب کا بیان اس فصل میں حکیمانہ ہے قوم کی عام حالت کو مد نظر رکھ کر انھوں نے اس مسئلہ کو تدبیراً سمجھانے کی سعی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے اہل علم پانچ سو آیتیں منسوخ مانتے رہے، لیکن شیخ جلال الدین سیوطی انتقان میں بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ تسلیم نہیں کرتے اس بارے میں سیوطی کا مقتدا اور شیخ قاضی ابوبکر (محمد بن عبد اللہ المعروف بہ) ابن العربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) ہے، شاہ صاحب مذکورہ بالا میں آیتوں میں بھی تطبیق دے کر نسخ کو پانچ آیتوں میں منحصر کر دیتے ہیں، اس کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ جس شخص نے ان پندرہ آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی وہ باقی ماندہ پانچ آیتوں میں بھی باسانی تطبیق دے سکتا ہے، شاہ صاحب صراحۃً یہ نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور وہ اس طرح صراحۃً لکھتے تو بعض معتزلہ کے قول سے تشابہ ہو جاتا اور عامہ اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ مشکل آیتوں کو تو انھوں نے حل کر دیا اور نہایت آسان آیات میں نسخ مان لیا اگر اسلوب حکیم پر ان کے بیان کو حمل کیا جائے تو ہمارا مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کرنا بعید نہیں ہوگا۔

ان پانچ آیات میں جو سب سے مشکل ہے ہم اس کو یہاں مثلاً بیان کر دیتے ہیں فقال الامام ولى الله، كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت الاية قلت منسوخة باية يوصيكم الله في اولادكم وحديث لا وصية لوارث مبین للنسخ. الفوز الكبير ۱۸۔ اگر وراثتوں کے ایسے حالات نہ ہوتے جن میں وہ غیر وارث بھی بن سکتے ہیں تو اس کی توجیہ ناممکن ہوتی والدین خصوصاً ایسی حالت میں ہیں کہ وہ غیر وارث نہیں ہوتے، لہذا ان کے حق میں وصیت قطعی طور پر منسوخ ہونی چاہئے۔ اور آیت مذکورہ بالا میں مکتوبہ وصیت والدین کے لئے

ہے، اس لئے شاہ صاحب نے آیت مذکورہ کو قطعی طور پر منسوخ مان لیا، مگر میرے شخصی حالات ایسے تھے جن سے مجھے شبہ ہوا، میری والدہ غیر مسلمہ میرے ساتھ موجود تھی، میں بیمار ہوا تو مجھے اس کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مر جاؤں تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا، اس وقت اس کی جس قدر خاطر تواضع کی جاتی ہے وہ میری وجہ سے ہے میرے مرتے ہی یہ محروم ہو جائے گی، اب مجھے وصیت کا مطلب سمجھ میں آیا، کہ اگر حالات ایسے درپیش ہوں تو وصیت لازم ہے بنا بریں کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت پر عمل کرنے کی ایک صورت نکل آئی اس لئے اس کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اطلاق کو تطبیق کی خاطر مقید بیشک کر لیجئے۔ یہ توفیق قرآنی کا بہت بڑا وسیع باب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس باقی ماندہ چارہ آیتوں میں تطبیق بہت آسان ہے وہ اولیٰ غیر اولیٰ عزیمت و رخصت پر عمل کرنے سے حل ہو جاتی ہیں۔

میں اپنی سمجھ کے موافق شاہ صاحب کے بیان کو ایک حکیمانہ طرز بیان سمجھتا ہوں میں اسے قبول نہیں کر سکتا، کہ جس امر پر مجھے شبہ ہوا، شاہ صاحب کی نظر ادھر جا ہی نہ سکتی تھی، اور باقی چار آیتوں کی مثالیں میرے مطلب کی شواہد ہیں، وہاں انھیں قواعد سے آسانی تطبیق ہو سکتی ہے جن کو وہ دوسری آیات میں استعمال کر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ذہنیت عامہ کو منتشر نہ کرنے کے لئے شاہ صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اس کی مثال موسیٰ میں بھی ایک جگہ ملتی ہے، فرماتے ہیں کہ بعض اوقات غیر مطہر چیز کو شارع مطہر کے درجے پر رکھ دیتا ہے اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز (جس کی تطہیر زیر بحث ہے) نجس ہی نہیں ہے مگر چونکہ دیکھا جاتا ہے کہ نجاست کی نفی سے ذہنیت عامہ ابا کرے گی اس لئے ایک غیر مطہر چیز کو کہہ دیا جاتا ہے کہ ”بطہرہ ما بعدہ“

فصل (۸) شاہ صاحب اور مقصد قرآن کی تعین

قرآن شریف کا مقصد معین کرنے کے لئے ”حجۃ اللہ“ کا باب الحاجۃ الیٰ دین بنسخ الادیان پڑھنا چاہئے اس کے بعد ازالۃ الخفا میں ”هو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق الایۃ“ کی تفسیر پڑھنا ضروری ہے یہ تفسیر شاہ صاحب کے نوادر میں سے ہے یہ مسئلہ (تعین مقصد قرآن) بہت بڑی اہمیت کا مالک ہے کہ پہلے تمام ادیان پر اس دین کو فوقیت

دینا کیوں ضروری ہے؟ پھر آیا اس کا تحقق بھی ہوا یا محض ایک امید افزا خیال ہے، دونوں کتابوں کے مذکورہ بالا دو مباحث (باب تثنیخ الادیان اور تفسیر ہوالذی ارسل رسولہ الخ) کے پڑھنے کے بعد مذکورہ بالا ہر دو سوالوں کا تشفی بخش جواب مل جاتا ہے اور اس سے قرآن شریف کی حکمت اساسی طور پر معین ہو جاتی ہے پھر اس کی مزید توضیح آپ کو حجۃ اللہ الباقیہ کے باب ”اقامۃ الارتقا قات“ میں ملے گی۔ اس مقصد (وجہ غلبہ دین حق اور اس کا وقوع) کو تثنیص اور تعین سے محفوظ کرنے کے بعد اسلام کی حقیقت روشن ہو جائے گی۔

فصل (۹) شاہ صاحب کی حکمت کی اساس و بنیاد

مذکورہ سابق مقصد قرآن کو ہم شاہ ولی اللہ کی حکمت کی اساس مانتے ہیں، جب کبھی ہم فلسفہ ولی اللہی کہیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگا، اس فلسفے کی تاریخ ارتقائی دنیا کی تکوینی ترقی کے ساتھ ساتھ تاویل الاحادیث میں ملے گی، آدم علیہ السلام کے زمانے میں جو شرائع مقرر تھے وہ اسی فلسفے کے ماتحت تھے اور اس زمانے کی حاجتوں کو پورا کرتے تھے جس قدر انسانیت ترقی کرتی گئی، اسی قدر اس فلسفے کی تفریعات میں بھی اضافہ ہوتا گیا، ابراہیم سے پہلا دور (یعنی حلیفیت سے پیشتر کا دور) صائبین کا ہے تاویل الاحادیث میں اس دور کی (جس میں آدم، اوریس اور نوح تا قبل ابراہیم علیہ السلام داخل ہیں) پوری تشریح ملے گی، اوریس علیہ السلام ہی طبعیات، ریاضیات، الہیات کے بانی سمجھے جاتے ہیں حکمت کے ان اقسام کا مرکز بدلتا رہا، کبھی ہند، کبھی ایران، کبھی یونان اس کے بعد ابراہیمی دور آئے گا، خفا اسی فلسفے کی شکل کو دوسرے رنگ میں بدل دیں گے، اس تبدیلی کے اسباب کیا تھے؟ اور تبدیلی کس شکل میں ہوئی، اس کی تفصیل ”تاویل الاحادیث“ میں ملے گی، اس اہم مسئلے کے حل کرنے پر انسانیت کی حقیقت متحسّس ہوگی، فلسفہ وہی ہے جو دور صائبین میں تھا اس کی تشریح بھی صورت بدل جاتی ہے۔

دم بدم گر شود لباس بدل را

مرد صاحب لباس را چه خلل

ہمارے حکماء اسلام اس مسئلے میں بہت تھوڑی بحث پر اکتفا کرتے رہے اس لئے وہ ”سورہ

انعام، کو کبھی قابل اطمینان طریقے سے حل نہیں کر سکے، شاہ صاحب کی کتابیں عموماً اور تفہیمات الہیہ، و بدور بازغہ خصوصاً اس مسئلہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے بار بار پڑھنی چاہئیں۔

الامام کا لقب اور شاہ صاحبؒ

ہم نے امام کا لفظ شاہ ولی اللہ کے منصب میں اسی ضرورت کے لئے اضافہ کیا ہے کہ یہ اہم مسئلہ ہمیں کوئی پہلا امام نہیں بتلاتا، اگر ہم شاہ صاحب کو امام مان لیں گے تو دوسرے لفظوں میں اس مسئلہ کی اہمیت اصلی شان میں طلبہ کے سامنے آجائے گی۔ انھیں غور کرنا پڑیگا کہ شاہ صاحب کیوں امام کہلاتے ہیں تو اس خصوصیت کی طرف آسانی سے توجہ مبذول ہو سکتی ہے۔ تاویل الاحادیث میں ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کی زندگی کو تدریجی ترقی کے اصول سے موجد بنایا گیا ہے۔

یہاں ہمیں یہ امر واضح کر دینا چاہئے کہ کسی مفکر کا اس سلسلہ بیان میں کسی خاص حصے سے اختلاف کرنا ہمارے نزدیک کوئی معیوب بات نہیں ہم شاہ صاحب کی امامت کو اس تسلسل تاریخی میں منحصر کرنا چاہتے ہیں ہمیں کوئی بڑا امام ایسا نظر نہیں آتا کہ جن انبیاء کا ذکر قرآن شریف میں ہے ان کی تاریخ کو کسی فلسفے کے ماتحت مرتب کر دے، یہ خصوصیت خدا تعالیٰ نے شاہ صاحب کے لئے ودیعت رکھی ہوئی تھی، ہماری رائے یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی اس حکمت کو محققانہ سمجھنے کے بعد اگر قرآن عظیم تحت اللفظ پڑھا جائے گا تو وہ کسی زائد تفسیر کا محتاج نہیں ہوگا۔

فصل (۱۰) مضامین قرآن کا ظاہری انتشار اور شاہ صاحبؒ

یہاں تک جس قدر بحث قرآن عظیم کے متعلق شاہ صاحب کی کتابوں سے ذکر کی گئی، اس کا موضوع قرآن کے مواد خمسہ کی عقلی تشریح ہے، قرآن نے ان مضامین کو ایک خاص طریقے سے بیان کیا ہے، مضامین مختلف سورتوں میں منقسم ہیں، سورتوں کے مضامین میں ایک ربط جیسا کہ علمی کتابوں کی شان ہے نظر نہیں آتا، مولوی شبلی مرحوم کی زبان میں اُسے مختلف پھولوں کا ایک ڈھیر کہا جاسکتا ہے، شاہ صاحب حکمت بیان کرتے وقت اس موضوع (ربط آیات) پر مطلق توجہ نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں، اُمی قوم کی تفہیم کیلئے ان کی عادات کے مطابق خود ان کے محاورات میں

قرآن نے اپنے مقاصد واضح کر دیئے، مگر اربو یا اطناب اس سے بچنے کی کبھی سعی نہیں کی، مخاطبین کو عالم بنادینا مقصد ہے، اس میں قرآن کامیاب ہو گیا ایک حکیم کی نظر میں اگر ایک علمی کتاب اس طرح سوسائٹی کو بلند کر دیتی ہے تو وہ تناسب آیات کی زیادہ ضرورت نہیں سمجھے گا، انفوز الکبیر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں ”بیان این علوم بروش تقریر عرب اول واقع شدہ نہ بروش تقریر متاخران، پس مناسبت در انتقال از مطلبے بہ مطلبے رعایت نکرد، بلکہ آں چہ القائے آن بر عیاد خود ہم دانست، آن را نشر فرمود، ہر چہ مقدم شود گوشود ہر چہ موخر شود گوشود۔“

فصل (۱۱) ربط آیات اور شاہ ولی اللہ

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ شاہ صاحب قرآن کی ادبی لطافت (نسق آیات) پر نظر نہیں رکھتے۔ ان کا مطلب فقط یہ ہے کہ سب سے پہلے مطالب پر غور کرنا چاہئے جسے اکثر مفسرین فراموش کر چکے ہیں، علوم بلاغت اور اس کے توابع میں ہمارے متاخرین نے کوتاہی نہیں کی، مگر چونکہ حکمت کے اصول پر مطالب کو ذہن نشین کرنے کی طرف توجہ نہیں کر سکے، اس لئے ان کی ادبی موشگافیاں عقلمندوں پر زیادہ موثر نہیں ہوتیں، جب شاہ صاحب اصل مطلب سے فارغ ہو جاتے ہیں تو نمونہ کے طور پر ربط آیات پر توجہ دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے جیسے سورہ بقرہ کی آیت ”یا بنی اسرائیل“ کے حاشیہ سے ظاہر ہے ان کے بعد شاہ عبدالعزیز آئے، انھوں نے فتح العزیز میں ربط آیات پر التزام سے بحث کی اور اس فن کو ظاہر کرنے میں شاہ صاحب کو اتباع میں سے آپ نے سہقت کی۔

میری توجہ شروع سے اس فن (ربط آیات و سور) کی طرف منعطف رہی، بعض بعض لطیف نکتے سمجھ میں آنے لگے، میں نے مولانا شیخ الہند سے جب ذکر کیا، تو حضرت نے بعض نادر فوائد تلقین فرمائے، مثلاً ایک غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کے اندر ربو کا مسئلہ آگیا ہے، حضرت مولانا نے اس کا ایسا لطیف ربط بتایا جو تفسیروں میں نہیں ملتا، مولوی احمدی صاحب نے مجھ سے سن کر اپنے حاشیے میں نقل کر دیا ہے اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ربط آیات پر بحث کی اس قدر سرسری مضمون لکھتے ہیں کہ اس سے کہیں بہتر ہوتا کہ نہ لکھتے، حضرت خود اس طرف

زیادہ توجہ نہ دے سکے کہ یہ مسئلہ ان کا زیادہ وقت لیتا تھا۔

میں اس فن کی طرف قاضی ابوبکر بن عربی کا ایک مقولہ کتاب الاقان میں پڑھنے کے بعد متوجہ ہوا وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رابطہ آیات کے تحت میں علوم جمہ مستتر پائے، مگر لوگوں کو اس کا طالب نہ دیکھا اس لئے توجہ ہٹائی میں خود تقریباً چالیس برس سے اس مسئلے پر غور کرتا رہا ہوں عموماً ان مقاصد قرآنیہ کو پیش نظر رکھ کر جو شاہ صاحب کی حکمت میں معین ہوئے، ایک ایک سورت کو ایک خاص موضوع اور معین مضمون کے لئے مقرر کر کے تسلسل قائم کرنے پر کامیاب ہوا مجھے کسی دوسرے حکیم کا قراردادہ مضمون سلسلہ کلام الہی سے استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی میں معافی کو شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے نہیں دیتا۔ عام مفسرین سے جہاں کہیں اختلاف کرونگا وہ شاہ صاحب کے اصول سے تثبیٹ کے تحت میں ہوگا۔ بعض ایسے مواقع بھی ملیں گے کہ میری سند مولانا شاہ عبدالعزیز، اور شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے کلام میں ملے گی شاذ و نادر باتیں ایسی ہونگی جو خود میرے فکر کا نتیجہ ہیں میں ایسے موقع پر صراحتہ بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے اس کا رد و قبول ہر وقت سامع کے اختیار میں ہے مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم تناسب آیات میں توجہ کریں اور ان کی تنقید سے اجانہ کریں۔

فصل (۱۲) قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کے بارہ میں شاہ صاحب کی خاص رائے عام اہل علم قرآن شریف کے ساتھ سنت اور اجماع کو اولہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب سنت کو قرآن سے مستحب چیز مانتے ہیں لیکن اس استنباط کا طریقہ وہ نہیں ہے جو ائمہ فقہاء میں مروج ہے بلکہ حکمت کے اصول پر استنباط کرنے کے طریقے اور ان کے اصول شاہ صاحب کے یہاں علیحدہ مقرر ہیں۔ ”خیر کثیر“ میں اس مسئلہ کی انھوں نے تفصیل لکھ دی ہے، اس طرح ہر اگر سنت کو مانا جائے تو قرآن کے اشتغال پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔

فصل (۱۳) اجماع کا تعلق اور استنباط قرآن سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت تک یعنی شہادت

عثمان (ؓ) تک شاہ صاحب کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اس دور کو وہ دور اجماع کہتے ہیں اس کی تفصیل ”ازالۃ الخفا“ میں مذکور ہے شہادت عثمان کے بعد اختلاف شروع ہوا اب اجماع وہی مستند ہوگا جو مذکورہ دور اول کے تتبع میں منعقد ہو، شاہ صاحب اسی دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں، اس کی پوری تفصیل ”ازالۃ الخفا“ میں موجود ہے، اسے ساری دنیا جانتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا مستند سوائے قرآن عظیم کے کوئی اور لکھی ہوئی چیز نہیں تھی اس پر یہ جماعت اپنے پارٹی پالیٹکس کے نظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرتی تھی، اس پارٹی کو سنٹرل کمیٹی کی طرف اشارہ ہے قرآن حکیم کی ذیل کی آیت میں السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوہم باحسان رضی اللہ عنہم ورضو عنہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے جو جماعت قرآن پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوئی اس کا وہ مرکزی حصہ جس کا ہر قول و فعل خدا تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے وہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ تھا، اس کی اتباع قرآن پر عمل کرنے کے لئے قیامت تک مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، جو چیز اس زمانہ میں متعین ہو گئی۔ اس کو اسی شکل میں اور اسی معنی میں قائم رکھنا اتباع بالاحسان ہے، زمانے کے تغیرات سے جوئی چیز قابل بحث پیش آئے وہاں اس جماعت قسین بالاحسان کا فیصلہ ماننا ضروری ہوگا یہ اس دور کے مابعد کے اجماع کا حاصل ہے، اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے یا اغلیت کے فیصلوں کا نام ہوگا، لہذا اجماع قرآن سے علیحدہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اجماعیات قرآن اصول کے تشریحی بایلاز ہوں گے، اس سے کوئی ترقی کن جماعت، جو زمانہ کے طویل عرصہ میں کام کرے، خالی نہیں ہو سکتی، اس طرح اجماع بھی قرآن کے مقابل ایک مستقل اصل نہ بنا، بلکہ قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے اتفاق کا نام ہوا، اس طور سے مسلمانوں میں قرآن کے مستقل درجہ کا تعارف کرانے والی شخصیت امام ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔

باب سوم (علم حدیث)

شاہ ولی اللہ سنت کے تمام ابواب کو قرآن عظیم سے مستنبط مانتے ہیں، مگر انبیاء کے اصول استنباط کو ائمہ فقہاء کے اصول فقہ سے علیحدہ قرار دیتے ہیں چنانچہ خیر کثیر میں فرماتے ہیں ”میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے استنباط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر (جیسے شاہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسے اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام دیا ہے جسے علامہ حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں جمع کیا اس طرح انبیاء کی سیرتوں کو جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے۔ سطعات میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ مقرر ہو کر نازل ہوں اور پھر قطعی طور پر محفوظ رہیں، چند کلموں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا، عام طور پر ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں جو اس نبی کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں۔ یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو براہ راست لفظاً اور معناً مقرر ہو کر نازل ہوئی (جیسے تورات کے احکام عشرہ یا انجیل کے بعض خطبات) نیز وہ چیز بھی آ جاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماء وحی سمجھی جاتی ہے) ہماری امت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحب ”صحیح بخاری و صحیح مسلم کو پیش کرتے ہیں۔

اس بظاہر سادہ تحقیق میں ایک بہت بڑے اشکال کا حل موجود ہے جو کتب مقدسہ کے متعلق ہمارے اہل علم کے اذہان پر مستولی ہے، ہمارے علماء عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی تورات اور انجیل غائب ہو چکی ہے چونکہ وہ کوئی کتاب قرآن شریف کی طرح محفوظ نہیں دیکھتے۔ اور ان کی ذہنیت میں یہ چیز راسخ ہے کہ سابقہ کتب الہی بھی قرآن کی طرح نازل ہوئی تھیں، اس لئے وہ ان کتابوں کو مقدس ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس نظریہ سے یہ برائے نتیجہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم نے جہاں اہل کتاب کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی دعوت دی اور عمل نہ کرنے کا الزام دیا اس کی صحیح تفسیر کرنے سے ہمارے علماء عاجز آگئے محض اسرائیلی یا خرافاتی روایات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر کتب مقدسہ کو کتب حدیث کی طرح مان لیا جائے تو یہ اشکال من اصدار رفع ہو جاتا ہے۔

سورہ النجم کی آیت ”ان هو الا وحی یوحی“ کی دو طرح تفسیر کی جاتی ہے۔

(۱) شاہ صاحبؒ کے طریقے پر تحقیق یہ ہے کہ ضمیر ”ہو“ قرآن کی طرف راجع ہے اور ما یسطق عن الہوی“ میں بھی نقل قرآنی کے متعلق بحث ہے۔

(۲) مگر اہل علم کی دوسری جماعت اس آیت کو قرآن سے مخصوص نہیں مانتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تر اقوال کو ایک طرح وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے ان کے نزدیک وما یسطق عن الہوی قرآنی نقل سے مقید نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ”وما یسطق عن الہوی“ میں داخل ہے اور اسی کو ”ان هو الا وحی یوحی“ میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے، فقط الفاظ کا فرق ہے، قرآنی الفاظ وحی سے معین ہوئے اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ سے صادر ہوتے ہیں، مگر معانی سب کے سب وحی ہیں۔

(۲) پھر ان کے نزدیک یہ فرق بھی موجود ہے کہ قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں کتابتہ محفوظ کر دیا گیا اور اس کی روایت بالتواتر قائم رہی، لیکن حدیث میں جو وحی آئی ان کے نزدیک بھی، نہ تو حضور کے زمانے میں اس کی کتابت ہوئی اور نہ اس کے لئے

تو اثر ضروری ہے۔

ان لوگوں کی اصطلاح پر اگر کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کا درجہ دیا جائے تو بطریق اولیٰ اس کو مستبعد نہیں سمجھنا چاہئے اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کر لیں تو تمام اشکال حل ہو جائیں گے۔

(۱) ہماری کتب حدیث میں بالاتفاق غیر صحیح روایات بھی موجود ہیں (۲) نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے (۳) ہماری بہت سی کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کو محققین علماء درست کرتے رہتے ہیں اس کے بعد اگر اناجیل اربعہ کو ہماری صحاح اربعہ (صحیحین ابو داؤد، ترمذی) کے درجہ پر رکھ دیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہیں آئے گا۔

میں نے انجیل کی شرح، مسٹر ہنری اسکاٹ کی اردو میں مطالعہ کی اس میں اناجیل اربعہ کے اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے اور ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے، جیسے ہم کتب حدیث میں کرتے ہیں، اس دن سے میرے دماغ میں ایک نیا فکر پیدا ہوا جس سے کتب مقدسہ کی تحریف کا الزام جس طرح عموماً ہم اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں اور مولانا رحمت اللہ مہاجر کی نے ”اظہار الحق“ میں اس کو بڑی شد و مد سے ثابت کیا ہے، کمزور ہونے لگا اور جو محقق عالم تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں جیسے امام بخاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ دہلوی، ان کی تحقیق کا مطلب سمجھ میں آنے لگا، مگر یہ فکر کبھی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک ہم مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کے درجہ پر نہ لے آئیں، جب ”سطعات“ میں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ بالا تصریح پڑھی تو اطمینان کا سانس لیا۔

فصل (۲) کتب حدیث پر شاہ صاحب کی تنقید اور طبقات کی تقسیم

حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئیں، پہلی قسم وہ ہے جن میں فقط صحیح احادیث درج ہیں، دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں صحیح روایات کے ساتھ غیر صحیح روایت بھی لکھی گئیں، مگر تصریح کر دی گئی کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں، پھر ان مصنفات کی روایات کا سلسلہ بھی یکساں قائم نہ رہ سکا

بعض صحاح ایسی ہیں جو تو اتر کے قریب پہنچ گئیں، بعض ایسی بھی ہیں جو مشہور اور مستفیض کے درجے پر ہیں، اس فرق کو ملحوظ رکھ کر شاہ صاحب نے کتب احادیث کے طبقات مقرر کر دیئے۔

طبقہ اولیٰ میں موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم کو رکھا، طبقہ ثانیہ میں سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی مقرر کی، ان چھ کتابوں کے ماسوا باقی طبقات میں کئی دہائیاں اور کئی سیکڑے کتب ملیں گی، شاہ صاحب کے نزدیک وہ سب قابل احتجاج نہیں ہیں۔

اس طرح شاہ صاحب نے علم حدیث میں ایک نئی روح پھونک دی، شیخ الاسلام ابن حجر اور سیوطی کے زمانے سے جو غیر محققانہ طریقہ اہل علم پر غالب آ رہا تھا اس نئی روح نے اس کو مغلوب کر دیا۔

میں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کے مقدمہ مشکوٰۃ میں جب یہ مضمون دیکھا کہ پچاس کے قریب حدیث کی کتابیں ہیں، جن میں صحیح اور غیر صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں اور شیخ نے ان سب کو ایک درجے پر رکھا ہے وہ صحاح ستہ میں بھی غلط روایات کا اختلاط اسی طرح مانتے ہیں جس طرح باقی کتب میں تو میرے دماغ پر ایک پریشانی طاری ہو گئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ یہ سب کتابیں مجھے کسی کتاب خانہ میں یکجا ملیں، ان کے مطالعہ کے بعد علم حدیث کی جو تحقیق ثابت ہو اس پر اعتماد کیا جائے، خالی پانچ کتابیں پڑھ لینے سے کیا ہوتا ہے اس کے بعد میں متون مذکورہ بالا کی فراہمی میں لگ گیا مگر بہت جلد اپنے آپ کو اس سے عاجز ماننے لگا۔

مجھے حضرت مولانا شیخ الہند قدس سرہ نے اس قسم کی توثیق سے نجات دلانے کے لئے مشورہ دیا کہ میں ”حجۃ اللہ البالذ“ کا مطالعہ جاری رکھوں، لیکن سندھ جانے سے پیشتر مجھے ایسا موقع دستیاب نہ ہو۔ کا، طبقات مذکورہ کی بحث جب ”حجۃ اللہ البالذ“ میں مجھے سمجھ آئی اور معلوم ہوا کہ اصل قابل اعتماد فقط چھ کتابیں ہیں، جو پہلے اور دوسرے طبقے میں بیان ہو چکی ہیں تو طبیعت سے تمام بوجھ جاتا رہا۔

جن محدثین نے غیر صحیح احادیث جمع کر کے،

(الف) ان کی عدم صحت کی تصریح کر دی (ب) پھر ان کا فیصلہ بھی اہل علم کے نزدیک

مسلم ہے (ج) مزید اس کے ان کی کتابیں اہل علم میں رواج پذیر بھی ہیں، ان تین خصوصیات والی کتابوں کو شاہ ولی اللہ صاحب ان کتابوں کے درجے پر نہیں لانے دیتے جو خصوصیات مذکورہ بالا سے یکسر عاری ہیں۔

عام اہل علم اس دقیقے پر متنبہ نہیں ہوئے، اور پچاس کتابوں کو مساوی درجے پر ایک فہرست میں درج کر گئے۔

شاہ ولی اللہ کی ”حجۃ اللہ البالغہ“ کا یہ مضمون شاہ عبدالعزیزؒ نے زیادہ تفصیل اور توضیح سے بحالہ نافعہ میں درج کر دیا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور کتب حدیث کے متعلق ولی اللہی نظریہ کی عقلی تشریح

مگر دونوں کتابوں میں یہ مضمون ایک وجدانی فیصلے سے آگے نہیں بڑھ سکا، ہر دو بزرگوں نے کوئی عقلی دلیل اس پر قائم نہیں کی، بلکہ محققین اہل علم کا اتفاق اس معاملہ پر کافی سمجھا گیا ہے، ابتدا میں ایک حد تک میری دماغی تڑپ کو پورا کرنے کے لئے یہ امر کافی تھا مگر میں اس سے زیادہ توضیح و توثیق کا خواہشمند تھا۔

اتفاقاً میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کا رسالہ ”ہدیتہ الشیعہ“ مطالعہ کر رہا تھا، اس میں مولانا نے شاہ صاحب کے مذکورہ بالا مضمون کو عقلی طور پر مدلل کر دیا، اس طرح علم حدیث کی تنقید جو شاہ صاحب نے قائم کی تھی، ہمارے لئے قابل استفادہ ہو گئی۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:

اول بطور تنبیہ گزارش ہے کہ کتابیں آدمیوں ہی کی تصنیف ہوتی ہیں، جیسے آدمی سب طرح کے ہوتے ہیں، جھوٹے سچے، معتبر غیر معتبر، فہمیدہ وغیرہ فہمیدہ، ایسے ہی کتابیں بھی سب طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) ملحدان بے دین نے بہت سی کتابیں تصنیف کر کے اچھے اچھے بزرگوں کے نام لگا دی ہیں اور ان میں اپنی واہیات یکڑوں بھردی ہیں۔

(۲) اور جو کتابیں کبرائے اہل سنت کی تصنیف ہیں، ان میں بھی اکثر ایسی ہیں کہ وہ

لوگوں کی فیض رسانی کے لئے تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بطور بیاض کے جمع کی گئیں تاکہ نظر ثانی کر کے ان کی روایات کا حال معلوم کریں اور اتفاق سے نظر ثانی کا اتفاق نہیں ہوا، یا ہوا اور کسی وجہ سے وہ بیاضین لوگوں کے ہاتھ پہنچ گئیں۔

(۳) اور بعض کتابیں ایسی ہیں کہ وہ بہت کم یاب اور بدرجہ غایت نادر الوجود بلکہ مفقود ہیں اور محدوں اور مبتدعوں کے وہ ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے اپنی گھڑی ہوئی روایتیں ان میں داخل کر دی ہیں، یا اہل سنت کے مقابلہ کے وقت کسی روایت کو ان کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، تاکہ اہل سنت خاموش ہو جائیں۔

سنو! اہل تشیع اکثر ایسا ہی کرتے ہیں اور ایسی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اس لئے اہل حق کو لازم ہے کہ جب کسی شیعہ سے کسی کتاب کا حوالہ سنیں تو اول تو یہ دریافت کریں کہ یہ روایت اس کتاب میں ہے کہ نہیں دوسرے اس کتاب کا حال تحقیق کریں کہ معتبر ہے کہ نہیں۔

فصل (۲)

اور معتبر ہونے کی یہ صورت ہے کہ کسی کتاب کی روایات کے معتبر ہونے میں چند باتیں ضروری ہیں اول تو یہ کہ اس کتاب کے مصنف کو تفریح طبع محزونہ کے لئے فقط قصہ گوئی اور افسانہ خوانی، مد نظر نہ ہو، بلکہ واقعات واقعی کے مشتاقوں کی تسکین کے لئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہو، ورنہ چاہئے کہ ”بہار دانش“ اور ”بوستان خیال“ کے افسانے اور ”چہار درویش“ اور ”بکا ولی“ کی کہانیاں، اور ”فسانہ عجائب“ اور ”فسانہ غرائب“ کے طوفان سب کے سب دستاویز خاص و عام ہو جائیں۔

دوسری یہ کہ مصنف کتاب کسی کی روایت، اور کسی کی بغض و عداوت نہ رکھتا ہو اور اس کا حفظ اخبار، اور صدق گفتار، اس درجہ مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت کسی کے دل میں شک و شبہ نہ ہو، اور نہ طومار کے طومار اخباروں کے جولو کیوں کی زبانوں میں اپنے بزرگوں کی شجاعت اور ان کے غیموں کی بزدلی سے مٹھون ہوا کرتے ہیں

بالا اتفاق مسلم ہو جائیں اور شیعہ سنیوں کی، اور سنی شیعہ کی سندیات پر سرچشم رکھنے لگیں اور ہر کس و ناکس کی بات قبول کرنے لگیں اور یہ فرق قوت و صف حفظ، و تفاوت صدق و کذب، اور علیٰ ہذا القیاس یہ تہمت روو رعایت اور کینہ وعداوت ہرگز قابل لحاظ نہ رہے۔

تیسری یہ کہ مصنف کتاب، باوجود صدق و دیانت اور حفظ و عدالت کے اس فن میں جس کی وہ کتاب ہے و سنگاہ کامل رکھتا ہو اور ملکہ کما بینتی، نہ یہ کہ دین میں مثلاً نیم ملا ہو، جس سے خطرہ ایمان ہو یا طب میں مثلاً نیم طبیب ہو کہ بیماروں کو خطرہ جان ہو۔ چوتھی یہ کہ وہ کتاب باوجود شرائط مذکورہ کے قدیم سے مشہور و معروف اور اسی قسم کے لوگوں کے واسطہ جو مجموعہ اوصاف مرقومہ ہوں، دست بدست ہم تک پہنچی ہو، ورنہ لازم، کیا الزم تھا کہ انجیل و تورات جو کلام ربانی ہیں اور اس خدا کی تصنیف ہیں جو بوجہ اتم جامع اوصاف مذکورہ کیا، مجموعہ صفات کمال اور معدن جملہ کمالات جلال و جمال ہے، اعتماد و اعتبار میں ہم پہلے قرآن مجید اور فرقان حید کے ہو جائیں۔

پانچویں یہ کہ روایت کی کتاب میں ضروری ہے کہ مصنف کتاب نے اول سے التزام اس بات کا بھی کیا ہو کہ بجز صحیح روایتوں اور محقق حکایتوں کے اور اپنی کتاب میں درج نہ کرونگا، جیسے صحاح ستہ کہ ان کے مصنفوں نے یہ شرط کر لی ہے کہ بجز صحیح روایت کے اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اسی واسطے ان کتب کا نام صحاح ستہ مشہور ہو گیا۔

فصل (۳)

سواگر کوئی کتاب کسی بیاض کی ہو کہ اس نے اس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں اور صحیح و غلط حکایتیں اس غرض سے فراہم کر لی ہیں کہ بعد میں نظر ثانی کر کے صحیح صحیح کو قائم رکھ کر باقیوں کو نقل کے وقت حذف کرونگا جیسا کہ امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے کیا۔ یا صحیح کو صحیح بتلا کر، موضوع، یعنی بنائی ہوئی باتوں، اور گھڑی ہوئی حکایتوں اور ضعیف

وغیرہ کو لکھ کر اس کے بعد لکھ جاؤں گا کہ یہ موضوع ہے یا ضعیف ہے مثلاً جیسے امام ترمذی نے کیا، لیکن اتفاقات تقدیر سے ان کا یہ ارادہ پیش نہ گیا اور یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی تھی، جی کی جی ہی میں تھی کہ اجل نے آدبایا، تو ایسی روایات کا ہرگز اعتبار نہ ہوگا۔

ورنہ کونسا مصنف نہیں کہ اس نے اول ایک مجموعہ بیاض بطور کلیات کے فراہم نہیں کیا، خود امام بخاریؒ سے بہت سی سندوں سے منقول ہے کہ انھوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر بخاری شریف کی حدیثیں نکالی ہیں۔

اور عبدالرزاق بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے کوئی تین دفعہ حدیثوں کی بیاض اکٹھی کی تھی اور ان کو چھانٹ کر بخاری کا مسودہ کیا تھا۔

بہر حال ایسی بیاضوں کا جمع کرنا ایسے ایسے ائمہ حدیث کی نسبت بھی ثابت ہے سو اگر اتفاق سے امام بخاری مثلاً، بعد فراہمی بیاض کے قبل اس کے بخاری شریف کی حدیثیں اس میں سے چھانٹ کر بخاری تصنیف کریں، اس دارقانی سے کوچ کر جاتے تو وہ بیاض امام بخاری کی تصنیف سمجھی جاتی لیکن کوئی بتلائے تو کیا وہ قابل اعتبار کے ہو جاتی؟

سب جانتے ہیں کہ اگر وہ ایسی ہوتی تو امام بخاری کو چھانٹنے ہی کی کیا ضرورت تھی، تو اس صورت میں خود امام بخاری ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ میری بیاض قابل اعتبار نہیں، پھر ہم کیونکر فقط اس سبب سے اس کا اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ایسے بڑے محدث امام المحدثین کی تصنیف ہے کہ جہاں میں کوئی اس کا ثانی ہوا ہے نہ ہوگا۔

غرض اگر کوئی اس قسم کی کتاب کسی کو مل جائے اور اس کے مصنف کو، گو وہ کتنا ہی بڑا محدث کیوں نہ ہو، اس کی تہذیب اور تالیف کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ کتاب کسی طرح علما کیا، جہاں کے نزدیک بھی بہ شہادت عقل قابل اطمینان نہیں۔ ”انھی کلماتہ الشریفة بحوالہ کتاب التمهید“۔

شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کے ارشادات کے بعد علم حدیث کی جو تفتید شاہ صاحب نے قائم کی تھی ہمارے لئے قابل استفادہ ہوگئی۔

یہ تھا تذکرہ پہلے اور دوسرے طبقہ کا۔

فصل (۳) ہمارا اپنا استقر اور ولی الہی نظریہ کی مزید تشریح

شاہ صاحب نے تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقے میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(الف) یا تو ان کے مصنف ملتزم الصیغہ نہیں

(ب) یا ان کی روایت منقطع ہوگئی ہے یعنی کتابوں کی بلا تصحیح نقل پر نسخوں کا انتشار تو ہوتا رہا مگر محدثین نے اپنے مشائخ سے پڑھ کر اس نسخہ کو صحیح کیا ہو، پھر اس طرح تسلسل قائم رہے کہ ہمارے زمانہ تک صحیح شدہ نسخے محفوظ طور پر مل سکیں، ایسا نہیں ہوا ایسے نسخے قابل اعتماد نہیں ہوں گے۔

(ج) ان کے سوا بعض ایسے محدثوں نے بھی کتابیں تصنیف کیں، جن کی لیاقت علمی بھی

مسلم نہیں ہے۔

متاخرین محدثین نے جن کی ابتدا ابن السبکی (حافظ تاج الدین عبد الوہاب متوفی ۷۷۱ھ) سے ہوئی اور حافظ عراقی (عبد الرحیم بن حسین متوفی ۸۰۶ھ) اور ابوالحسن بیہقی (علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ) اور ابن حجر عسقلانی کے توسط سے سیوطی پر خاتمہ ہوا۔ ان غیر معتمد کتابوں کی روایتیں زوائد کے نام سے جمع کر دیں جس سے علم حدیث میں فتنے کا دروازہ کھل گیا اس ذخیرہ میں کافی سے زیادہ روایتیں ایسی موجود ہیں جن کو دوسرے طبقہ کا مصنف ضعیف قرار دیتا ہے اور ان طبقات میں پہنچ کر ان متاخرین کے نزدیک وہ حدیث متواتر بن جاتی ہے۔

ہم نے کئی سال کی محنت سے شاہ صاحب کے طبقات کو استقر کر کے یقین حاصل کیا، گو عقلی دلائل سے مولانا محمد قاسم نے ہمیں مطمئن کر دیا تھا، مگر ہم نے اس کے ساتھ محدثین کی جو کتابیں مل سکتی ہیں ان میں عمل استقر ابھی جاری رکھا تو شاہ صاحب کے اس نظریہ پر (کہ پہلے اور دوسرے طبقہ کی حدیثیں ہی صحیح ہیں) پورا اطمینان حاصل ہوا۔

مثال کے طور پر صحیح حدیث میں آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ افضل الاعمال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”الصلوة لوقتها“ اس جملے کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ وقت سے نماز کو موخر نہ کیا جائے، یہ ضروری نہیں کہ اول وقت میں نماز ادا کی جائے، بلکہ بعض اوقات آخر وقت میں نماز ادا کرنا زیادہ مستحب مانا جاتا ہے، کما ثبت عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، اہر دوا الظہر الخ“ اس کے مقابل بعض روایتوں میں ”افضل الاعمال الصلوٰۃ لاول وقتها“ آیا ہے، ترمذی نے اس روایت کی تضعیف کر دی، اب مستدرک حاکم کو دیکھئے وہ اسی جملہ مضاعفہ کو تیس چالیس سندوں سے روایت کرتا ہے، ایک غیر محقق عالم اس کثرت اسانید سے متاثر ہو کر اس کی صحت یا اس کے درجہ شہرت اور تواتر پر یقین کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، ہم نے حاکم کی ان روایات کی تنقید ”فتح الباری“ کی امداد سے شروع کی تو ان میں سے ایک سند بھی صحیح نہ نکلی۔

ان متاخر محدثین نے ائمہ حنفیہ میں پر صحیح احادیث میں پورا اعتماد نہیں کیا۔

واضح رہے کہ ائمہ حنفیہ کے طبقات تین ہیں۔

ائمہ حنفیہ حدیث کے تین طبقے

(طبقہ اولیٰ) شعبہ بن الحجاج (متوفی ۱۶۰) سفیان بن سعید ثوری (متوفی ۱۶۰)

(طبقہ ثانی) یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸) عبد الرحمن بن مہدی (متوفی ۱۹۸)

(طبقہ ثالثہ) یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳) امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱)

ان کے بعد ائمہ فقہ ائمہ حدیث کو چار طبقوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ائمہ فقہ ائمہ حدیث کے چار طبقے

(طبقہ اولیٰ) سفیان ثوری (امام مالک بن انس)

(طبقہ ثانی) عبد اللہ بن المبارک (امام شافعی)

(طبقہ ثالثہ) امام احنف بن ابراہیم راہویہ (امام احمد بن حنبل)

(طبقہ رابعہ) امام بخاری (امام ابو داؤد)

ان کے بعد ائمہ مصنفین کے طبقے آتے ہیں۔

ائمہ مصنفین کے دو طبقے

(طبقہ اولیٰ) امام بخاری اور ابو داؤد

(طبقہ ثانی) مسلم و ترمذی، نسائی بھی اسی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، ان حضرات پر صحیح

احادیث کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد محدثین کی خدمات دو قسم کی ہیں۔

ان ائمہ کے بعد کے محدثین کی خدمات کی اقسام

اول، یہ کہ ان کتابوں کی خدمت کریں جن کا تعلق طبقہ اولیٰ اور ثانیہ سے ہے مثلاً ان کے

اسماء الرجال لکھیں، ان کی فقہ پر بحث کریں، ان کی تائید میں طرق جمع کریں ان کی غلطیوں پر تنبیہ

کریں، کیونکہ تھوڑی تھوڑی غلطیاں ہر مصنف سے ہوتی رہیں، حتیٰ کہ امام بخاری جو سب سے

زیادہ متہن مانے جاتے ہیں، ان کی کتاب میں حافظ ابن حجر چالیس کے قریب ایسی حدیثیں مانتے

ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں اور حافظ صاحب کے پاس بھی ان کا کوئی حل نہیں ہے، مگر جن ائمہ کی

کتاب پر اس طرح کی تنقید عمل میں آئی اور ان کی غلطیاں محدثوں اور معین ہو گئیں ان کی کتابوں سے

استفادہ کرنا سہل ہو جاتا ہے۔

اس (قسم اول) کی طرح حدیث کی خدمت کرنے والے ائمہ محدثین ہمارے اساتذہ تک

پائے جاتے ہیں، قسم دوم وہ محدثین ہیں جو علم حدیث میں جدت پیدا کر کے نئی تصانیف پیش کرتا

چاہتے ہیں، ان کی تمام کتابیں اس قابل نہیں کہ ان سے کوئی دینی مسئلہ اخذ کیا جائے، ان میں جو نئی

روایتیں ملیں گی وہ عموماً وہی ہوں گی جن کو پہلے ائمہ نے غیر صحیح سمجھ کر چھوڑ دیا ہے، اس طرح کی بے

احتیاطی نے علم حدیث کو بجائے مفید ہونے کے ایک طرح مضر بنا دیا، اس دوسرے (جدت پسند)

طبقہ کی تصانیف میں وہ تمام نقائص پائے جاتے ہیں، جو اہل کتاب کی روایتوں میں ہمارے علما

کے نزدیک قابل اعتراض ہیں۔

ہم نے حافظ ذہبی (شمس الدین محمد بن احمد متوفی ۷۴۸ھ) اور ابن تیمیہ حرامی متوفی ۷۲۷ھ

اور حافظ ابوالحاج نمری (یوسف بن زکی متوفی ۷۴۲ھ) کے زمانہ تک علما میں تنقید کا مادہ واضح طور پر

پایا ہے اس زمانہ تک پہلی صنف کے عالم (یعنی محفوظ صحیح کی خدمت کرنے والے) دوسروں سے ممتاز چلے آئے ہیں لیکن ابن السبکی سے لیکر پھر دونوں قسم کے علما میں اختلاط پایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس طرح شاہ ولی اللہ تک ممتد ہے، شاہ صاحبؒ نے پھر تمیز پیدا کر دی اور محققین کے اس طریقے پر چلنے والی ایک مستقل جماعت تیار کر دی اسے ہم شاہ صاحبؒ ہی کی قوت تجدید کا ایک مظہر جانتے ہیں۔

فصل (۴) صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ابن ماجہ ہے یا موطا مالکؒ

محدثین میں عموماً مشہور ہے کہ صحاح چھ کتابیں ہیں، ان میں سے پانچ متفق علیہ ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ششم میں اختلاف ہے، ایک بڑی جماعت موطا مالک کو چھٹی کتاب مانتی ہے، اس جماعت کے اولین امام قاضی عیاض (بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳) ہیں انھوں نے مشارق الانوار، موطا، بخاری، مسلم کی شرح میں لکھی، اسی عہد کے دوسرے امام قاضی ابوبکر بن عربی مالکی (متوفی ۵۴۳) میں ان کے بعد اس فکر کے داعی حافظ مجد الدین بن اثیر شافعی (مبارک بن محمد مولف جامع الاصول، ونبایہ متوفی ۶۰۶) ہیں جنھوں نے جامع الاصول میں ابن ماجہ کو نظر انداز کر کے موطا مالک کو چھٹی کتاب قرار دیا۔ ان کے بعد حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج حنفی (متوفی ۷۶۲) ہیں، ان کی تصریح ہے اول من صنف الصحيح مالک وقاله في المصنفی پھر ان اساتذہ کی متابعت میں محدثین کی کثیر جماعتیں پیدا ہوئیں شاہ صاحب ان میں غالباً آخری ہستی ہیں۔

دوسری جماعت نے سنن ابن ماجہ کو چھٹی کتاب قرار دیا، پہلے جس عالم نے یہ تجویز کی وہ اسما والرجال میں تو امام تھے، مگر فقہ اور تعامل مسلمین سے قطعاً نا آشنا ہیں، پھر ان کے تتبع میں عام طور پر یہی کتاب صحاح میں شمار ہونے لگی۔

سنن ابن ماجہ کا علمی درجہ

اس کتاب (ابن ماجہ) کا علمی درجہ فقہا محققین کے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں وہ منفرد ہے اگر موضوع نہیں تو ضعیف ضرور ہوگی۔

یہ کتاب ہمارے اساتذہ کے یہاں بھی درس میں مردج ہے، اس کو مذکورہ بالا قسم کی غیر صحیح کتب حدیث کے مطالعہ اور سمجھنے کے لئے نمونہ بنایا جاتا ہے، مگر طالب علم ابتداً تحصیل میں ان مشکل مسائل پر غور نہیں کرتے جب ایک عالم ہمارے مشائخ کے پاس درجہ تکمیل طے کرنے لگتا ہے تب اسے ان دقائق پر متوجہ کیا جاتا ہے۔

درجہ تکمیل

ہمارے یہاں درجہ تکمیل ایک قاعدے میں ضبط شدہ طریقہ نہیں بن سکا، عام طور پر فارغ التحصیل طلبہ جب اپنے طور پر پڑھانے لگتے ہیں تو ان کو شکوک پیدا ہوتے ہیں اور وہ ان کے ازالہ کے لئے پھر اساتذہ کی خدمت میں بار بار آتے ہیں اور تذریعاً ان شبہات کا حل کرتے کرتے درجہ اطمینان تک جا پہنچتے ہیں، ہم ان کو درجہ تکمیل کا فارغ مانتے ہیں۔

میری طالب علمی اسی طرح پر ہوئی، اور میں آخر میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے طرز میں منفرد نہیں تھا۔ میری طرح میرے ساتھیوں میں اور حضرات بھی تحقیق کرتے کرتے انہیں مسائل پر پہنچے، جہاں میں پہنچا تھا، اس تجربہ کے بعد میں نے یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ تحصیل کے بعد غیر قانونی طور پر ہمارے اساتذہ اپنی صحبت میں رہنے والے عالموں کو مکمل بنا دیتے ہیں۔

نوجوان طبقہ کے ساتھ میرا ان مسائل پر مذاکرہ ہوتا رہا، انھوں نے عام علما کی شکایت کی میں نے ان کو اس خاص طبقے (میری تکمیل کرنے والے حضرات) کا تعارف کرایا جن سے وہ مطمئن ہو گئے جن لوگوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی میں نے انہیں یونیورسٹیوں کے متوسط الاستعداد گریجویٹوں کی کثیر مثالوں سے لاجواب کر دیا۔

فصل (۵) صحیح وضعیف حدیثوں میں تمیز کا ملکہ پیدا کرنے کا ولی اللہی طریقہ

یہ خرابی جو عام اذہان پر مستولی ہے، اس کی تہہ میں یہ مرض پنہاں ہے کہ حدیث کے فن کو عموماً صحیح اور تضعیف کو تہلیل اُخذ کیا جاتا ہے، ایک ایسا عالم جو اپنی سمجھ سے صحیح حدیثوں کو صحیح سمجھتا و آج پیدا ہوتا محذور ہو گیا ہے، اسماء الرجال میں توثیق و تضعیف کا اختلاف پھر صحیح حدیث کی فریف میں مختلف آراء طالب علم میں یکسوئی سے کوئی ملکہ پیدا ہونے نہیں دیتیں، آخر مجبور ہو کر فقہا

کا جو متواتر مسلک ہے اسی میں رائج و مرجوح کی تمیز پیدا کرنے کے بعد، جو حدیث اس مسلک کے موافق ہو اسے صحیح اور جو مخالف ہو، اس کو ضعیف بنانے کی استعداد حاصل ہونے پر طالب علم اپنا سفر ختم کر دیتا ہے۔

شاہ صاحب نے پہلے اس مرض کی تشخیص میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی، اس کے بعد مرض کے ازالہ کا پورا انصاب تیار کر کے اپنے طریقہ کی تعلیم شروع کر دی، اب ان کے طرز پر چل کر مجتہد متنب کی طرح ایک محقق محدث پیدا ہو سکتا ہے جو ایک نئی حدیث کی تصحیح میں اگر چہ اپنے آپ کو عاجز پاتا ہو گا مگر جن احادیث کو ائمہ نے عموماً صحیح کہا ہے ان کی صحت کے وجود معلوم کرنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے گا اس اطمینان کے بعد وہ فقہ پر نظر ثانی کرے گا جو مسائل صحیح احادیث کے مطابق پالے گا انہیں کو رائج مانے گا۔

اس طریقے کے عالم پیدا کرنے سے شاہ ولی اللہ نے سلف کے طریقے کو زندہ کر دیا جس کی مثال تیسری صدی ہجری کے بعد ملنا مشکل ہے۔

شاہ صاحب کی تحقیق میں موطا مالک کی اہمیت و اقد میت

فن حدیث میں شاہ صاحب کی تجدید اس بنیاد پر مرکوز ہے کہ صحاح ستہ میں اصح الکتاب بخاری نہیں بلکہ موطا ہے بوجہ ذیل:

(۱) موطا مالک کے اسانید کی تصحیح سمجھنا بہت آسان ہے کیونکہ ان میں عموماً ایک دو ہی راوی ہوتے ہیں جن کا اکثر حصہ علامہ ابنہ سے ہے جن کو عام ائمہ مسلمین معتد علیہ اور ثقہ مانتے ہیں اس لئے ان اسانید کا سمجھنا بہت آسان ہے۔

(۲) ادھر امام مالک کی شاگردی امام شافعی اور امام محمد ہردونے کی، ان ہردو اماموں کی تنقید موطا پر موجود ہے اس سے بھی انسان کو موطا کی تصحیح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

یہ ہردو مجتہد امام مالک کے استنباط کی مخالفت تو کرتے ہیں مگر روایت کی تضعیف نہیں کرتے یہ چیز طالب العلم کے لئے سرمایہ توفیق ہے۔

(۳) اس کے بعد ائمہ حدیث، امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، امام مالک کی کتاب کی

شرح لکھتے ہیں، اس حصے کو شاہ صاحب نہایت وضاحت سے موطا کی شرح میں سمجھا دیتے ہیں۔
 قال الامام ولى الله فى المسوى من تتبع مذاهبهم ورزق الانصاف من
 نفسه علم لامحالة ان الموطا عدة مذهب مالك واساسه، عمدة مذهب
 الشافعى واحمد وراسه، ومصباح مذهب ابى حنيفة وصاحبيه ونبراسه، وهذه
 المذاهب بالنسبة لموطا كالشروح للمتون وهو منها بمنزلة الدوحة من
 الغصون، وان الناس وان كانوا من فئاوى مالك فى رد وتسليم وتنكيث
 وتقويم، ما صفاهم المشرب ولا تاتى لهم المذهب الا بما سعى فى ترتيبه
 واجتهده فى تهذيبه وقال الشافعى لذلك ليس احدا من على فى دين الله من
 مالك.

علم ايضاً ان الكتب المصنفة فى السنن كصحيح مسلم وابى داؤد
 والنسائى وما يتعلق بالفقه من صحيح البخارى وجامع الترمذى مستخرجات
 على الموطا مطمح نظرهم فيها وصل ما ارسله، ورفع ما اوقفه واستدراك ما
 فاته وذكر المتابعات والشواهد لما اسنده واحاطه جوانب الكلام بذكر ما روى
 خلافه، وبالجمله فلا يمكن تحقيق الحق فى هذا الا ذلك الا بالاكباب على
 هذا الكتاب، انتهى

وقال فى المصطفى

بہ یقین معلوم شد کہ طریق اجتہاد وفقہ امروز مسدود است الا از یک وجہ کہ موطا را
 پیش گیرند، وصل مرسل آں، وماخذ اقوال صحابہ و تابعین بہ شناسد و نظر بمجتہدانہ اختیار
 کند و تعقبات شافعی و غیر آں در نظر وارد، بعد از اں چہ کند بعلم احکام الہی و یقین یا
 غائب رائے حاصل کند بدلائل و اُلاہل بر آں مسائل

وقال ايضا: چون مبتدی قدر بر زبان عربی یافت موطا مالک بخوانند، و هرگز آں را معطل نگذارند
 کہ اصل علم حدیث است و خواند آں فیض پاوارده

وقال فی الحجة الطبقة الاولى. من كتب الحديث منحصرة بالاستقراء
فی ثلثة كتب الموطا وصحيح البخارى وصحيح مسلم وقندوى الموطا عن
مالك بغير واسطه الف رجل وقال الشافعى اصح الكتب بعد كتاب الله موطا
مالك واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على راي مالك ومن
وافقه واما على راي غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا وقد اتصل السند به من
طرف اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه باب طبقات كتب الحديث.
وقال الامام عبد العزيز فى العجالة النافعة، ونسبت دریں ہر سہ کتب (موطا
وبخارى ومسلم)

آن است کہ موطا گویا اصل وام صحیحین است و در کمال شهرت رسیده، و ہزار کس از
علمائے عصر مالک موطا را روایت کردہ اند و عدالت و ضبط رجال این کتاب مجمع علیہ
است، در مکہ و مدینہ و عراق و شام و یمن و مصر مشہور شدہ و بنام فقہاء امصار ہر اس
است۔

در زمان مالک، و بعد از زمان مالک نیز علما در تخریج بر موطا و ذکر متابعات و شواہد
احادیث آس سخی تبلیغ نمودہ اند، و در شرح غریب، و ضبط مشکلات و بیان فقر و سائر
وجوہ بیان آل قدر اہتمام نمودند کہ زیادہ براں متصور نیست صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر
چند در بسط و کثرت احادیث وہ چند موطا باشند، لیکن طریق روایت احادیث و تمیز
رجال و راہ اعتبار و استنباط از موطا آموختہ اند، انتہی۔

(قلت) فتقدیم الموطا علی سائر كتب الحديث والفقه، تختلف الطريقة
الولى الالهية عن عامة الفقهاء والمحدثين اختلافاً جوهرياً ومن لم يتفطن
بذلك لا يصح ان بعد من اتباع الامام ولى الله انتهى. كتاب التمهيد.

پس موطا امام مالک ایسی مرکزی کتاب ہے، جس پر فقہاء اور محدثین سب متفق ہیں، اب اگر
اس کتاب کو اصل قرار دیکر حدیث کی باقی کتابیں پڑھی جائیں تو ان کتابوں کی صحت پر یقین

حاصل ہو سکتا ہے، میں اس طریقہ پر دو ماہ میں طالب علم کو حدیث سمجھنے کا فن سکھاتا رہا ہوں، آخر میں مکہ معظمہ رہتے ہوئے بھی حرم محترم کے علمائے مجھ سے یہ فن سیکھا۔

قرآن عظیم ہماری دانست میں اپنے موضوع کی مستقل کتاب ہے، گزشتہ فصول میں ہم نے اس کی توفیح کرنے کی سعی کی ہے، مگر آیات احکام پر عمل کرنے کے لئے ہمیں دور نبوت اور خلافت راشدہ کا طرز عمل معلوم ہونا ضروری ہے، اس کے لئے ہمیں ایک فقہ کی کتاب درکار ہے، جس میں تصریح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں ادا کرتے تھے، مسلمانوں سے زکوٰۃ اس طرح وصول کرتے تھے، بیع و شری کے معاملات اس طرح طے ہوتے تھے۔ غرض جمیع آیات احکام کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے وفاقی دور (یعنی شہادت عثمان تک سے معلوم ہونی چاہئے اور یہ چیز موطا میں ملتی ہے۔

حضرت علیؑ کے زمانے میں جب باہمی جنگیں شروع ہوئیں تو حضرت علیؑ مدینہ منورہ چھوڑ کر عراق تشریف لے گئے، یعنی اہل مدینہ نے جو علم سیکھا تھا اس پر تبنہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکا۔

اس کے بعد بنی امیہ کے دور میں سیاسی مرکز دمشق بنا، مگر انھوں نے علمی مرکز مدینہ طیبہ ہی کو تسلیم کیا، اس سے اہل مدینہ کا توارث بہت سے مسائل کو آسانی سے حل کرنے کا سبب بنا، اور یہ توارث موطا میں ملتا ہے، السنۃ البقی لا اختلاف فیہا عندنا کذا و کذا، کا جملہ امام مالک جب ارشاد کرتے ہیں تو اس سے یہی توارث مراد ہوتا ہے، جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر بنی امیہ کے دور تک قائم رہا۔

فقہاء سبعہ

مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے بعد سات فقہاء پیدا ہوئے (۱) سعید بن مسیب (۲) عروہ بن الزبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (۴) خازم بن زید بن ثابت (۵) عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود (۶) سلیمان بن یسار (۷) ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث یا سالم بن عبد اللہ بن عمر یا ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، تعریب مقدمہ مصفی

ان فقہاء سبعہ نے اہل مدینہ کے تمام تر علم کو محفوظ کر دیا، پھر ان کے شاگردوں (امام امین

شہاب زہری وغیرہ) سے امام مالک نے علم لیا، لہذا اس سے بڑھ کر دنیا میں کسی کتاب کا صحیح ملنا ناممکن ہے۔

فصل (۶) عام علما نے موطا کو اس قدر اہمیت کیوں نہیں دی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل علم نے کیوں اس کتاب کو موخر کر دیا؟ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے اس حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں میں محفوظ رہے ان کی چار قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔ (الف) علم فقہ (ب) مغازی و سیر (ج) تفسیر (د) فتن و ملائم، امام بخاری کی کتاب ان ہر چہار فنون کی جامع واقع ہوئی ہے، اور اس طرح کی جامع کتاب اور اس سے بڑھ کر صحیح مجموعے کا ملنا ممکن نہیں ہے بنا بریں اہل علم سب اسی پر ٹوٹ پڑے۔

امام دلی اللہ قرآن عظیم کے معانی کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں تقسیم کر چکے ہیں اور ان کے نزدیک ہر ایک باب ان میں سے اپنے افادے میں مستقل ہے، نہ تو کسی پہلی کتاب کا محتاج ہے اور نہ کسی بعد کے علم و عمل سے متاثر ہوتا ہے۔ البتہ فن احکام عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ سمجھنے کا محتاج ہے، خیر القرون میں جس طرح قرآن شریف پر عمل کیا گیا وہ اہل مدینہ کے یہاں محفوظ تھا اور موطا اس کا ایک اچھا نصاب ہے، اس لئے قرآن کریم پڑھنے کے بعد موطا کی ضرورت بہر حال باقی رہے گی۔

شاہ صاحب کی تقسیم میں احکام کے سوا جو فنون ہیں، ان میں قرآن حکیم کسی فن (مثلاً مغازی و تفسیر اور فتن و ملائم) کا محتاج نہیں ہے، اب ایک ایسے امام کے لئے جو اسلام کو قرآن شریف میں مکمل پاتا ہو، موطا جیسی فقہ کی کتاب کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔

پھر شاہ صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمد بن حنبل مغازی، تفسیر اور ملائم میں صحیح روایت کا

انکار کر چکے ہیں۔

وصیت شیخ الہند

مجھے مولانا شیخ الہند نے دو کتابوں کے مطالعہ کی وصیت فرمائی۔

(الف) فنون حدیث میں میرا شغف دیکھا کہ تمام کتابوں کو جمع کرنے کا از حد ساعی ہوں، تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ تمہیں صحاح سے اگر مزید کی ضرورت ہے تو مسند امام احمد کو کافی سمجھو۔
(ب) اور شرح حدیث میں فتح الباری سے تمسک کرو۔

مسند احمد

شاہ صاحب کا طریقہ سمجھنے کے بعد مجھے صحاح سے زائد متون کی حاجت محسوس نہیں ہوئی۔
(۱) مسند احمد کے متعلق افسوس ہے کہ اس میں ان کے بیٹے عبداللہ کی روایتیں ملا دی گئی ہیں
(۲) اور جن روایتوں کو امام احمد نے صراحۃً غیر صحیح کہا اور مسند سے ان کو کاٹ دیا تھا کاتبوں نے وہ بھی اس میں درج کر دی ہیں۔

(۳) ایک اور اتفاقی مصیبت یہ پیش آئی کہ امام احمد جب گھر میں متکلف ہو چکے تھے اس وقت ان سے مسند پڑھا گیا ہے اور امام کے بیٹے عبداللہ کے سوا اس کا اور کوئی راوی نہیں ہے اور عبداللہ بن احمد اتنا لائق اور قابل اعتماد نہیں ہے جتنا کہ اس کتاب کی روایت کے لئے ثقہ ہونا ضروری ہے۔ یہ کتاب یا تو مجمع مسلمین میں پڑھائی جاتی اور متعدد لوگ اس کے راوی ہوتے اور یا عبداللہ سے کوئی بہت بڑا فاضل اس کا راوی ہوتا۔

ان حالات کے پیش نظر مجھے ادھر توجہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، پھر بھی میں نے اس سے استفادہ کیا اور خاص خاص عالموں کے لئے میرا یہ مطالعہ مفید ہو سکتا ہے عام طور پر اس کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

فتح الباری

اس کے بعد میں نے فتح الباری سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور اس کا یہ نتیجہ تھا کہ میں صحیح بخاری کو حافظ ابن حجر سے بھی پڑھ کر اصح الکتاب ماننا تھا، جن چالیس حدیثوں پر ابن حجر نے جرح کر کے لکھا کہ اس جرح کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا، میں ان کا بھی جواب دینے کے لئے تیار تھا، مجھے یہ برا معلوم ہوتا تھا کہ طالب علم کو حدیث کی جو پہلی مرکزی کتاب پڑھائی جائے اس پر بھی اس کو اعتماد کامل نہ ہو۔

سبب الرجوع الی الموطا

میرا کافی زمانہ اسی طرح گزرا، اس کے بعد شکوک پیدا ہونا شروع ہوئے جبکہ میں نو جوان تعلیم یافتہ گروہ سے ملنے لگا تو بعض چیزیں ان کو سمجھانا میرے لئے مشکل ہوا میں نے صحیح بخاری کے ابواب میں ربط پیدا کرنے کی اسی طرح کوشش کی جس طرح ایک سورت کی آیات میں تناسب پیدا کرتا رہا میں نے ان چیزوں میں سے بعض چیزیں مولانا شیخ الہند گوستائیں آپ نے بہت پسند کئے، میں نے اس کے لئے قواعد کلیہ ضبط کر لئے ہیں جنہیں لکھ نہیں سکا، یہ چیز میرے پاس فتح الباری سے زائد تھی۔

مگر جس قدر میری توجہ قرآن عظیم کی طرف بڑھتی گئی اور نو جوانوں کو بخاری کی بعض احادیث کا سمجھانا مشکل ہوتا گیا، اسی قدر میرے سابقہ یقین میں تزلزل پیدا ہونے لگا میں اس کا کبھی قائل نہیں ہوا کہ دینی تعلیم اگر عربی مدارس کے طلبہ کو دی جائے تو اطمینان بخش ہو اور اگر وہی تعلیم کالج کے طلبہ کو دیجائے تو اطمینان پیدا نہ کر سکے، اگر ایسا ہو تو وہ تعلیم حقیقی اسلام کی تعلیم نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن ساری دنیا کے لئے نازل ہوا ہے، اگر کالج کے طلبہ کو ہم قرآن کی تعلیم اسی طریقے پر (جو عربی مدارس میں کامیاب ثابت ہوا) نہیں دے سکتے تو غیر مسلم لوگوں کو ہم کیا پڑھا سکتے ہیں۔

اس طرح ابن حجر کی تحقیقات سے میری طبیعت غیر مطمئن ہونے لگی، رحمت الہی کا ایک کرشمہ سمجھنا چاہئے کہ مجھے موطا مالک کی شرح التہدیز حافظ ابن عبد البر (یوسف ابو عمر مغربی متوفی ۴۶۳ھ) مل گئی، اس نے فتح الباری کی جگہ لے لی، میں حافظ ابن حجر کی نسبت ابن عبد البر کو بہت بڑا محقق مانتا ہوں ادھر شاہ ولی اللہ کا زور تھا کہ موطا کو سب پر ترجیح دینا لازم ہے، اب میں اس کا قائل ہونے لگ گیا موطا میں وہ تمام مشکل حدیثیں نہیں پائی جاتیں جن کا سمجھانا نو جوانوں کے لئے بہت مشکل ہے۔

اب ان مختلف اثرات کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن عظیم کے بعد میں شاہ ولی اللہ کی کتاب مسوی شرح موطا کا پڑھنا، حدیث اور فقہ کے لئے کافی سمجھتا ہوں اور یہ اسلام میں ساری دنیا کو

کھا سکتا ہوں مسلمانوں کوائمہ فقہاء کے طریقے پر اور غیر مسلموں کو حکمت کے اصول پر۔

جہاں تک میرا حلقہ اثر رہا، میں اس میں خدا کے فضل سے کامیاب رہا ہوں اس سے مجھے شاہ ولی اللہ کی اس تجدید کی (کہ موطا صح الکتب ہے) برائی العین قدر و قیمت نظر آنے لگی متاخرین محدثین اس چیز کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہیں، میں ان کی تعلیمات کو درجہ تکمیل کے لئے تو جائز قرار دیتا ہوں مگر قرآن سمجھنے کے لئے ان کی تعلیمات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

مولانا حمید الدین مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے قرآن شریف کے تاسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا، اگرچہ طریقے اور پروگرام میں کسی قدر اختلاف رہا، وہ بائبل مجھ سے بدرجہ اعلیٰ جانتے تھے اور میں حدیث ان سے زیادہ جانتا تھا جب تک میں ہندوستان میں ان ملتا رہا حدیث شریف کے ماننے نہ ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا، اتفاق جس سال میں مکہ معظمہ پہنچا ہوں اسی سال وہ بھی حج کے لئے آئے، ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں، افکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا تھا، مگر وہاں بھی حدیث کے ماننے نہ ماننے پر بحث شروع ہو گئی، ہم نے سختی سے ان پر انکار کیا اور کہا کہ حدیث کو ضرور ہی ماننا پڑے گا، جھگڑا کر فرمانے لگے، آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا موطا مالک! فرمایا ہم اس کو ماننے میں، میں نے کہا بس آج سے ہمارا نزاع ختم ہے، ہم آپ کو صحیح بخاری ماننے کے لئے مجبور نہیں کرتے! رہا یہ کہ صحیح بخاری میں میرے اشکالات کیا ہیں، اور میں ایک یورپین نو مسلم کو وہ کتاب کیوں نہیں پڑھا سکتا، ان تفصیل پر میں مجالس عامہ میں گفتگو کرنے کا روادار نہیں، اہل علم جو تکمیل کر چکے ہیں جہاں تک تکمیل کے قریب ہیں ان سے میں مذاکرات میں سب کچھ کہہ دوں گا، میں نے یورپ کا سفر سخت انتظامی حالات میں کیا ہے، اور بحمد اللہ شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر قرآن وانی اور موطا مالک کی فقہ کو ماننا ہوا سالم نکل آیا ہوں یہ میں شاہ صاحب کی تجدید کی بہت بڑی برکت ماننا ہوں، کاش اہل علم ادھر توجہ کریں اور نوجوان مسلمانوں کی مرکزی طاقت (یعنی عربی مدارس اور کالج کے طلبہ) سے ہونہار افراد کو جمع کر کے ایک شیرازے میں باندھ دیں۔

باب چہارم (علم فقہ)

فصل (۱) عرب اور رسول اللہ کی بعثت کا مقصد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق سورہ جمعہ میں تصریح کر دی گئی ہیں کہ اس کے پہلے مخاطب امینین ہیں، امینین سے مراد عرب کے وہ طوائف ہیں جنہوں نے قریش کی امامت کو تسلیم کر لیا ہے، بعثت کا مقصد دوسرے موقع پر قرآن عظیم نے اس طرح واضح کیا کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے مل کر دعا کی کہ ہماری نسل سے ایک امت مسلمہ (یعنی ابراہیمی حنبلی ملت پر پیدا کی جائے اور یہ ”بیت“ اس کا منبع اور اس کا مرکز ہو، اس امت مسلمہ کو ایک نبی کی ضرورت ہوگی جو ملت حنیفہ کی صحیح معنوں میں تعلیم دے اور ان کو اس کے لئے تیار کرے کہ اس دین کو وہ تمام اہم میں پہنچا سکیں، یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قریش کے لئے ہے (؟) قریش عربی قوموں میں نل جل کر عرب بن چکے ہیں، یہ سلسلہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پہلے طبقہ سے شروع ہوا، اسماعیل کی اولاد، قبائل میں تقسیم ہو گئی ہر جگہ انہوں نے اپنا مرکز دعوت قائم کیا اور اس گروہ خاص کی امامت حاصل کر لی یہاں تک کہ تورات میں جو بارہ سرداروں کی پیشگوئی ہے، اہل کتاب اس کو اسماعیل علیہ السلام کی بلا واسطہ صلیبی اولاد پر حمل کرتے ہیں، ہم ان کی تاویل کو ملت عربیہ میں حنیفیت کی اشاعت کے لئے تسلیم کرتے ہیں کہ انھیں بارہ سرداروں (یعنی حقیقی بلا واسطہ فرزندان اسماعیل) نے حنیفیت کا مرکز عرب میں پیدا کیا، بہت دیر بعد قصی نے منتشر اولاد اسماعیل کو مکہ معظمہ میں جمع کر دیا، یہاں سے خاتم النبیین کی بعثت کا ارعاص شروع ہوتا ہے، یہ لوگ جماعت

قصی بن کلاب، فقط عرب کی سرداری پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے بلکہ عراق و شام تک میں تجارت کے ذریعہ اپنا سوخ پیدا کر رہے تھے اس طرح یہ مجمع الاقوام بنا کر ان پر سرداری اور حکومت کی متمنی تھے، یہ چیزیں ان کے یہاں خاندانی روایات کے ذریعے مستقل ہوتی رہتی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ایک بہت بڑا نبی پیدا ہوگا جو ہمیں تمام اقوام کا سردار بنا دیگا، بنی اسرائیل میں بھی یہی جذبہ موجود تھا اور اس معنی میں ہر دو خاندانوں کی باہمی رقابت جاری تھی۔

بنی اسرائیل پہلے تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو ان کے برابر ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام موسیٰ علیہ السلام نے کیا ان کے نزدیک وہی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق تھا مگر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اسرائیلی قوموں سے باہر نہیں جاسکی۔

مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور ایسے بزرگ تھے جنہوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالغاظ دیگر صائبین یا آریہن قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی، مگر ان کی مرکزیت کو اسرائیلی قوموں نے ہی قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہود عموماً مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے کم مستفید ہوئے، اگرچہ آگے چل کر موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو دنیا میں سنبھالنے والے یہی لوگ رہے جو مسیح کے حواریین سے مستفید ہوئے، آج ہمارے زمانے میں جس قدر تورات کی اشاعت ہے کیا یہ یہودیوں کی محنت کا نتیجہ ہے؟ ہرگز نہیں، مسیح کی تعلیم کے شائع کرنے سے پہلے عہد قدیم کا شائع کرنا ضروری تھا، اس لئے مسیحی سلطنتیں، اشاعتی جماعتیں عہد قدیم کی اشاعت کا ذریعہ بنیں۔

ان چیزوں کا اثر قریش کے اولیٰ الراۓ بزرگوں پر پڑتا رہا، وہ دیکھتے تھے کہ عیسائیوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر لیں، مگر وہ حنفی دین کو سنبھال نہیں سکے، اس سے قریش مکہ کے مرکز میں یہ توقع قصی کے بعد مسلسل روز سے قائم رہی کہ ہم میں سے کوئی آدمی پیدا ہوگا جو اصلی مرکز پیدا کرے گا۔

جملہ معترضہ! (اجتماعیت اسلامیہ، اور انفرادیت مختصرہ)

ہمارے اہل علم ایک لمبے زمانے سے سلاطین کی انفرادی تحریکوں کا شکار ہو رہے ہیں، انھوں

نے اسلام کی اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر اس طرح غور کیا جاتا ہے کہ ساری نسل انسانی میں خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ایک اکمل انسان پیدا کرے وہ فرد فرید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، اس موضوع کی ہر عالم اپنے فن سے توضیح کرتا ہے اسی پر سیرت کی کتابیں کثرت سے لکھی گئیں۔

ہم نے جب سے یورپ کی سیاسیات کا براہ راست مطالعہ شروع کیا، ہمیں انسانی اجتماعی تحریک کے دونوں اسکولوں (یعنی سرمایہ دار اور محنت کش) کے مطالعہ کا ایک حد تک پورا موقع ملا، آج کل کے لیڈر بین الاقوامی تحریکوں کو چلانے کے لئے مذہب سے عداوت رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں سوشلسٹ اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں جانتے، وہ علانیہ مذہب پر حملہ کرتے ہیں سرمایہ دار اسکول معنائ ان کا ہم صغیر ہے، مگر اپنی سیاست کو چلانے کے لئے مذہبی لوگوں کو استعمال کرتا رہتا ہے اس لئے یہ لوگ علانیہ مذہب سے دشمنی نہیں خریدتے۔

ہم نے اس اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی طبعی ربط محسوس نہیں کیا، اس لئے ہم نے لادینیت کو اجتماعی تحریک سے نکال کر باہر پھینک دیا، اب اسلام میں جو ہماری واقعیت تھی وہ دیوبندی اسکول میں تعلیم پانے سے شاہ ولی اللہ کی امامت پر مرکوز تھی، شاہ صاحب کی کتابوں میں ہم نے اجتماعیت کا خاص زور دیکھا اگرچہ وہ اسے نمایاں نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ ملک کی عام حالت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی، ہمارا زمانہ شاہ پرستی کو چھوڑ کر بہت آگے بڑھ چکا ہے، مجھے کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ شاہ صاحب کی طرح میں بھی اجتماعیت اسلامیہ کو نمایاں کرنے میں تامل کروں، میرے لئے زیادہ سے زیادہ یہی نقصان ہوگا کہ میرے دوستوں میں جن لوگوں نے شاہ صاحب کی حکمت غور سے نہیں پڑھی وہ میری مخالفت پر ڈٹ جائیں گے، لیکن اب ہماری حالت ایسی کمزور ہو چکی ہے کہ ان کمزور طاقتوں کی رعایت کرنا کوئی ضروری امر نہیں رہا، شاہ صاحب کے زمانے میں پھر بھی مسلمانوں کا ایک سرمایہ محفوظ تھا، اس کی حفاظت کے لئے وہ مصالح و تہیہ کا خیال کرتے رہے، دو سو برس کے بعد وہ سب کچھ لٹ چکا ہے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس کی حفاظت کیلئے ہم مصلحت و تہیہ کا خیال دل میں لائیں اس نے شاہ صاحب کی اصل تعلیم کو

پوست کندہ، تمام اصناف انسانیت میں شائع کرنا، میں نے اپنا مقصد زندگی بنالیا ہے۔
 اس فیصلے کے بعد پہلا اثر میرے افکار پر یہ آیا کہ مجھے قرآن شریف کی تفسیر پر نظر ثانی کرنا
 پڑی اس میں سے انفرادیت کو خارج کر کے اصول اسلامیہ کی اجتماعی روح کو قائم رکھنا، میں نے
 اپنے لئے ضروری قرار دیا، ورنہ میں دنیا کی اقوام کے سامنے قرآن پیش نہیں کر سکوں گا۔
 اگر قرآن شریف کی تعلیم کا مرکز میرے ذہن میں یہ ہوتا کہ وہ ایک اکمل ترین انسان کے
 ذریعہ نازل ہوئی اس لئے دنیا کو وہ پیغام سننا چاہئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہر قوم اپنے بزرگ و مقتدا
 کو خصوصاً مسیحی قومیں معارضے میں اکمل ثابت کرنے کی سعی کریں گی اور وہ مقصد ان مبادی کے
 طے کرتے کرتے قابل توجہ نہیں رہے گا۔

میں قریش کی ہستی ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا پہلا نتیجہ قرار دیتا ہوں کہ ایک امت
 ہوئی چاہئے کہ وہ امام کو ہدایت دے (ومن ذرینا امة مسلمة لک)

پھر اس امت کی ضرورتوں کے لئے ایک فرد امام درکار ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق دنیا سے بواسطہ قریش ہے اس نکتہ سے میرے بہت سے
 عقدے حل ہو گئے۔

میں قریش میں فردیت اور حلیفیت کا قائل نہیں رہا، اس لئے ہاشمیت، صدیقیت اور
 فاروقیت کے الفاظ میرے دماغ سے نکل چکے ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے ”الانمة من
 قریش“ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ بارہ سردار پیدا ہوں گے، ”کلہم من قریش“ مگر اب
 انفرادیت نے ہمارے دماغ خراب کر دیئے ہیں۔

اس کے بعد سورہ بقرہ کی آخری آیتوں میں ”لانفرق بین احد من رسلہ“ سے میں یہ
 سمجھا کہ پہلے ہمیں تمام انبیاء اللہ پر ایمان صحیح حاصل کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک فرد اکمل
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جماعت انبیاء سے قطع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر
 غور کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں رہا۔

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی اوصاف میں اس قدر انشہاک کر چکے ہیں کہ ان

کی پیدا کی ہوئی جماعت کی قدر و قیمت ہماری نظروں سے جاتی رہی، مگر قرآن شریف کا ایک اشارہ ہمارے اس تحجیل کو درست کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱) محمد رسول اللہ کے ساتھ ”والذین معہ“ ملا کر آپ کی تمام کامیابی کو جماعتی کام بنادیا گیا ہے۔

(۲) کتب حدیث میں ایک جملہ معروف ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت برسر حق رہے گی، اس کی تفسیر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”ما انا علیہ واصحابی“ (۳) قرآن عظیم نے جو دعائیں اسلامی عقائد پر مضبوط رہنے کے لئے سکھائی وہ سورہ فاتحہ میں مذکور ہے، وہاں ”صراط مستقیم“ کی تفسیر ”صراط الذین انعمت علیہم“ سے کی گئی اور ”الذین انعم اللہ علیہم“ کی تفسیر خود قرآن شریف میں انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین سے کی گئی ہے اس سے فی البدیہ قرآن شریف کی تعلیم کو اجتماعی سمجھنا ضروری تھا، مگر کسی بے التفاتی کا شکار ہو کر ہم انفرادیت کی دلدل میں پھنس گئے۔

قرآن اور دنیا میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام

اس کے بعد میرے دماغ پر یہ اثر پیدا ہوا کہ قرآن عظیم دنیا کی تمام اقوام میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام ہے، اسے میں نے آیت ”هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کلہ ولو کره المشرکون“ سے استنباط کر لیا دین ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ رہ چکا ہے، اور قومی افکار و اعمال کا مقدس حصہ اس قوم کا دین کہلاتا ہے جب اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرنا منظور ہے تو تمام اقوام میں انقلاب پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

انقلاب کا قرآن پروگرام اور طاقت

انقلاب مذکور کی دو صورتیں ہیں، اول یہ کہ تمام ادیان پر غلبہ فقط تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ہو، اس طرح اگر تحقیق ہوتا تو قومیں اپنی خوشی سے اس دین حق کو قبول کرتیں جب اس کے ساتھ ”ولو کره المشرکون“ کا جملہ نازل ہو چکا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مرکزی طاقت کے زور سے اس دین کا غلبہ پیدا کیا جائے گا۔ انٹرنیشنل انقلاب کا ترجمہ اس سے زیادہ اور

کچھ ہم نہیں سمجھ سکے۔

عدم تشدد کا مسلک

آج کل ہندوستان میں ایک نئی اصطلاح پیدا کی گئی ہے کہ عدم تشدد کی پابندی سے اقوام پر غلبہ حاصل کر لیا جائے گا، اور انقلاب اس نئے طریقے پر ہوگا۔

اب تک جو انقلاب کا مطلب سمجھا گیا ہے یہ اس سے مختلف چیز ہے۔

جب تک یہ تھیوری عمل میں نہ آجائے قدیم فیصلوں کو منسوخ نہیں کر سکتی، میں ذاتی طور پر عدم تشدد کی پالیسی ایک محدود زمانے کے لئے معین کر چکا ہوں، اور مجھے یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ تاریخ میں مقدس ہستیوں نے اس پالیسی کو ایک خاص وقت کے لئے ضرور استعمال کیا ہے مگر انسانی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ محض اسی کی بنیاد پر آخر تک کامیابی کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی۔

خیر یہ (عدم تشدد کا نظریہ) تو جملہ معترضہ میں ایک دوسرا جملہ معترضہ تھا اب ہم پھر اس مطلب (مکمل جملہ معترضہ) پر بحث کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

اگر قرآن عظیم کی تعلیم کو انٹرمیڈیٹل انقلاب کا پروگرام مان لیا جائے تو اس کے لئے تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔

(الف) اس کا آئیڈیال، (ب) اس کا پروگرام (ج) اس پروگرام کو چلانے والی سنٹرل کمیٹی کوئی انقلابی تحریک، پارٹی یا لیکس کے سوا کامیاب نہیں ہوتی اور ہر پارٹی یا لیکس میں ان تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔

قرآن کی انقلابی تحریک کا آئیڈیال

(۱) میں نے قرآن عظیم میں غور کر کے اس کا آئیڈیال اس آیت کو مقرر کیا ”هو الذی ارسل

رسوله بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون“

اس تحریک کو چلانے والی پارٹی یا حزب اللہ

(۲) پروگرام کے لئے پہلے حزب اللہ کی تعیین و تحدید ضروری ہے حزب اللہ اس پارٹی کا نام

ہے جو قرآن عظیم کے انٹرمیڈیٹل انقلاب کو کامیاب بنانا مقصود حیات قرار دیتی ہے،

حزب اللہ کی ضروریات پر قرآن عظیم کی مختلف سورتوں میں کافی ہدایتیں دی گئی ہیں، جہاں جہاں یا ایہا الذین آمنوا، وغیرہ سے مؤمنین کو خطاب کیا گیا کہ وہ کفار اور منافقین کے راستے پر نہ چلیں، بلکہ فلاں فلاں حکم کی اس طرح پابندی کریں۔ ان تمام مواقع کو حزب اللہ کا پروگرام سمجھنا چاہئے۔ ”یا ایہا الذین آمنوا“ کے پہلے مخاطب حزب اللہ کے افراد ہی ہوتے ہیں، اس میں مرد و عورت، عرب و عجم سب شامل ہیں۔ اس کا پہلا نمونہ ”السابقون الاولون من المهاجرین والانصار“ ہیں اور ان کے بعد ”والذین اتبعوهم باحسان“ قیامت تک کی جمیع اقوام مسلمہ کو شامل ہے اس طرح یہ پروگرام قیامت تک جاری رہے گا

سینٹرل کمیٹی کی تعیین

(۳) اب فقط مرکزی کمیٹی کا سوال باقی رہ جاتا ہے میری سمجھ میں آیت ”السابقون الاولون من المهاجرین والانصار“ سینٹرل کمیٹی کو معین کر دیتی ہے۔

مسئلہ خلافت و امامت

اس تحلیل پر تفصیل سے بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، مگر ایک آدھ مسئلہ کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، خلافت راشدہ کے دور کے بعد مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اہل سنت اور شیعہ اہل بیت، ہمارے اصول پر اس اختلاف کا حل نہایت کھل ہوگا، ابو بکر صدیقؓ کی تقدیم کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس قدر کمالات نفیر کے مالک تھے کہ پوری جماعت صحابہؓ میں کوئی آدمی ان کے مقابل نظر نہیں آیا، ہمارے نزدیک مرکزی جماعت (سینٹرل کمیٹی) نے فیصلہ کیا کہ ابو بکر مقدم ہیں، اس لئے وہ واجب الاتباع تھے، اگر جماعت، علیؓ یا عثمانؓ یا عمرؓ کو مقدم کر دیتی تو مسلمانوں پر انھیں کی اطاعت ضروری ہوتی، اس منصب کے لئے جس قدر اہلیت امیدواروں میں ضروری ہے، اس میں یہ ہر چار حضرات کامل اہلیت کے مالک ہیں، مسلمانوں کو ان کے ذاتی اوصاف دیکھ کر مسئلہ خلافت میں ایک کو ترجیح دینے کا فکر پیدا ہی نہیں کرنا چاہئے تھا جس سے یہ تحزب اختلاف پیدا ہوا، جو جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو چلانے کے لئے چھوڑی، وہ مہاجرین اور انصار کے پہلے طبقہ میں سے ایسے لوگ تھے جن پر یہ صادق آتا ہے رضی

اللہ عنہم ورضو عنہ، یہ جملہ اس طرف مشیر ہے کہ ان کا فیصلہ خدا تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ اور مرضی ہے، اس لئے کسی کو ان کی اطاعت سے چوں و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بظاہر یہ مرکزی کمیٹی کی تشخیص میرا اپنا فکر ہے، مگر قرۃ العین اور ازالتہ الخفا کو غور سے پڑھئے تو آپ کو شاہ صاحبؒ کا اصلی مطمح نظر یہی آئے گا، میرا کام اس میں ان کی بات کو عام سمجھدار طبقہ تک پہنچانے کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔

یہاں پر مذکورہ بالا معترضہ ختم ہو گیا ہے۔

فصل (۲) عجم

سورہ جہ میں امینین کے بعد ”وآخرین منهم لما یلحقوا بہم“ کا ذکر آیا ہے، اس کی تفسیر میں ایسی روایات موجود ہیں، جن سے ایرانی قوم کی طرف اشارہ نکل سکتا ہے، ایران اس زمانہ میں آریں (صابی) قوموں کا مرکز بن چکا تھا، اس سے پہلے زمانے میں ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی، ہماری سمجھ میں ”وآخرین منهم“ کے مصداق میں، ایران اور ہند و ما بینعہما شامل ہونے چاہئیں، ہم اس حصہ کو قرآن حکیم کی بین الاقوامی تعلیم کا متن سمجھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث جیسے امینین کے لئے ہے ویسے ہی آخرین کے لئے بھی ہے۔ اس اجتماعی تحریک کا پہلا مرکز قریش ہیں، ہماری دانست میں ان کی حکومت پانچ سو برس تک رہی، اس حکومت کے پہلے حصے میں وہ بارہ سردار گزر چکے ہیں، جنہوں نے قیصر و کسری کی حکومتوں کو ملا کر رومن امپائر کے رقبہ سے دو چند ممالک پر حکومت کی، اس حکومت کی اگر سیاسی فلاسفی سے تحلیل کی جائے تو وہ انسانیت کے لئے ایک نمونہ کی حکومت ہے، ولید بن عبد الملک (متوفی ۹۶ھ) کہتے ہیں کہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کی حکومت شام میں رہی وہ نبی تھے، اس سے قطع نظر کر لو، پھر میری حکومت کا ان کی حکومت سے مقابلہ کر دو اور دیکھو کوئی اندھا نہیں جس کے لئے میں نے عصا کش مقرر نہ کیا ہو، کوئی بھوکا اور بیمار نہیں ہے جس کو کھانا اور دوا نہ پہنچتی ہو۔

یہ ایک عرب بادشاہ کی حکومت ہے، خلیفہ راشد کی خلافت نہیں، خلیفہ راشد کی حکومت تو مگویا آئیڈیل حکومت ہے اس کی نظیر پھر مسلمان پیدا ہی نہیں کر سکے، مگر قریش کے یہ بادشاہ اور سردار بھی

اس قدر اجتماعیت کے مالک تھے وہ اگرچہ اپنے گھروں میں اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے قیصر و کسری سے بھی زیادہ شاندار زندگی مہیا کرتے ہوں اور اس کا ہم انکار نہیں کر سکتے، مگر وہ انسانی اجتماع کو اور اس کی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے۔

انفرادی فکر والے ہمارے مورخین نے ان کے ذاتی اور شخصی نقائص کو بڑھا چڑھا کر دکھایا ہے اس لئے کہ اس مورخ کے نزدیک جس خاندان کی حکومت چاہئے، بد قسمتی سے حکمران خاندان اور اس کی آپس میں جنگ ہے۔

اب ہم تاریخ اس طرح پڑھنا نہیں چاہتے، دیکھنا یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے عام انسانیت کے لئے کیا کام کیا، اگر شاہان اسلام کے اجتماعی کام اچھے ہیں تو ان کے شخصی نقائص اور تھوڑا سا مالی تفوق ہم برداشت کر سکتے ہیں، مسلمانوں سے باہر بھی بادشاہ گزرے ہیں، ہند اور یونان میں کوئی شخص اس طرح انسانیت کا خام نظر نہیں آتا۔

سلاطین اور علمائے کرام

ان بادشاہوں میں اعتدال پیدا کرنے والی جماعتیں ہمارے نزدیک فقہاء اور صوفیہ تھے، فقہاء میں سے جب ایک فقیہ کو قاضی القضاۃ بنادیا جاتا، تو بادشاہ اپنی تمام قلمرو کے قضاۃ کے فیصلوں میں (جو قاضی القضاۃ کے نائب ہوتے تھے) کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا تھا اس نے اسلامی انصاف کو ایک استقلالی وجود دے دیا ہے۔

ہمیں ہندوستان کی تاریخ میں ایسی چیزیں معلوم ہیں کہ سلطان عالمگیر کے تالائق جانشینوں نے اپنے سب سے بڑے قاضی کی مجالس خاصہ میں نہایت بے توقیری کی قاضی مذکور کے بعض احباب نے اس کو شرم اور غیرت والائی کہ تم کیوں اس درجہ تک اپنی ہنگ گوارا کر لیتے ہو، قاضی کا جواب یہ تھا کہ یہ شخص میری قضا کے فیصلوں میں میرا قلم نہیں روکتا، اس لئے اس کی سلطنت میں مسلمانوں کے فائدے کے لئے اپنی ہنگ گوارا کر لیتا ہوں۔

اب دیکھیے اجتماعی فکر بدلنے سے میں اس ہنگ کرنے والے (سلطان محمد شاہ) کی بھی تعریف کرتا ہوں اور پہلے میں اس قاضی کی بے عزتی کو اس کا سب سے بڑا جرم قرار دیتا تھا، یہ

چیز قاضی کے فیصلوں میں دخل نہ دینا، ہارون و مہدی و منصور کے زمانے سے ایک حقیقت واضح بن چکی ہے اور قریش کے آخری زمانے تک نہایت سختی سے اس کی پابندی کی گئی، قاضی کے فیصلے کو وہ گویا خدا تعالیٰ کا حکم سمجھ کر نہایت ادب و احترام سے دیکھتے تھے۔

سلاطین اسلام اور صوفیہ

دوسرا عنصر جس نے شاہانہ طغیان سے ان بادشاہوں کو بچایا وہ صوفیہ کا مجمع تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱) بغداد میں خلفا کے سامنے، اپنی خانقاہ میں ان کے احکام پر تنقید کرتے رہے اور وہ شیر مادہ کی طرح اسے پی جاتے تھے اور یہ عرب بادشاہوں کی منزل کا آخری دور تھا، وہ جس وقت زیادہ صلاحیت کے مالک تھے تو صوفیہ اور زہاد کی صحبت اور نصیحت کو اپنی سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

بغداد میں خلفا عباسیہ نے ایرانوں کو حکومت کے لئے تیار کر دیا، اور بغداد کے زوال کے بعد بخارا کی حکومتیں برسر کار آ گئیں اس سے غزنی پیدا ہوئی پھر غرزمین سے لاہور اور دہلی غمیوں کے مرکز بنے،

اگر اسلام کو عربی اقوام کے لئے معین کر دیا جائے تو یہ تمام مختس (بغداد، بخارا، غزنی، مصر، دہلی وغیرہ کو مرکز بنانا) اسلامی اجتماع پر ایک قبل ہوں گی، آج ہم غلط فہم عربوں کو اسی میں جتلا دیکھتے ہیں مگر جس وقت جس نے اسلام کی اساسی حکمت، بین الاقوامیت کو قرار دیا، تو ہمارے نزدیک قرآن کے مقاصد پورا کرنے والے عرب اور پھر ان کے بعد عجم ایک ہی درجہ پر آجائیں گے یہ اسی اجتماعی فکر کا اثر ہے کہ عربوں کی انفرادیت ہماری نظروں سے غائب ہو چکی ہے وہ (عرب) اس اجتماعی تحریک کے امام ہیں، انھوں نے سب سے پہلے اس اجتماعیت کو دنیا میں کامیاب کر دکھلایا، وہ قیامت تک انسانی نسلوں کے لئے قرآن کی اجتماعیت پر عمل کرنے کے لئے نمونہ رہیں گے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہئے کہ ان کی مرکزی قوت کے کمزور ہونے پر اسلام ختم ہو گیا۔

ہم امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور قحطانیہ پر ان کے حملہ کو

جس قدر عزت و احترام سے دیکھتے ہیں، سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کی محنتوں کی بھی ہم ویسی ہی قدر کرتے ہیں یہ ہمارے ذہن سے عربی غمی فرق کے زائل ہونے کا ایک نمونہ ہے۔

فصل (۳) تطبیق الفقہ والحدیث

انقلابی تحریکوں میں اساسی قانون غیر متبدل ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے چلانے والی قوم کے طبعی خصوصیات کے مطابق دوسرے درجہ کا نظام سنٹرل کمیٹی پیدا کر لیتی ہے جسے بائبلز کہا جاتا ہے۔ بنی امیہ کے آخری دور تک اسلامی تحریک کی مرکزیت جاز میں رہی، بنو امیہ نے دمشق کو اپنی سیاست کا مرکز بنایا، مگر اصل اجتماعیت کا مرکز مدینہ منورہ ہی رہا، عباسیوں نے مرکزیت جاز سے بغداد میں منتقل کر لی، اس لئے خلفا عباسیہ کے تمام وزراء ایرانی ہوئے، اور جب وہ اپنی ایرانیہ میں آگے بڑھتے تو خلفا کے لئے ان کے قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا، خلیفہ منصور (متوفی ۱۵۸) نے ابو مسلم خراسانی (عبدالرحمن بن مسلم متوفی ۱۳۷) کو قتل کیا، خلیفہ محمد مہدی (متوفی ۱۶۹) نے ابو عبید اللہ اور ابو عبد اللہ کو ردعنا، ہارون رشید (متوفی ۱۹۳) نے براکھ کو موت کے گھاٹ اتارا اس کے بعد خلفا کی یہ طاقت ختم ہو گئی، مامون (متوفی ۲۱۵) خود وزیر اعلیٰ الخصوص فضل بن سهل (پروودہ براکھ) کا تربیت یافتہ تھا، پھر بھی اس نے اپنے اس عربی ذی الریاستین فضل بن سهل (متوفی ۲۰۲) کو قتل کر دیا۔

مگر عباسی خلافت ہی نے ایرانیوں کو حکمرانی سکھائی، بعد کے خلفا ایرانی وزیروں یا ایرانی قانکوں کے اشاروں پر چلتے تھے۔

ایران اور خراسان

ہماری سمجھ میں ایران اور خراسان کے درمیان حقیقی تضاد نہیں یہ دونوں قومیں ایک ہی قوم کے شعبے ہیں۔ اس لئے ترکیت کا جو خیال معصوم کے بعد پیدا کیا جاتا ہے ہم اسے قبول نہیں کرتے یہ سب ایرانیہ تھی، ترکوں کے بچے ایرانی تہذیب سے مہذب ہو کر حکومت کرتے تھے، سلطان محمود غزنوی کو دیکھ لیجئے وہ نسل ترک ہے مگر سوائے ایرانیہ کے اس کے دربار میں کوئی چیز نہیں ہے ہندوستان میں بھی جس قدر سلاطین آئے وہ عموماً ترکی نسل سے تھے، مگر ہم سب کو ایرانی

مانتے ہیں، ان کی زبان، فکر، فلسفہ تمام تہذیبی تھا، اس تہذیب سے باہر نکل کر کوئی ترک حکومت کے کسی منصب پر نہیں پہنچا۔

یہ سمجھ بھی ہمارے اس اجتماعی تاثر کا نتیجہ ہے، جیسے ہم نے قریش کی تقسیم بھلا دی اسی طرح ایرانیہ کے اقسام ہماری نظر سے غائب ہیں ہم ”وآخرین منہم“ کی اس تفسیر کو زیادہ صحیح مانتے ہیں، جس میں ایرانیوں کی طرف اشارہ ہے۔

ایرانی اشخاص ہمارے نزدیک زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتے، بلکہ ہمارے نزدیک ایرانیہ سے مراد ایرانی تہذیب ہے۔

حجازی اور عراقی فقہ کی تدوین

جب اسلام کی مرکزی طاقت مامون کے عہد سے ایرانیوں کے ہاتھ آئی، تو قرآن کی اساسی اجتماعی تحریک کیلئے عربی بائلاز کے علاوہ ایرانی ”بائلاز“ کی ضرورت فقہاء کو محسوس ہونے لگی، ہم اسلامی فقہ کے یہ دو اسکول (حجازی، عراقی) علیحدہ علیحدہ مانتے ہیں موجودہ اصطلاحات کے دو سے فقہ کا ترجمہ بائلاز ہے، اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک قرآن شریف میں منضبط ہے، اور وہ غیر متبدل رہے گی، خلافت راشدہ میں عربی ذہنیت کے مطابق اس کے بائلاز تیار ہوئے اور وہ حجازی فقہ ہے جس کا مرکز مدینہ منورہ تھا، اور امام مالکؒ نے اس کو موطا میں ضبط کر دیا ہے۔

صحابہ کرامؓ میں ائمہ فقہاء خلیفہ راشد کے مشیر رہا کرتے تھے، فاروق اعظمؓ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ عراق فتح کرنے کے بعد اس میں ایک نیا مرکزی شہر بسایا جائے، نیز یہ بھی محسوس ہوا کہ میرے مشیروں میں سے ایک بڑا استاذ عراق کے بائلاز بنانے کی بنیاد رکھ دے، اس کے لئے انھوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی صحبت سے جدا کر کے بطور معلم عراق بھیجا، عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت سے عراقی فقہاء تیار ہوئے، جنھوں نے ایرانی مرکزی حکومت کے لئے بائلاز (فقہ عربی) تیار کر دیئے۔

جس طرح اہل مدینہ کے فقہاء امام مالک کے ذریعہ سے زندہ رہے اسی طرح اہل عراق کے

فقہا کا علم امام ابوحنیفہؒ کے ذریعہ محفوظ رہا، امام ابوحنیفہؒ نے ایک ایسی جماعت تیار کر دی کہ ایرانی حکومتوں کے تبدلات میں وہ غنی نئی ضرورت کو پورا کر سکے گی۔

بغداد کے رہنے والے ایک تمدن رکھتے ہیں جو کہ عربی اور ایرانی تمدن کا مجموعہ ہے، بغداد میں جیسے فارسی بولی جاتی تھی، اسی طرح عربی بھی استعمال ہوتی تھی زوال بغداد پر عربی بولنے والی قوموں نے قاہرہ کا رخ کیا، اور فارسی بولنے والی قومیں دہلی میں جمع ہو گئیں، ایرانیت اور عجمیت میں بغداد اور دہلی یکساں مان لئے جائیں پھر بھی ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے بغداد سے حکومت دہلی پہنچی اس میں اس نے بخارا اور غزنی کا راستہ طے کیا ہے، بغداد اور بخارا کے تمدن میں بھی اتنا فرق موجود ہے جتنا دو قوموں میں ہو سکتا ہے، اسی طرح بخارا اور غزنی کا فرق بھی قومیت سے کم درجے کا نہیں ہے اس کے بعد لاہور اور دہلی کا نمبر آتا ہے یہاں بھی قومیتیں بدلتی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کو ہارون الرشید کے زمانے میں فقہ کی امامت تفویض ہوئی، امام ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور امام محمد لا کا لک کے پرنسپل ان کی تعلیم اور صحبت میں اس قدر بلند مرتبہ فقہا تیار ہوئے کہ دہلی تک پہنچنے میں جس قدر تبدلات پیش آئے ان کا لحاظ رکھ کر وہ اسلامی پائیدار تیار کرنے میں کمال رکھتے تھے انہیں کے زور پر سلاطین اپنا عدالتی قانون قوموں کو منواتے رہے۔

دہلی میں قضا کا مستقل مرکز پیدا ہوا جسے دوسرے اسلامی ممالک اس لئے نہیں جانتے کہ اس کی تاریخ فقط فارسی زبان میں مدون ہے۔

مدون فقہ اور ہندوستان

اس مرکز سے دودفعہ اجتماعی تحریک میں تجدید پیدا ہوئی اس اسلامی فقہ کو جو بخارا سے یہاں پہنچی تھی، ہندوستان کے مطابق کرنے کی سعی کی گئی پہلی دفعہ تعلقوں کے عہد میں فتاویٰ تا تار خانہ تیار ہوا، دوسری بار سلطان عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸) کے زمانے میں خود سلطان نے فتاویٰ عالمگیری تیار کرایا۔ اور تمام قلمرو میں اس پر عمل واجب قرار دیا سلطان کے بعد بھی نادر شاہ کے حملے تک (یعنی ۱۱۵۱-۱۱۵۲ تک) یہ قانون ہندوستان میں متبوع رہا ہے۔

یہاں تک ہم نے فقہ حنفی کو سمجھنے کے لئے چند اصول پیش کئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور فقہ

اب ہم شاہ ولی اللہ پر آتے ہیں، شاہ صاحب نے فقہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے پڑھی، اور شاہ عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین میں سے ایک عالم ہیں، ہمارے زمانے میں ہندوستان کے اندر جس قدر علمی تحریکیں مرکزیت رکھتی ہیں وہ سب کی سب ایسے اساتذہ پر ختم ہوتی ہیں جو عالمگیری دور کے ممتاز فرد تھے، شیخ محبت اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹) کی کتابیں اصول اور معقول میں ہمارے یہاں کافی رائج پذیر ہیں، اور ہندوستانی طریقہ تحصیل دوسرے اسلامی ممالک میں انہیں کتابوں کی بدولت ممتاز ہو گیا ہے۔ شیخ محبت اللہ عالمگیری دور کے نامور فاضل تھے، فاضل خان ان کا لقب اور خطاب تھا، شاہ ولی اللہ کی اساسی تربیت فکر یہ میں ہم شاہ عبدالرحیم کو مرکز مانتے ہیں۔

(الف) قرآن شریف کا ترجمہ تفسیروں سے علاحدہ انھوں نے (شاہ عبدالرحیم نے) پڑھانا شروع کیا۔

(ب) وحدت وجود کا مسلح طریقے سے انھوں نے تعلیم دیا۔

(ج) حکمت عملی کو اسلامی علوم میں با وقعت بنانا انہیں کے ارشاد کا نتیجہ ہے۔

یہ چیزیں شاہ ولی اللہ کی تعلیم میں بہت اہم مانی جاتی ہیں لہذا ہم شاہ صاحب کے تمام کمالات کو بھی عالمگیری دور کا ایک نتیجہ بنانا چاہتے ہیں، شاہ صاحب اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۲ سال تک دہلی میں درس دیتے رہے، یعنی جو کچھ انھوں نے اپنے والد سے سیکھا تھا وہ ان کے دماغ میں رائج ہو گیا اس کے بعد وہ حجاز پہنچے اور شیخ ابراہیم کردی کے شاگردوں میں سے شیخ ابوالظاہر مدنی اور شیخ حسن بن علی عجمی (متوفی ۱۱۱۲) کے شاگردوں میں سے شیخ تاج الدین قلعی صحبتوں میں سے مستفید ہوئے شیخ ابوالظاہر شافعی تھے اور شیخ تاج الدین حنفی۔ شاہ ولی اللہ نے حجاز جا کر حنفیہ اور شافعیہ کو ایک درجے پر مان لیا۔

پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام مالک فقہ کے جامع ہیں ان کی شاگردی کے بعد امام شافعی نے حجازی فقہ کو عراقی فقہ کا مقابل بنا دیا امام شافعی کی فقہ کی خصوصیات پر اس موقع پر ہم بحث کرنا

نہیں چاہتے۔ مگر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے جس قدر صوفیہ اور محدثین حجاز میں دیکھے وہ اکثر شافعی تھے۔

اوسر شاہ صاحبؒ یہ بھی جانتے ہیں کہ سلاطین عثمانیہ، سلاطین دہلی کی طرح حنفی ہیں، بنا بریں وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے کہ شافعیت اور حنفیت کے اختلافات پر زیادہ توجہ کریں۔ وہ اسلام کی بین الاقوامی سیاست میں جیسے عرب اور عجم کو مستقل مانتے ہیں (ہر دونے سیاست اسلامیہ کے فرض کو ادا کیا) اسی طرح فقہ شافعیہ کو عرب کی جگہ اور فقہ حنفیہ کو عجم کی جگہ مانتے ہیں کیونکہ فقہ حنفی عجمیوں نے پیدا کی اور یہ ان کے مذاق کے عین مطابق ہے۔

اب شاہ صاحبؒ کی تجدید اور تحقیق یہ ہے کہ وہ فقہ کے ہر دو طریقوں کو امام مالک سے استنباط کرتے ہیں یعنی انھوں نے دو طریقوں میں ایک امر مشترک پیدا کر دیا ہے، جازایوں میں بھی امام شافعی اہل مدینہ کی روایتوں کو مقدم مانتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے ابتدا میں اہل مکہ سے پڑھا۔ بعد ازاں امام مالک کی کتاب پڑھ کر فقہ میں ترمیم کر لی۔

اسی طرح عراقی علما میں سے امام محمدؒ نے پہلے عراقی فقہ کی روایتیں پڑھیں اس کے بعد امام مالک سے موطا پڑھ کر عراقی فقہ میں ترمیم کر لی۔

اس طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی تو مقابل بن گئیں مگر موطا امام مالک ان میں امر مشترک رہا، شاہ ولی اللہؒ یہ امر مشترک واضح طور پر دنیائے اسلام کو سمجھانا چاہتے ہیں، اس کا نتیجہ ہوگا کہ حنفی شافعی صحاحم ختم ہو جائے گا۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجاز پہنچ کر اسناد کے سمجھنے میں فقہ پیدا کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کی پانچ کتابوں میں آپؐ نے موطا مالک کو اصل قرار دیا، صحیحین اور سنن موطا کی متابعات و شواہد ذکر کرنے والی کتابیں نہیں، اس طریق فقہ سے شاہ صاحب کے شاگرد احادیث صحیحہ کو اپنے اجتہاد سے صحیح مان سکتے ہیں۔

جس طرح فقہانے مجتہد منتسب کا درجہ مجتہد مستقل کے ساتھ مان رکھا ہے اگرچہ مجتہد مستقل پیدا ہونے ایک زمانے سے ختم ہو گئے مگر مجتہد منتسب ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور انہیں کے

ذریعے سے فقہ کی تجدید اور تحقیق قائم ہے، اسی طرح شاہ صاحب نے ائمہ محدثین کو مجتہد مستقل کا درجہ دیا اور مجتہد منتسب تیار کرنے کا راستہ موطا مالک کو مقدم مان کر تیار کر دیا۔ اب شاہ صاحب کے اتباع میں سے جو محقق عالم پیدا ہوں گے وہ صحیحین اور سنن ابی داؤد اور ترمذی میں سے صحیح حدیثیں نکالنے پر خود قادر ہوں گے، وہ مذکورہ بالا کتب حدیث کو اسی لئے صحیح نہیں مانتے کہ ان کے مصنف بہت بڑے عالم تھے بلکہ وہ اپنی ذاتی تحقیق اور اجتہاد سے ان ائمہ کی صحیح کو قبول کرتے ہیں۔ علم کے اس مرحلے کی تعمین اور تعلیم کے بعد علم فقہ میں شاہ صاحب کا یہ مسلک قرار پایا کہ صحاح ستہ میں جو حدیثیں صحیح ہیں ان کے موافق جو فقہی عالم فتوے دیتا ہے اسی کو ترجیح دی جائے خواہ شافعی ہو یا حنفی

حجاز پہنچ کر شاہ صاحب کا فقہی مسلک

یہ پہلا درجہ ہے، ان کی فقہی تحقیق کا جو حجاز میں رہ کر انہیں سمجھ میں آئی، وہ عام علما کی طرح اس بات کو قبول نہیں کر سکتے تھے کہ فقط فقہ حنفی تمام مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لئے کافی ہے، اس لئے کہ عربی بولنے والے ممالک عموماً شافعی اور مالکی مذہب رکھتے ہیں، پھر اگر وہ لوگ سلطنت عثمانیہ کے مرکز سے دور ہیں تو وہ فقہ حنفی بہت کم جانتے ہیں مصر اور مغرب اس کی مثالیں ہیں اب شاہ صاحب کا فیصلہ یہ ہوا کہ حنفی، شافعی کو مساوی درجہ پر رکھا جائے اور موطا مالک کو اصل بنا کر کتب حدیث میں جو معروف اور اکثریت کی زیر عمل روایتیں ہیں (یعنی شواذ اور غرائب کو چھوڑ دیا جائے) ان کو انتخاب کر لیا جائے، اس کے مطابق اگر حنفی روایت ہے تو اس کو ترجیح دو، اگر شافعی ہے تو وہ رائج ہے، اگر اس فقہ کو اسلامی مرکز میں قائم کر دیا جائے تو مسلمانوں کا ایک نقطہ پر جمع ہو جانا آسان ہو جائے گا۔

مرکز کی تلاش اور پھر حنفی فقہ کی طرف رجوع

شاہ صاحب پہلے یہی فکر رکھتے تھے کہ شاید ان کا عمل تجدید حجاز میں مستقر ہوگا اور تمام دنیائے اسلام اس کو قبول کر لے گی مگر حجاز میں جا کر حالات کا پورا تتبع کرنے کے بعد، ان کی رائے بدل گئی، اس کی طرف سمجھمات الہیہ میں اشارہ موجود ہے۔

ہند میں فقہ حنفی اور شاہ ولی اللہؒ

اس کے بعد وہ دہلی آئے اور اسی کو مرکز بنالیا، دہلی کے مرکز میں فقہ شافعی کی مطلقاً ضرورت نہیں تھی، ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں حنفی فقہ برسرِ اقتدار رہی، ہم ہندوستان میں اس لئے فقہ حنفی کے خصوصی واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کہ شروع اسلام سے یہاں سوائے فقہ حنفی کے اور کوئی فقہ معلوم ہی نہیں ہوتی، ایران کے اثر سے شیعہ کی حکومت یہاں قائم ہوئی، مگر وہ اسکول ہی علیحدہ ہے، اس سے ہماری بحث نہیں، مسلمانان ہند کی اکثریت حنفی مذہب کی پابند ہے، ہند میں جب اسلام آیا تو یہاں کے ایک بڑے حصے نے اس کو انجی سمجھا، مگر کافی زمانے کے تاثر و تعاون اور بڑی بڑی سلطنتوں اور بڑے حکماء اور صوفیہ کی محنتوں سے ہندوستانی قوم نے اسلام کو اپنی چیز بنالیا، یہ اسلام ان کے قلوب و افہان میں حنفی صورت میں آیا، اس لئے حنفیت ہندوستانی قوم کا قومی مذہب ہے، اب یہاں کوئی مصلح و مجدد اس طرح کبھی کام نہیں کرے گا کہ جہاں حنفیت کی رعایت ممکن ہو وہاں بھی اس کی پرواہ نہ کرے، اس مذہب نے ہندوستان میں اتنا توسع پیدا کر لیا ہے کہ ہر محقق کے لئے حنفیت سے باہر جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، اس کو شاہ صاحب نے ”فیوض الحرمین“ میں ضبط کر دیا ہے اور کئی بار لکھا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا کہ لا تخالف عوام بلاؤک اسی بنا پر ہم نے شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے ایسے لوگوں کو جو حنفی بننا نہیں چاہتے، ہندوستانیت سے خارج کر دیا ہے، انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہندوستانی معاملات میں دخل دیں۔

پھر ان میں بھی دو قسم کے عالم ہیں (۱) جن لوگوں کو شاہ صاحبؒ کے اتباع میں سے حنفی مذہب پر پورا اعتماد نہیں رہا، ان میں سے بعض نے شافعی مذہب اور بعض نے حنبلی مذہب اختیار کر لیا اس کی چند نظائیر شاہ عبدالعزیز اور شاہ اٹحق (متوفی ۱۲۶۲) کے شاگردوں میں پائی جاتی ہیں، یہ لوگ ہندوستانی بن سکتے ہیں، کیونکہ ان کو حنفیت سے خاصیت نہیں مرکز اسلام میں یہ چاروں مذہب اسلام کے مساوی شارح سمجھے جاتے ہیں ایک حنفی کسی شافعی یا حنبلی سے عداوت نہیں رکھتا۔

(۲) مگر ایسے عالم جن کو حنفیت پر اعتماد نہ ہو اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے پابند ہو کر نہ رہ سکیں، ان سے شاہ ولی اللہؒ نے تبری کی ہے ان کو اپنے سلسلہ میں منتسب ہونے کی

اجازت نہیں دیتے، اس لئے ہم ایسے انسانوں کو اپنی تحریک کا قیم بھی نہیں مان سکتے، یہ اصلی دیوبندیت ہے، شاہ صاحب کے علوم سے تباہ کرنا دیوبندیت نہیں ہے۔

حنفیت میں شاہ صاحب کی الہامی تجدید

ہندوستان کے لئے شاہ صاحب کو ایک نئی چیز الہام ہوئی، فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ
انیفۃ ہی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت فی زمان البخاری
واصحابہ وذلك ان یؤخذ من اقوال الثلاثة قول اقربہم بها فی المسئلة، ثم
بعد ذلك یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث،
فرب شی سکت عنه الثلاثة فی الاصول وما تعرضوا لہ فیہ ودلت الاحادیث علیہ
فلیس بد من اثباتہ والکل مذهب حنفی۔

دوسری جگہ میں لکھتے ہیں: ثم کشف لی انموذ جاظہر لی منہ کیفیۃ تطبیق
السنة بفقه الحنفیۃ من الاخذ بقول احد الثلاثة وتخصیص عموماتهم والوقوف
علی مقاصدهم والاعتصار علی ما يفہم من لفظ السنة وليس فیہ تاویل بعید ولا
ضرب ببعض الاحادیث بعضاً والا رفضاً لحدیث صحیح بقول احد من الامة،
وهذه الطریقة ان اتمہا اللہ واکملہا فہی الکبریۃ الاحمر والاکسیر الاعظم
فیوض الحرمین۔ ص ۶۲

اس طریقہ سے شاہ صاحب نے حنفی فقہ میں تجدید کر دی، اب ان کی رائے یہ ہے کہ جس
قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں، ان کے موافق فقہا حنفیہ میں سے کسی نہ کسی کا فتویٰ ضرور ملتا ہے اس
لئے فقہ شافعی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ایک حنفی جبکہ وہ حدیث میں تحقیق کے
درجے پر پہنچ جائے اور اپنی تصحیح شدہ حدیثوں کے موافق فقہ حنفی میں سے روایات منتخب کرے، تو وہ
فقہ واجب الاتباع ہوگی، شاہ عبدالعزیز اس فقہ کے امام ہیں۔

شاہ صاحب بحیثیت مجتہد منتسب

ہم شاہ ولی اللہ کو حنفی اور شافعی ہر دو مذہبوں میں مجتہد منتسب مانتے ہیں جب وہ اپنے آپ کو مرکز اسلام (حجاز) میں تصور کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور شافعی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا جائز سمجھتے ہیں اور جب وہ خود کو ہندوستان میں فرض کرتے ہیں تو اپنے والد کے طریقہ پر فقط حنفی کے مجتہد منتسب امام ہوتے ہیں اس کے متعلق فیوض الحرمین میں ایک تصریح موجود ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، فرماتے ہیں ”نفخ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفخة فبین ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من الامة المرحومة بک فایاک وما قبل ان الصدیق لایکون صدیقا حتی یقول له الف صدیق انه زندق وایاک ان نخالف القوم فی الفروع فانه منافضة لمراد الحق، ثم کشف لی نمودجا الی قوله الاکسیر الاعظم“۔

امام عبدالعزیز دہلوی

امام عبدالعزیز شاہ ولی اللہ کی وفات پر نو عمر تھے، شاہ صاحب کے شاگردوں سے انھوں نے اپنی تکمیل کی، شاہ عبدالعزیز کے خسر شیخ مولوی نور اللہ بڑھانوی شاہ ولی اللہ کے خواص اصحاب میں سے تھے وہ فقہ حنفی کی تحقیق کا طریقہ شاہ صاحب سے سیکھ چکے تھے، شاہ عبدالعزیز نے ان سے اپنی تکمیل کر لی اور پھر اس طریقے پر ہندوستان میں شاہ صاحب کے علوم کو کامیاب بنانے والی جماعت تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں سیاسی تزلزل انتہا تک پہنچ چکا تھا، سلاطین دہلی کے بالمقابل قوت (انگریز) بہت معیض اور چابک تھی، ان کی کڑی نگاہوں کے زیر اثر شاہ عبدالعزیز کو کام کرنا پڑا، اس لئے ان کا مرکز نمایاں نہیں ہے، اور ان کو تھوڑا سا کام کرنے میں لمبا وقت خرچ کرنا پڑا پھر بھی اوّل درجے کے کامیاب علما میں شمار کئے جائیں گے، انھوں نے شاہ صاحب کے نظریہ انقلاب کو کامیاب بنانے والی مرکزی جماعت پیدا کر دی (قلست هم الارکان الاربعة لسنهضه الهندية الامیر الشہید السید احمد البریلوی، الصدر السعید مولانا

عبدالحی الدہلوی، والصدر الشہید مولانا محمد اسماعیل الدہلوی،
والصدر الحمید مولانا محمد اسحاق الدہلوی) اسے ہم شاہ ولی اللہ کی فقہ کی تجدید
مانتے ہیں۔

مشائخ دیوبند

ہمارے اساتذہ دیوبند شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ہم نے ان کا طریق
نہایت تحقیق سے حاصل کیا، ہم افغانستان اور ترکی میں رہے ہمیں فقہا حنفیہ میں اپنے مشائخ سے
بہتر عالم کہیں نظر نہیں آئے، اس کے بعد ہم جاز میں رہے، جہاں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی موجود ہیں
اور حنا بلہ کی حکومت ہے، اتفاقاً وہاں حنفیہ کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا، مگر ہم نے جب اپنا
تعارف شاہ ولی اللہ کے طریقے پر کرایا تو علما حرمین کو ہمارے مسلک سے کوئی خصومت نہ رہی
ہمارے حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم اپنے مسلک کی عمومی تعلیم کا انتظام کر سکتے، مگر خواص علما نے شاہ
صاحب کا طریقہ (تحقیق حدیث اور تحقیق فقہ) ہم سے خصوصی طور پر اخذ کیا، اسے ہم شاہ صاحب
کے طریقے کے بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ شاہ صاحب
کے طریقے کو عام طور پر اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے مگر اس کا سبب ایک سیاسی مقابلہ ہے جس پر ہم
یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے۔

www.KitaboSunnat.com

باب پنجم (تصوف و فلسفہ)

(الف ۱) عام طور پر متصوفین مبادی اخلاق سے اپنا مسئلہ شروع کرتے ہیں انسان کے بدن میں تین عضو ہیں جنہیں علمائے طب اعضائے رئیسہ کہتے ہیں، دماغ، قلب، کبد، ان اعضا رئیسہ کی مرکزی قوتوں کو لطیفہ عقل قلب و نفس کہتے ہیں، پھر ان کی ترکیب و تحلیل سے مختلف حالات اور مقامات پیدا ہوتے ہیں جن سے متصوفین اپنی کتب میں پورے وسط سے بحث کرتے ہیں۔

(الف ۲) شاہ ولی اللہ ان لطائف ثلاثہ سے پہلے ایک لطیفہ جوارح بھی تجویز کرتے ہیں، ان کی عبارت ”الطاف القدس“ میں سے بعینہا نقل کی جاتی ہے۔

در ظاہر شرع کہ مسمیٰ باسلام است مجوٹ عنہ لطیفہ جوارح است، و تحقیق این لطیفہ آسست کہ قلب و عقل و نفس بہ اعتبار تقویم جوارح، و آلہ بودن برائے تکمیل افعال جوارح و فنا در جوارح مسمیٰ بہ لطیفہ جوارح می گردد، و برائے تفہیم این لطیفہ بریں فقیر شترے ظاہر ساختہ، کہ مشرف بر موت بود، غیر از رستے از حیات با و باقی نماندہ و جمیع لطائف ثلاثہ باز رہ اوضعیف گشتہ، اما اور اور قطارے بستہ بودند، و او غیر از رفتن قوتے نداشت، پس تا اخر اتر ہاق روح راہ سے رفت، بعد ازاں ببرد، از رفتن باز ماندنش ہماں و مردنش ہماں، دریں حال آگاہانیدند کہ ایں شتر فانی است در لطیفہ جوارح و مواخذہ اعمال شرائع بر میں لطیفہ است۔ ص ۲۹، ۳۰

(ب ۱) متصوفین کو کہنا پڑتا ہے کہ تعلیم شریعت ایک خاص نصاب رکھتی ہے اور تصوف

و طریقت اس کے ماوراء دوسری چیز ہے اور پھر یہ بھی ساتھ ہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ تصوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہ تھا، اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ حضور کی صحبت میں اتنا نور اور برکت تھی کہ اس علم کی طرف احتیاج ثابت نہیں ہو سکی۔

(۱) ہمیں اس قسم کی فکر میں ایک بین نقص نظر آتا ہے، گویا تعلیم فقہ علیحدہ چیز ہے، اور تصوف اس سے ایک جدا گانہ غیر ضروری امر ہے یعنی جس کا جی چاہے اسے (تصوف کو) اخذ کرے اور اس کی مرضی نہ ہو اس سے سروکار نہ رکھے۔

(۲) پھر آگے چل کر ہم نے دیکھا کہ ایمان بالدارالآخرۃ ان متوفین کی صحبت ہی میں مکمل ہوتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ قرآن عظیم ایمان باللہ کو جس کے ساتھ ایمان بالیوم الآخر نہ ہو قابل اعتماد نہیں مانتا، اس سے ہماری طبیعت میں تشویش پیدا ہوئی کہ جو چیز ایمان بالیوم الآخر پر یقین دلاتی ہے، اس کو کزور کیوں کر دیا گیا۔

(ب ۲) شاہ صاحب کی اس حکمت کو پڑھ لینے کے بعد ہمارا اطمینان ہوا، ہم انسانی زندگی کو وحدت غیر منقسم مانتے ہیں، دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی دو متباہن چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سیر کے مختلف منازل ہیں۔

شاہ صاحب کے لطیفہ جوارح کا مطلب یہ ہے کہ لطائف ثلاثہ بارزہ دورخ رکھتے ہیں، ایک جوارح کی طرف اس کی تکمیل کا ہونا شریعت ہے دوسرا رخ اپنے منبع کی طرف اس کی تکمیل تصوف، طریقت، فلسفہ کہلائے گی، ہر انسان ایک ہی جبلت لے کر نہیں آتا، بعض چیزیں ایک شخص کو شروع زندگی میں سمجھ میں آ جاتی ہیں مگر دوسرے کو کافی زمانہ گزرنے پر ان کا علم حاصل ہوتا ہے اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ ایک انسان اپنی انانیت کا مصداق بدن کو سمجھے اور اس کا فہم لطیفہ جوارح سے آگے نہ بڑھ سکے جیسے عامۃ الناس کی حالت ہے اور دوسرا انسان جو ذکی ہے وہ اپنے افعال جوارح کو عقل، اخلاق اور طبیعت کے اقتضا میں تقسیم کر لیتا ہے وہ انسانیت کے لئے ایک مرکزیت پیدا کر سکتا ہے۔

اس طرح پر شریعت اور طریقت دو چیزیں نہیں ہوں گی بلکہ ایک چیز کے دو رنگ یا ایک

درخت کے دو ٹمر ہیں، ایک پہلا ایک دوسرا، اس طریق پر حیات کی وحدت بھی قائم رہے گی، اور انسانیت میں اختلاف مدارج بھی معقول رہے گا۔

”الطاف القدس“ میں پہلا باب لطیفہ جوارج پر بحث کرنے کے لئے معین ہے، دوسرے باب میں لطائف ثلثہ کے دوسرے پہلو پر بحث ہے، تیسرے باب میں عقل اور قلب کے پہلے بطن پر بحث ہے جو تحفہ میں عقل اور قلب کے بطن البطن پر بحث ہے آخری درجہ پر پہنچ کر انسان کو اس جگہ سے رابطہ پیدا ہوتا ہے جو کائنات کی مرکزی قوت کے آئینہ میں ظاہر ہوئی۔

یہ مباحث مستقل توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں، اس وقت ان پر تفصیل سے بحث کرنا مقصود نہیں۔

جلی الہی کی تشریح سمجھنے کے لئے کتاب سطعات کا پڑھنا لازم ہے اور ادراک انسانی کے تنوع کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ”الطاف القدس“ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے اور اسلام میں تصوف کا فلسفہ تاریخ سمجھنے کے لئے ہمعات کا مطالعہ کرنا چاہئے اور متوفیقین کے طریق کی تفصیل ”انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ میں دیکھنی چاہئے، شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سے جس طرح طریقہ حاصل کیا، اس کی تفصیل قول جمیل میں ملے گی، شاہ صاحب کے والد اور چچا کے سوانح حیات جن کو شاہ صاحب کے فلسفہ اور تصوف کی روح کہنا چاہئے ”انفاس العارفین“ میں مذکور ہیں، اس کتاب کے بعد اگر ”اخبار الاخبار“ از شیخ عبدالحق دہلوی اور ”نجات الانس“ از مولانا جامی کا مطالعہ کیا جائے تو اسلام میں تصوف کی پوری تاریخ سامنے آجائے گی۔

فصل (۲) عجمی اقوام اور فلسفہ اشراق

جیسے ہم نے امام ابوحنیفہ کی فقہ کو ایرانی تہذیب کے مفتوح ہونے کے بعد اسلام کا ایک ضروری جز قرار دیا ہے، اسی طرح ایرانی مسلم کی طبیعت نے جب اپنا پرانا فلسفہ اسلامی رنگ میں لیا تو اس کا نام تصوف ہوا۔

آرین قوموں میں تہذیب کے دو عنصر ہیں (۱) ایک کسی مجتہد کا قانون فقہ جیسے منوجی کا دھرم شاستر، (۲) دوسرا اشراقی فلسفہ، یہ چیز ہند میں بھی تھی، اس کے علاوہ ایران اور یونان میں موجود

تھی، آریں تہذیب کے یہ تینوں مرکز ایک ہی طرح کا فکر رکھتے ہیں، ایران جب مسلمان ہوا تو ان کے مشائی فلاسفوں نے علم کلام پیدا کیا اور ان کے اشراقی حکما نے تصوف مدون کیا یہ چیزیں (مشائیت اور اشراقیت) ان اقوام کی ذہنیت کے لوازم میں سے ہیں۔

جب ان میں شہنشاہی پیدا ہوئی تب کہیں انہیں قانون ضابطہ کی ضرورت کا احساس ہوا، اس کا نتیجہ یہ قانون (لا، فقہ) ہے جو یونان، ایران، ہندسب میں مکتوب اور غیر مکتوب شکل میں پایا جاتا ہے جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو اسلام کی تعلیم کا وہ حصہ جو جوارح کی تہذیب سے متعلق تھا، انھوں نے قانونی شکل میں مرتب کر لیا، اسی کا نام امام احمد ابوحنیفہ کی فقہ ہے، (۲) اس کے بعد تہذیب کا جو حصہ لطیفہ عقل کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نام فلسفہ مشائیت یا علم کلام ہے (۳) اور جو حصہ عقل کے لطن سے متعلق ہے اس کا نام حکمت یا فلسفہ اشراقیت ہے۔

اسلام نے بغداد کے مرکز میں جب ایرانیہ پر پورا قبضہ کیا اور اس کو ابھار کر اسلام کی خدمت کے لئے تیار کیا تو اسی مرکز سے تصوف پیدا ہوا اور اسی طرح فقہ حنفی بھی عراق ہی سے نکلی۔ ہند میں اسلام ایران کے راستہ سے آیا لہذا یہاں فقہ حنفی آئی اور تصوف بھی آیا، بنا بریں ہند میں اسلام کی عظمت قائم کرنے والا کوئی محقق نہ فقہ حنفی سے قطع نظر کر سکتا ہے اور نہ تصوف سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔

ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ ترکی تحریک ایرانیہ سے علیحدہ چیز نہیں ہے، ترک ایرانی تہذیب کے حامل ہو کر حاکم ہوتے رہے، اس لئے دہلی اور استنبول میں وہی تصوف رائج ہوا، جو بغداد میں پیدا ہوا تھا، ہمیشہ مختلف استعدادات کے اثر سے اس (تصوف) کی ظاہری شکل بدلتی رہے گی، مگر معنوں میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

آریں قوموں کو حنبلی طریقے پر نبوت کا قائل بنانا اس پر موقوف ہے کہ ان کے تصوف کی آخر تک اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ وہ نبوت کے سمجھنے کا آلہ بن سکے۔

فصل (۳) آریں اقوام کو سماعی نبوت سمجھانے کا ولی اللہی طریقہ

(ج) فلاسفر، الہیات میں واجب الوجود کو بالاتفاق مانتے ہیں، مگر انسانی حواس کا اس سے

تعلق پیدا ہونا ناممکن سمجھتے ہیں، بخیاں ان کے وہ جسمانیات سے اتنا مجرد ہے کہ انسانی حواس اس کو کسی طرح ادراک نہیں کر سکتے۔

اب دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو لیجئے وہ واجب الوجود کا جو نام سکھائیں جیسے اللہ، لاهوت، لاہ یا ان کے ہم معنی کوئی اور لفظ اس ذات سے دیکھنے اور سننے کا تعلق ضرور پیدا کرتے ہیں، نبوت کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کے حامل نے خدا کی کوئی بات سنی اور وہ اپنے اتباع کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر ان کے طریقے پر کوئی شخص تکمیل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا جس وقت تک اس مسئلہ کا حل اور اس اختلاف کی تطبیق آ رہی تو مومنوں کو نہ سمجھائی جائے وہ اپنی طبیعت سے اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے۔

(ج) شاہ صاحب کے تصوف میں یہی کمال ہے وہ تجلی الہی کا مسئلہ اس طرح سمجھاتے ہیں جس کی ایک طرف تو واجب الوجود سے من وجہ عینیت کی نسبت رکھتی ہے یعنی اس تجلی سے تعلق رکھنے پر کہا جاسکتا ہے کہ ہم اللہ تک پہنچیں گے۔

اور دوسری طرف تجلی اپنے مظہر کے رنگ میں اس طرح رنگین ہو جاتی ہے کہ انسانی عقل اور حواس باطنہ کا ظن اس تعلق پیدا کر سکتا ہے اور اس کے بعد یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو دیکھا یا اس کی بات سنی۔

اس طرح کی تطبیق کے بعد آ رہی فلاسفی (حکمت) اور ساسی نبوت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔

ہم نے جب سے عقلمندوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا مقصد حیات بنایا، وہ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم تو ہمیں اس تحقیق کی اذ حد ضرورت ہوئی، ہم نے نوجوان تعلیم یافتہ کو اس ضرورت پر متنبہ کرنے کے بعد شاہ صاحب کی تصوف کی کتابیں پڑھائیں، تو وہ اس علم کی ویسے ہی ضرورت محسوس کرنے لگے جیسے ایک عامی مسلمان جب نماز کی پابندی کا ارادہ کرے تو کسی فقہ کے سیکھنے کی ضروری سمجھتا ہے۔

فصل (۴) شاہ صاحب کی نظر میں تصوف کی اہمیت اور ضرورت
یہاں ہم شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت نقل کر کے ان کے مسلک کو واضح کر دیتے ہیں

کہ وہ اس تصوف کی کتنی اہمیت مانتے ہیں، تمہیمات الہیہ میں فرماتے ہیں:

”لیس منا من لم تدبر کتاب اللہ ولم یتفہم حدیث بنسبہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من ترک ملازمة العلما اعنی الصوفیۃ الذین لہم حظ من الکتاب والسنة او الراسخین فی العلم الذین لہم حظ من الصوفیۃ، او المحدثین الذین لہم حظ من الفقہ، او الفقہاء الذین لہم حظ من الحدیث اما السجہال من الصوفیۃ والجاهدون للتصوف فاو لائک قطاع الطريق ولصوص الدین فایاک وایاہم، جعلنا اللہ سبحانہ ممن یطیعہ ویتبع رضوانہ ولا یشرک بہ شیئا فانما نحن بہ ولہ والسلام“

دوسرے ملکوں کے علما جو پچھلی صدی میں تجدید کا فکر رکھتے تھے، ان میں سے جن کو شاہ صاحب کے علوم قرآنیہ اور حدیثیہ اور فہمیہ پہنچے، وہ ان کی پوری قدر کرتے رہے، مگر شاہ صاحب کے تصوف کو ماننا ان کے لئے بہت گراں تھا، اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایرانیہ اور ہندیت کے قریب چلے جا رہے ہیں، حالانکہ وہ سامیوں اور آریں قوموں میں ایک تضاد ثابت کرنا اپنے ترفع کے لئے ضروری مانتے ہیں، حجاز میں رہتے ہوئے اس طرح کے لوگوں سے ہمیں کافی واسطہ پڑا، مگر جب ہم نے انھیں ان مقاصد عالیہ پر متوجہ کیا، جو آریں قوموں کو سامی نبوت سمجھانے سے پیدا ہوتے ہیں، اور ان سے انسانیت جس قدر بلندی پر پہنچتی ہے اس کے لئے شاہ صاحب کے تصوف نے راستہ صاف کر دیا ہے تو وہ اس کی قدر کرنے لگے مگر اس پر احاطہ کرنے کے لئے وقت صرف کریں، یہ وسعت قلب ہم نے ان میں نہیں دیکھی، ان لوگوں کی طرف سے جو ہندوستانی مسلمانوں میں پروپیگنڈا ہوا اس میں تصوف قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا، اس طرح وہ ہندوستانی جو پروپیگنڈا کا شکار ہوئے اپنے ائمہ کے کلام سے زیادہ مستفید نہیں ہو سکے۔

فصل (۵) اسلام اور ہندوستانیہ

ہم نے محسوس کیا کہ ایک عرب جیسا اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اسی طرح اپنی عربیت پر فخر کرتا ہے یہی حال ایرانی اور ترک کا ہے، مگر ایک ہندوستانی کو دوسرے ممالک میں جا کر اپنی

ہندوستانیت سے ایک قسم کی نفرت محسوس ہونے لگتی ہے اس لئے کہ وہ اسلام اور اس کی تعلیم کے ائمہ ہندوستان سے باہر ہی مانتا ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ فکر مسلمانوں کے لئے نہایت مضر ہے، مسلمانوں کی اتنی آبادی کسی ملک میں نہیں جتنی ہندوستان میں ہے ان کی ترقی کا سامان جس قدر ہندوستان میں میسر ہے کسی مسلمان کو اپنے ملک میں حاصل نہیں، اس طرح اتنی بڑی قوم ترقی کے راستے سے بھٹک رہی ہے۔

اس کا علاج ہماری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم میں بھی پہلے ہندوستانی ائمہ پر اعتماد کرنا سیکھیں، اس کے بعد ان ائمہ کے شرف کے ساتھ ہندوستانیت محترم ہو جائے گی اور ہندوستانی کو اپنے ملک میں ترقی کرنے کا خیال پہلے درجہ پر ہوگا اور دوسری قوموں سے مل کر ترقی کرنے کا فکر دوسرے درجہ پر آئے گا ہماری سمجھ میں یہی ان کے لئے راہ نجات ہے۔

اسی لئے ہم شاہ ولی اللہ کے علوم کا ہندوستانیوں میں تعارف کرانا ضروری جانتے ہیں ہماری ہندوستانیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسلام شاہ ولی اللہ سے سیکھا جو ہندوستانی تھے دہلوی تھے یہیں پیدا ہوئے یہیں دفن ہوئے۔

فصل (۶) نبوت کی رہنمائی کی ضرورت صرف امور آخرت ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیوی معیشت کا سنوارنا بھی نبوی ہدایات کا محتاج ہے ابن خلدون کی ایک سنگین غلطی پر انتباہ شاہ صاحب کے مکمل فلسفے کو سامنے رکھ لینے کے بعد حجتہ اللہ البالغہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے جیسے انسان کو رویت الہی کے لئے تیار کر دیا، ویسے ہی تہذیب جو ارج کا فرض بھی ادا کیا، انسان کی پوری زندگی کی تہذیب اور اصلاح نبوت کا اولین مقصد ہے۔

اس تین کے بعد ابن خلدون کا یہ نظریہ خود بخود باطل ہو جائے گا کہ انسان کو ضرورت نبوت فقط امور آخرت معلوم کرنے کے لئے ہے، دنیاوی معیشت کا نظام محتاج نبوت نہیں، وہ اس پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ غیر مسلم قوموں میں دنیاوی ترقی موجود ہے، یعنی ان میں نبوت کی روشنی نہیں اس طرح ابن خلدون نے عربی ذہنیت پر بہت برا اثر ڈالا ہے، عرب اس سے بڑھ کر کوئی حکیم

اپنے یہاں نہیں دیکھتے اور وہ انھیں دنیاوی ترقی میں انبیا کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے جس سے وہ باسانی حکما یورپ کے پروپیگنڈا کے شکار ہو جاتے ہیں شاہ صاحب کی حکمت پڑھنے والا اس مصیبت سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

فصل (۷) روحانیت اور اخلاق انسانی کا تعلق اقتصادیات سے شاہ صاحب کی نظر میں شاہ صاحب نے لطیفہ جوارح کو اساس قرار دے کر ہمیں ایک دوسری مشکل سے بھی نجات دلائی ہے عام طور پر تصوف اور فلسفہ اخلاق سے شروع کیا جاتا ہے، اقتصادی ضروریات حیوانی زندگی کے لئے بیشک ضروری مانی جاتی ہیں، لیکن ان کو انسانیت سے سیدھا تعلق نہیں تسلیم کیا جاتا اس نے ہماری سیاست کو کھوکھلا کر دیا ہے ہمارے بڑے عقلمند اور زیادہ بااخلاق سب اجتماعی سیاست سے دور رہنا اپنا کمال سمجھتے ہیں۔

مگر شاہ صاحب اس اصول کو حجۃ اللہ میں متعدد مواقع پر نہایت وضاحت سے سمجھاتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں، انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اس وقت وہ گدھے اور بتل کی طرح صرف روٹی کے لئے کام کریں گے جب انسانیت پر ایسی مصیبت آئے گی تو خدا انسانیت کو اس سے نجات دلانے کا کوئی راستہ ضرور الہام کرے گا، فرعون کی ہلاکت، قیصر اور کسری کی تباہی اسی اصول پر لوازم نبوت میں شمار ہوتی ہے، اس طرح پورا فلسفہ نہایت اعلیٰ طریق پر مرتب ہو جائے گا، انسانی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی نظام ایسا ہونا ضروری ہے جو ان کی ضروریات کو پورا کر دے اور اس کے بعد ان کے پاس کچھ وقت بچ جائے تاکہ وہ اپنے لطائف کی تکمیل پر غور کر سکیں۔

مذکورہ بالا الہام کبھی تو انبیا کے ذریعے سے صورت پذیر ہوتا ہے اور کبھی صدیق اور حکیم کے واسطے سے۔ اقتصادی نظام کی درستی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی اجتماعیت کے اخلاق مکمل ہوں گے اور ان اخلاق کی تکمیل ہی قبر اور حشر کی مصیبتوں سے نجات دلائے گی، پھر ان اخلاق کی تکمیل دوسرے درجہ پر جنت کی نعمتوں سے مستفید کرے گی، اور تیسرے درجے پر جا کر اس کو رویت رب العالمین کے لئے تیار کر دے گی۔

اس فلسفے میں کہیں ظفر نہیں آتا، اگر اسے نبوت کا مقصد قرار دیا جائے، اور جہاں نبوت نہ ہو وہاں انبیاء کے اتباع صدیق اور حکیم ان کا کام کریں تو نبوت انسانیت کے لئے ایک فطری چیز بن جائے گی اور یہی شاہ ولی اللہ کی فلاسفی کی روح ہے جس کا ہم نے یہاں تعارف کرانا چاہا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے ایک موقع پر ”تحدیثِ نعمت“ کے طور پر شاہ محمد عاشق کو (جن کا نام علی ہے) خطاب کرتے ہوئے خوب فرمایا ہے۔

علی! من ے شناسم ایں گہر در ذان حکمت را

فلاطون آہ گرمیدید یونانے کہ من دارم

”وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، لقد جاء ت رسل ربنا بالحق“

الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ﷺ

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا سید محمد فاروق قادری

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۰۳	مقدمہ	۱
۱۰۴	مثالی صورتیں	۲
۱۰۵	چادر مبارک	۳
۱۰۵	حسین کریمین	۴
۱۰۵	تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل	۵
۱۰۶	ایک حدیث کی تشریح	-۶
۱۰۶	شاہ ولی اللہ کا مقام	-۷
۱۰۶	دست پکار دل بہ یار	-۸
۱۰۷	شیخین کی فضیلت	-۹
۱۰۷	مسک فقہ	-۱۰
۱۰۷	مختلف مسالک اور طریقے	-۱۱
۱۰۸	ظاہر کی اہمیت و فضیلت	-۱۲
۱۰۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ ہیں	-۱۳
۱۰۸	وہ دیتے ہیں سب کچھ	-۱۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۰۸	خواب میں بیعت	۱۵
۱۰۹	بال مبارک عطا کرنا	۱۶
۱۰۹	پسندیدہ درود	۱۷
۱۰۹	عالم بیداری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	۱۸
۱۱۰	ہدیے مشترک ہوتے ہیں	۱۹
۱۱۰	مشکل میں دھگیری	۲۰
۱۱۰	جمال محمدی	۲۱
۱۱۱	حیران ہوں آنکھیں بچھاؤں کہاں کہاں	۲۲
۱۱۱	میلا دکا اہتمام	۲۳
۱۱۱	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال	۲۴
۱۱۲	مقام فتاویٰ الرسول	۲۵
۱۱۲	مسجد یا قوت	۲۶
۱۱۲	کیا ہے جوان پہ عیاں نہیں	۲۷
۱۱۳	تمباکو نوشی بارگاہ نبوت میں ناپسند ہے	۲۸
۱۱۳	تمباکو نوشی کو بارگاہ نبوت میں اجازت نہ ملی	۲۹
۱۱۳	علی مرتضیٰ اولیاء اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں	۳۰
۱۱۳	شیخ ابوالرضا کا مقام	۳۱
۱۱۳	بارگاہ نبوت میں شیخ قشاشی کا استغاثہ	۳۲
۱۱۵	اہل نسبت کے مقامات	۳۳
۱۱۶	اہل نظر کے آداب	۳۴
۱۱۷	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت	۳۵
۱۱۷	مصافحہ مبارک کی شان	۳۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۱۸	اللہ کے قریب کون ہے	۳۷۔
۱۱۸	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ فاتحہ پڑھنا	۳۸۔
۱۱۸	سورہ ازازلزلت کی تعلیم بارگاہ نبوت سے	۳۹۔
۱۱۹	سورہ کوثر سماع و قراءۃ	۴۰۔
۱۱۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بخاری پڑھانا	۴۱۔
۱۱۹	حرف آخر	۴۲۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمدؐ و وصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس قدر بلند فرمائی کہ جو بھی خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا، اس نے بلاشبہ آپ ہی کو دیکھا۔ اس نے شیطان کو سرے سے طاقت ہی نہیں دی کہ وہ خواب میں آپ کی شکل اختیار کر سکے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد لا شریک ہے، اسی طرح میں شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد خاص اور رسول ہیں اور شفاعت کبریٰ کا منصب صرف آپ ہی کے لئے مخصوص ہے، درود و سلام نازل ہوں آپ کی ذات اقدس پر اور آپ کے آل اور اصحاب پر جو ہدایت کے ستارے اور پرہیزگاری کے رہنما ہیں۔

کترین خلافت احمد جو ولی اللہ بن عبد الرحیم العری الدہلوی کے نام سے مشہور ہے، عرض کرتا ہے کہ احادیث مبارکہ میں سے یہ چالیس حدیثیں ہیں جو عالم خواب میں یا آپ کی روح مبارک کے مشاہدے کی حالت میں آپ سے روایت کی گئی ہیں، میں نے انہیں اس رسالے میں جمع کر دیا ہے ان میں سے کچھ حدیثیں ایسی ہیں جنہیں کسی واسطے کے بغیر براہ راست ذات اقدس سے میں نے اخذ کیا ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں کہ آپ کی روایت میں میرے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو یا تین واسطے ہیں۔ میں نے اس کا نام الدراثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم تجویز کیا ہے۔

مثالی صورتیں

میں نے خواب میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کہ میں آپ کے حضور حاضر ہوں اور سامنے بیٹھا ہوں، آپ ٹھوڑی مبارک سینہ اقدس پر رکھے مراقبہ کی کیفیت میں ہیں، اس وقت آپ کی تین مثالی صورتیں مجھ پر ظاہر ہوئیں، پہلی مثالی صورت جسم مخروطی ہے اس میں جسم کے دونوں حصے (اوپر نیچے والے) کھلے (چوڑے) تھے، مگر نیچے والا حصہ اوپر والے کے مقابلے میں زیادہ چوڑا نظر آیا دوسری مثالی صورت جسم مطبوع کی تھی گویا جیسے کسی سخت چیز میں لکڑی گڑی ہوئی ہو، تیسری مثالی صورت عود (لکڑی) کی تھی جو زمین میں گڑی ہوئی تھی اس لکڑی پر کسی ٹھوس چیز کی مانند جسم مبارک کی شبیہ تھی۔

اس کے بعد مجھ پر آشکار ہوا کہ پہلی صورت آپ کی نسبت مبارک کی تمثیل ہے، یہ نسبت سفلی جسمانی مراتب اور بلند روحانی مدارج دونوں کی جامع ہے۔ دوسری صورت ان سالکین راہ کی نسبت کی تصویر ہے جن کی نسبت کے لئے صرف اسفل کے قریب قریب کشادگی ہے اور تیسری صورت میں ان مجذوبوں کی نسبت کا اظہار ہے جن کی نسبت کو اعلیٰ کے قرب میں لگاؤ ہے۔

جونہی میں نے ان تینوں صورتوں کے مفہوم اور مراد کو سمجھ لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر قسم فرمایا اور بیعت لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے، میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ میرے زانو آپ کے زانو مبارک سے مل گئے۔ آپ نے مصافحہ فرمایا اور دوبارہ ٹھوڑی مبارک سینہ اقدس پر رکھ کر مراقبہ میں چلے گئے اور آنکھیں بند فرمائیں۔ میں نے بھی آپ کی اتباع میں اپنی ٹھوڑی سینہ

پر رکھی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس دوران میرے دل میں وہ تمام نبیتیں ظاہر ہو گئیں جنہیں میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

چادر مبارک

ایک دفعہ کعبائت کے شہر میں عصر کی نماز کے بعد مراقبہ کی کیفیت میں تھا کہ آپ کی روح مبارک جلوہ گر ہوئی اور مجھے چادر اوڑھائی، اسی دم علوم شریعت کے بعض اسرار و رموز مجھ پر کھل گئے اور پھر یہ سلسلہ ہمیشہ بڑھتا رہا۔

حسین کریمین

میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایسا قلم ہے کی زبان (نوک) ٹوٹی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا، یہ قلم میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ پھر اچانک قلم آپ نے ہاتھ ہی میں روک لیا اور فرمایا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسے درست کر دیں، پھر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے قلم ٹھیک کر دیا تو آپ نے مجھے دے دیا، اتنے میں ایک چادر لائی گئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھاتے ہوئے فرمایا یہ چادر میرے تانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ یہ چادر آپ نے مجھے اوڑھادی، بس اسی دن سے دینی علوم کی تصنیف و تالیف کے سلسلے میں میرا سینہ کھل گیا اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔

تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل

میں نے روحانی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کا مفہوم پوچھا ”کنت نبیا و آدم منجدل بین الماء و الطین“ (میں تو اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی گل گارے میں تھے) تو آپ کی روح مبارک میری روح پر جلوہ گر ہوئی اور مجھے آپ کی وہ مثالی صورت دکھائی گئی، جو عام اجسام میں آنے سے پہلے تھی۔ اس صورت کا فیضان عالم مثال میں جلوہ ریزی کر رہا تھا۔ گویا جس وقت حضرت آدم کا گل گارے سے خیر اٹھایا جا رہا تھا اس وقت آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا عالم مثال میں مکمل ظہور موجود تھا اور اسی ظہور کو آپ نے اس حدیث میں ”میں اس وقت نبی تھا“ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ عالم جسمانی میں جلوہ لگن ہوئے تو آپ کے ساتھ تمام مثالی قوتیں بھی عالم جسمانی میں منتقل ہوئیں، چنانچہ بے حد و حساب علوم ظاہر ہوئے۔

ایک حدیث کی تشریح

میں نے روحانی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی تشریح کے لئے عرض کیا کہ جب کسی نے آپ سے پوچھا، امین کان ربنا قبل ان یخلق خلقه (مخلوق کی تخلیق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا) تو جواباً آپ نے سائل سے فرمایا کان فی عماء مألوفہ ہواء وما تحسہ ہواء وہ ایسے نقابوں (پردوں) میں تھا کہ اس کے سوا کچھ نہ تھا، چنانچہ روح مبارک میری روح پر جلوہ گر ہوئی۔ روح مبارک ایک عظیم نور کی صورت میں تھی اور یہ اس ہیولانی بعد کی عظمت سے بھی بلند تھی جو خطوط شعاعیہ کے ملنے کے تمام مقامات کو محیط ہے۔ پھر کہا گیا کہ یہ نور ہے یعنی یہ وہی جلی ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور بعد ہیولانی وہ عماء ہے اور خطوط شعاعیہ کے احاطہ سے مراد وہ قبر ہے جس کا اشارہ اس ارشاد الہی میں کیا گیا ہے وهو الغاہر فوق عبادہ۔

شاہ ولی اللہؒ کا مقام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقیر کو مخاطب کرتے ہوئے ایک روحانی اشارے میں فرمایا کہ نشاء الہی یہ ہے کہ امت مرحومہ کے تمام ایسے عمدہ خصائل جو ترک کر دیئے گئے ہیں، تمہارے اندر جمع کر دیئے جائیں۔

دست بہ کار دل بہ یار

روحانی طور پر میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے لئے دنیوی اسباب اختیار کرنا بہتر ہے یا ان سے کنارہ کشی کرنا، آپ کی روح مبارک سے میری روح پر ایسا فیضان ہوا کہ شروع میں میرا دل اسباب دنیا اور اولاد سے سرد ہو گیا، تھوڑی دیر بعد ایسی کیفیت کا ظہور ہوا کہ اب میری طبیعت اسباب دنیا کی طرف اور میرا دل فیض حقیقی کی طرف مائل ہے۔

شیخین کی فضیلت

روحانی طور پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت کیوں حاصل ہے، جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نسب کے اعتبار سے افضل، علمی لحاظ سے برتر اور شجاعت کی حیثیت سے اپنا جانی نہیں رکھتے اور پھر تمام صوفیائے کرام کو بھی آپ ہی سے نسبت ہے۔ اس کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میرے دل پر فیضان ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک ظاہری اور دوسری باطنی، آپ کی ظاہری حیثیت کی نمائندگی حضرات شیخینؓ نے اس طرح کی کہ لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے اور شرعی امور و احکام کی تبلیغ وروج میں مصروف رہے۔ گویا اس طرح یہ دونوں خلفا آپ کے جسم مبارک کے جوارح قرار پائے، رہی آپ کی باطنی حیثیت، سو اس کا تعلق فنا و بقا کے مدارج اور آپ سے اخذ کردہ علوم سے متعلق ہے یہ بھی ایک اعتبار سے ظاہری حیثیت کے ضمن میں آ جاتے ہیں۔

مسلمک حقہ

میں نے روحانی طریقہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعہ مسلمک کے متعلق پوچھا مجھے اشارہ کیا گیا کہ یہ مسلمک جھوٹا ہے اور اس کا غلط ہونا لفظ ”امام“ سے ظاہر ہے، اس کیفیت سے واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ واقعی ان کے ہاں ”امام“ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو معصوم ہوتا ہے، اس کی تابعداری فرض ہے اور اس پر باطنی وحی ہوتی ہے، حالانکہ یہی نبی کی تعریف ہے، لہذا اس عقیدے سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

مختلف مسلک اور طریقے

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مذاہب اور طریقوں کے بارے میں پوچھا کہ آپ کے نزدیک ان میں سے کون سا مسلمک یا طریقہ زیادہ پسندیدہ ہے، آپ کی طرف سے میرے دل پر فیضان ہوا کہ یہ مسلمک اور طریقے برابر ہیں، ان میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

ظاہر کی اہمیت اور فضیلت

میں نے دیکھا ہے کہ جو علما اور محدثین اپنے علم پر عمل کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنے ظاہری لطائف (ظاہری شریعت اور اخلاق و اعمال) کو درست رکھتے ہیں، وہ ان صوفیا کے مقابلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسند ہیں، جو اپنے باطنی لطائف کی درستی پر تو بہت زور دیتے ہیں، مگر ظاہری آداب اور لطائف کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ ہیں

ایک دفعہ مجھ پر بھوک کا غلبہ ہوا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس کے لئے کوئی انتظام کر دے، اس دوران میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو دیکھا کہ وہ کھانا ہمراہ لے کر آسمان سے اتر رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ میرے لئے کھانے کا بندوبست کر دیں، چنانچہ آپ نے کھانا مجھے عنایت فرمایا۔ اسی طرح اسی روز پچھلے پہر یا دوسرے روز علی الصبح میری یہ ضرورت پوری ہو گئی۔

وہ دیتے ہیں سب کچھ

ایک رات مجھ پر پیاس کا غلبہ ہوا، ہمارے دوستوں میں سے ایک کو الہام (۱) ہوا کہ دودھ بھرا پیالہ مجھے تحفہ بھجوائے، دودھ آیا تو میں پی کر سو گیا، اس وقت میں با وضو تھا، میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی زیارت کی، آپ نے اشارت فرمایا کہ ”دودھ ہم ہی نے تمہیں بھجوایا تھا۔ تمہارے دوست کے دل میں ہماری طرف سے ہی یہ تقاضا ڈالا گیا تھا۔“

خواب میں بیعت

میرے والد گرامی نے بتایا کہ مجھے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے آپ سے بیعت کی، اور آپ نے مجھے نفی و اثبات کا طریقہ اسی طرح تلقین فرمایا جیسے صوفیائے کرام کا معمول ہے۔ چنانچہ والد گرامی نے مجھ سے اسی طرح بیعت لی اور نفی و اثبات کے ذکر کی تلقین کی، جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بیعت لے چکے تھے اور انہیں

(۱) بمعنی القا (فاسمی)

تلقین کر چکے تھے۔

بال مبارک عطا کرنا

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں بیماری کی حالت میں تھا۔ مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے پوچھا ”بیٹے! تمہارا کیا حال ہے؟“ یہ کہہ کر آپ نے بیماری سے شفا یابی کی خوش خبری دی اور داڑھی مبارک کے دو بال عنایت فرمائے میرے والد گرامی اس وقت تندرست ہو گئے اور نیند سے بیدار ہوئے تو ان کے پاس دو بال موجود تھے، چنانچہ آپ نے ان میں سے ایک بال مبارک مجھے دیا، جواب تک میرے پاس موجود ہے۔

پسندیدہ درود

میرے والد گرامی نے مجھے یہ درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ اللھم صل علی محمد النبی الامی و آلہ و بارک وسلم اور آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں یہ درود پڑھا، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔

عالم بیداری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

میرے والد گرامی نے بتایا کہ میرے شیخ عبداللہ قاری (۱) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے قرآن مجید ایک ایسے پرہیزگار قاری سے حفظ کیا، جو بیابان میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ہم قرآن مجید کا ورد کر رہے تھے کہ اچانک اہل عرب کی ایک جماعت آگئی۔ آگے آگے ان کا سردار تھا انھوں نے قاری (ہمارے استاد) کی قرات سنی تو سردار نے کہا بارک اللہ تم نے قرآن مجید کی قرات کا حق ادا کیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چل کھڑے ہوئے۔ اتنے میں اسی شکل و شبابت کا ایک اور شخص آگیا، اس نے بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ رات فرمایا تھا کہ ہم فلاں جنگل میں قاری سے قرآن مجید کی قرات سننے جائیں گے، چنانچہ ہم نے سمجھ لیا کہ جو سب سے آگے آئے تھے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہ (استاد) کہنے لگے بلاشبہ میں نے اپنی ان ظاہری آنکھوں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

(۱) مشہور قاری تھے، آپ کا ذکر انھاس العارفین میں موجود ہے۔ (قلمی)

ہدیے مشترک ہوتے ہیں

میرے والد گرامی نے فرمایا کہ ابتدائے طلب میں میں نے مسلسل روزے رکھنے کا ارادہ کیا۔ پھر علما کے اختلاف کی بنا پر کچھ تردد ہوا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کی، خواب میں آپ کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہدیہ میں سب شریک ہوتے ہیں آپ کی طرف بڑھا، تو آپ نے روٹی سے ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی بات دہرائی کہ ہدیہ مشترک ہوتا ہے چنانچہ میں آپ کے روبرو حاضر ہوا تو آپ نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہدیے سب کے لئے ہوتے ہیں، میں نے عرض کیا اگر ساری روٹی آپس میں بانٹ لی تو میرے پاس کیا بچے گا؟ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رک گئے۔

مشکل میں دستگیری

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں مجھے سفر کا اتفاق پڑ گیا۔ راستے کی تکلیف اور روزے نے بے حال کر دیا، اس دوران جو نمی آنکھ لگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جمال جہاں آرا سے مشرف فرمایا اور نہایت لذیذ کھانا مجھے عنایت فرمایا، جو چاول، حلوے، گھی اور خوشبودار چیزوں پر مشتمل تھا، میں نے پیٹ بھر کر کھایا، پھر آپ نے ٹھنڈا پانی عطا فرمایا، میں نے سیر ہو کر پیا، آنکھ کھلی تو بھوک تھی نہ پیاس، البتہ ہاتھ زعفران کی خوشبو سے معطر تھے۔

جمال محمدی

میرے والد گرامی نے بتایا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بچپن انا اصلاح و احسی یوسف اصبح، میں ملیح ہوں جبکہ میرے بھائی یوسف علیہ السلام صبیح تھے۔ مجھے اس کے معنی و مفہوم میں پریشانی ہوئی، اس لئے کہ صباحت کے مقابلے میں ملاحت عاشقوں کے لئے زیادہ بے قراری کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں مصر کی عورتوں کا ہاتھ کاٹ لینا اور بعض لوگوں کا جمال یوسفی کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو جانا ایک امر

واقعہ ہے، مگر ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہیں، تردید کے دوران مجھے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے اس بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے غیرت کی بنا پر میرا حقیقی جمال لوگوں سے مخفی رکھا ہے، اگر میری اصلی حسن و جمال ظاہر ہو جائے تو لوگ اس سے کہیں زیادہ کرگزریں، جو انھوں نے حسن یوسفی کو دیکھ کر کیا تھا۔

حیران ہوں آنکھیں بچھاؤں کہاں کہاں

میرے والد گرامی نے بتایا کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اس دوران مجھ پر اللہ کی طرف سے عطا کردہ آپ کے بعض ایسے کمالات ظاہر ہوئے جنہیں دیکھ کر میں آپ کے سامنے سجدے میں گر گیا۔ آپ نے انگلی مبارک دانتوں میں دبائی اور مجھے سجدے سے منع فرمایا۔

میلا دکا اہتمام

میرے والد گرامی فرماتے تھے کہ میں یوم میلا کے موقع پر کھانا پکوا کر تا تھا، اتفاق سے ایک سال کوئی چیز میری نہ آسکی کہ کھانا پکواؤں، صرف بھنے ہوئے پننے موجود تھے، چنانچہ یہی پننے میں نے لوگوں میں تقسیم کئے، خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، یہی پننے آپ کے سامنے رکھے ہیں اور آپ نہایت خوش اور سرور دکھائی دے رہے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زیارت کی۔ میں نے آپ سے اپنی قلبی نسبت کے بارے میں پوچھا کہ کیا میری نسبت بھی اسی انداز کی ہے، جو آپ حضرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت عالیہ میں حاصل فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا اپنے دل کی طرف توجہ کرو اور اپنی نسبت کا استحضار کرو، جو نبی آپ نے اپنی نسبت کو بیدار کیا آپ نے فرمایا ہاں ہاں، یہی ہے۔

مقام فتانی الرسول

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے مجھ پر اپنا تصرف فرمایا تو میں تمام مقامات طے کر کے ایسے مقام پر پہنچ گیا، جس سے آگے سوائے نبی کے اور کسی کا گزر ممکن ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری روح کو اپنی روح مبارک کے جلو میں لے لیا۔ اس پرواز میں میں نے آگ کا ایک دریا دیکھا۔ پھر مجھ پر صبر، توکل اور اس قسم کے دوسرے طے شدہ مقامات ظاہر ہونے لگے، گویا اصلی مقامات یہی تھے اور جو کچھ پہلے گزرا وہ فروغی منزلیں تھیں۔

مسجد یا قوت

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی مسجد میں تشریف فرما ہیں جو یا قوت کی طرح شفاف ہے، اس کا اندرونی حصہ باہر سے صاف نظر آ رہا ہے۔ صحابہ کرام اور اولیائے عظام حلقہ کئے آپ کے پاس بیٹھے ہیں۔ میں دروازہ پر پہنچا تو حضرت سید عبدالقادر جیلانی اور شیخ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ دونوں میری طرف بڑھے، حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اس پر میرا حق زیادہ ہے، اس لئے کہ اس کے آباؤ اجداد میرے ہی طریقے سے مسلک تھے۔ حضرت شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ میرا حق اس پر زیادہ قائم ہے، اس لئے کہ اس کی تربیت اپنے نانا کے پاس ہوئی ہے اور ان کا تعلق میرے سلسلے میں تھا۔ پھر دونوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ پہلے شیخ بہاء الدین میری تربیت کریں اس کے بعد حضرت سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ جو چاہیں فیض عطا فرمائیں۔ چنانچہ شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ مجھے مسجد میں لے گئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بٹھا دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مراقبہ سے) جو نبی، چشم مبارک کھولی تو سب سے پہلے مجھ پر نظر ڈالی۔

کیا ہے جو ان پہ عیاں نہیں۔

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک شخص جو اپنے آپ کو سید بتاتا تھا، مجھے اس کے نسب کے

بارے میں شک تھا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چار پائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور وہ شخص آپ کی چار پائی کے نیچے سو رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر یہ صحیح المنسب نہ ہوتا تو اس مقام پر نہ ہوتا۔

تمباکو نوشی بارگاہ نبوت میں ناپسند ہے

میرے والد گرامی نے فرمایا کہ ہمارے دوستوں میں سے ایک شخص خود تمباکو نوشی (حقہ وغیرہ) نہیں کرتا تھا مگر اس نے مہمانوں کے لئے یہ انتظام کر رکھا تھا، چنانچہ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی (خواب میں یا بیداری میں اس کا صحیح علم نہیں ہے) دیکھا کہ آپ اس کی طرف تشریف لارہے ہیں، پھر اچانک آپ نے رخ پھیرا اور واپس چل دیئے۔ اس کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مبارک تیز تیز اٹھانے شروع کئے تو میں پیچھے دوڑا اور عرض کیا حضور! میرا قصور کیا ہے؟ فرمایا تیرے گھر میں حقہ ہے اور یہ ہمیں ناپسند ہے۔

تمباکو نوشی کو بارگاہ نبوت میں اجازت نہ ملی

میرے والد گرامی نے بتایا کہ دو شخص صالحین میں سے تھے، ان میں سے ایک عابد بھی تھا اور عالم بھی، جبکہ دوسرا عالم نہ تھا مگر عابد تھا، دونوں نے ایک ہی رات ایک ہی وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، عابد کو تو مجلس مبارک میں باریابی کی اجازت ملی مگر (عالم و عابد) کو اذن نہ ملا، عابد نے وہاں پر موجود لوگوں سے عالم کو اجازت نہ ملنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ عالم تمباکو نوشی کرتا تھا اور تمباکو بارگاہ نبوت میں پسند نہیں ہے۔ صبح ہوئی تو یہ عابد عالم کے پاس پہنچا، دیکھا کہ رات کے واقعے کی بنا پر رو رہا ہے، عابد نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت نہ ملنے کا سبب بتایا، چنانچہ اس نے اسی وقت حقہ نوشی سے توبہ کی، دوسری رات دونوں نے اسی صورت میں پھر زیارت کی، اب کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کو بھی باریابی کی اجازت بخشی اور اپنے قرب سے نوازا۔

علی مرتضیٰ اولیاء اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں

میرے عم محترم نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسے راستے پر

چل رہا ہوں جہاں کوئی اور موجود نہیں ہے۔ اچانک ایک شخص نے مجھے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا اور فرمایا اے ست رو! میں علی ہوں، مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تمہیں ان کی خدمت میں لے چلوں، ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے لیا اور پھر اپنا ہاتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو پیش کرتے ہوئے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہاتھ ابوالرضا محمد کا ہے، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمانے لگے کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ (یہ) لفظ بول کر آپ نے تیری طرف (شاہ ولی اللہ کی طرف اشارہ فرمایا) کے درمیان واسطہ ہوں اس کے بعد آپ نے مجھے ذکر واذکار تلقین کئے۔

شیخ ابوالرضا کا مقام

میرے عم محترم نے بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ برابر مجھے اپنا قرب عطا فرماتے گئے، یہاں تک کہ میں آپ ہی کا وجود ہو گیا (یعنی میرا وجود مٹ گیا یہ فانی الرسول کا مقام ہے)

بارگاہ نبوت میں شیخ قشاشی کا استغاثہ

مجھے شیخ ابوطاہر نے شیخ قشاشی کے حوالے سے بتایا کہ ایک دفعہ شیخ قشاشی نے اپنی کسی مشکل کے حل کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں فریاد لکھی۔ اس استغاثے کا مضمون کچھ اس طرح تھا، یا رسول اللہ! آپ مجھ سے زیادہ قریب ہیں یا یہ (استغاثہ)؟ آپ کے اس قرب کے صدقے جو مجھے حاصل ہے میرے دور ہونے سے پہلے آپ نے میری دہگیری کی اور اسی قرب کے طفیل میری تمام دینی و دنیاوی مشکلیں آسان ہوئیں۔ اور کون ہے جو مجھے آپ سے زیادہ محبوب ہے؟ چھ ماہ گزرے تو سید محمد بن علویؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے فرمایا احمد قشاشیؒ کو ہمارا سلام اور ہماری شفاعت کی خوشخبری پہنچا دو۔ دوسری رات انہیں پھر زیارت نصیب ہوئی تو آپ نے فرمایا احمد قشاشیؒ کو ہمارا سلام پہنچا دو اور کہو کہ وہ بہشت میں ہمارے ساتھ رہے گا۔

اہل نسبت کے مقامات

مجھے شیخ ابو طاہر نے شیخ احمد نخعیؒ کے حوالے سے بتایا، شیخ احمد نخعیؒ کا بیان ہے کہ شیخ عیسیٰ بن کنان خلوتیؒ نے مجھے حکم دیا کہ میں مکہ مکرمہ میں ان کی جانشینی کے فرائض انجام دوں تاکہ طریقہ خلوتیہ کے بزرگ تہجد کی نماز کے بعد میرے پاس منع ہو کر ان کی تلقین کردہ اوراد و وظائف پڑھا کریں، صورت یہ تھی کہ میرا ولی میلان سلسلہ نقشبندیہ کی طرف تھا، دوسری طرف شیخ عیسیٰ کی حکم عدولی بھی مجھ پر گراں تھی، میں بہت پریشان ہوا۔ چنانچہ میں نے استخارہ کیا اور استخارہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو وسیلہ بنایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی سال مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف فرمایا، میں جو فی مدینہ منورہ پہنچا، جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر آپ کے سر ہانے کی طرف سے اس دروازے کے سامنے موجود ہوں، جو محراب اور قبر انور کے درمیان واقع ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفاء کرام قبلہ کی طرف مسجد نبوی کے اس حصے میں تشریف فرما ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعد میں شامل کیا تھا۔ میں تیزی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے بڑھا، پہلے میں نے آپ کے ہاتھ چومے پھر باری باری خلفاء اربعہ کی دست بوسی کی، فارغ ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے مجھے پکڑا اور روضہ مقدسہ کی طرف لے چلے، خلفاء اربعہ بھی ساتھ ساتھ تھے، میں نے دیکھا کہ قبر انور کے سر ہانے، پہلی صف کے برابر ایک نیا خوبصورت مصلیٰ بچھا ہوا ہے جیسا کہ عموماً محراب مساجد میں بچھایا جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیخ تاج کا مصلیٰ ہے اس پر بیٹھ جاؤ۔

حضرت شیخ تاج رحمۃ اللہ علیہ (اللہ ان کے ذریعے ہمیں دنیا و آخرت میں فائدہ مند کرے ولی اللہ اور عارف باللہ تھے۔ آپ ۱۰۳۰ھ تک مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر رہے، آپ نے خاصا طویل عرصہ وہاں گزارا اور بالآخر مکہ مکرمہ ہی میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ احمد نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے

مرشد ہیں مگر یہ میرے لئے آپ کی طرف سے خصوصی مسند ہے۔ شیخ احمد نخعیؒ نے شیخ ابوطاہر کو خرقہ پہنا کر اجازت عطا فرمائی اور شیخ ابوطاہرؒ نے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو خرقہ پہنا کر اجازت بخشی۔ اہل نظر کے آداب

مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے بتایا، انھوں نے کہا مجھے خبر دی شیخ احمد نخعیؒ نے انھوں نے فرمایا مجھے خبر دی ہمارے شیخ السید السند احمد بن عبدالقادرؒ نے انہیں بتایا شیخ جمال الدین قیروانیؒ نے، انہیں اطلاع دی ان کے مرشد یحییٰ خطابؒ ماکئیؒ نے، انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ہمارے چچا شیخ برکات خطابؒ ماکئیؒ نے، انہیں خبر دی ان کے والد نے انہیں اطلاع دی ان کے والد شیخ محمد عبدالرحمن الخطابؒ نے، جو شارح ہیں، ”مختصر الخلیل“ کے ان کا بیان ہے کہ ہم اپنے شیخ عارف باللہ عبدالمعطلی التونسی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم روضہ مقدسہ کے قریب پہنچے تو پایادہ ہو گئے۔ ہمارے شیخ عبدالمعطلی رحمۃ اللہ علیہ چند قدم اٹھاتے، پھر رک جاتے، الغرض وہ اسی کیفیت میں روضہ مقدسہ پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے کچھ ایسی باتیں کہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتھیں۔ واپس پلٹے تو ہم نے شیخ سے رک رک کر چلنے کی وجہ پوچھی، انھوں نے فرمایا، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت طلب کرتا تھا، اجازت ملتی تو قدم اٹھاتا، ورنہ رک جاتا، اسی طرح میں بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا، میں نے آپ سے پوچھ لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخاری نے آپ سے جو حدیثیں روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، فرمایا صحیح ہیں، میں نے عرض کیا، میں آپ سے وہ حدیثیں روایت کروں، فرمایا شوق سے، چنانچہ شیخ عبدالمعطلی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محمد خطابؒ کو یہ اجازت عطا فرمائی، پھر ان میں ہر ایک دوسرے کو اجازت دیتا رہا۔ چنانچہ شیخ احمد بن عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نخعیؒ کو اس سند کے ساتھ روایت کرنے کی اجازت دی۔ شیخ نخعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوطاہرؒ کو اجازت بخشی اور شیخ ابوطاہرؒ نے مجھے اجازت عطا فرمائی۔

میں نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ہاتھ سے اسی سند کے ساتھ، انہی الفاظ میں یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ شیخ عبدالمصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے

زیارت سے فارغ ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری اور مسلم دونوں کتابوں کی احادیث کی صحت سے متعلق پوچھا، آپ نے دونوں کی تصدیق کی اور دونوں کی روایت کی اجازت عطا فرمائی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت

مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے بتایا، انہیں شیخ احمد غزالیؒ نے خبر دی، انہیں بابلی نے بتایا، انہیں سالم نے بتایا، انہوں نے نجم غلی سے روایت کی، انہوں نے شمس محمد بن محمد بن العثماني کی زبانی بیان کیا کہ میں نے خواب میں مکہ مکرمہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے سورہ نحل کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سورہ نحل اور تمام قرآن مجید کی اجازت عطا فرمائی، شیخ ابوطاہرؒ نے مجھے یہ اجازت بخشی۔ مصافحہ مبارکہ کی شان (۱)

مشابکہ کیا مجھ سے سید عمر بن بنت شیخ عبداللہ بن سالمؒ نے، انہوں نے کہا مشابکہ کیا مجھ سے میرے دادا نے، انہوں نے کہا مجھ سے مشابکہ کیا شیخ محمد بن سلیمانؒ نے اور انہوں نے کہا بلاشبہ جس نے مجھ سے مشابکہ کیا وہ جنت میں داخل ہوا اس لئے کہ یہ کہہ کر میرے ساتھ مشابکہ کیا میرے مرشد جزائریؒ نے اور یہی بات کہہ کر مشابکہ کیا ان سے ابو عثمان مقرئؒ نے، اور اسی طرح مشابکہ کیا ان سے ابو سالم تازیؒ نے، انہوں نے سید صالح زوماویؒ سے، انہوں نے عزالدین بن جماعتؒ سے، انہوں نے شیخ محمد شیریںؒ سے، انہوں نے شیخ سعد الدین زعفرانیؒ سے، انہوں نے اپنے والد محمود زعفرانیؒ سے، انہوں نے ابوبکر سواحیؒ اور ناصر الدین علی بن ابوبکر ذوالنون ملطیؒ سے، ان دونوں نے محمد بن اسحاق القنویؒ سے، انہوں نے شیخ اکبر محمد بن الدین بن عربیؒ سے، انہوں نے شیخ احمد بن مسعود شذاد المقرئ موصلیؒ سے، انہوں نے شیخ علی بن محمد الحاکمی الباصریؒ سے، انہوں نے شیخ ابوالحسن باغوزائیؒ سے مشابکہ کیا، شیخ ابوالحسن کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں ڈالتے ہوئے فرمایا اے علی!

(۱) یہ مصافحہ کی ہی قسم ہے اس میں دونوں ملنے والے محبت کی بنا پر ایک دوسرے کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیتے ہیں اور اس طرح باتیں کرتے رہتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ کرم کسی کو یہ شرف بخشے ہوئے کچھ فرمایا تو یہ سنت آج چلتی رہی اسے مشابکہ کہتے ہیں۔

مجھ سے مشابکہ کر! جس نے مجھ سے مشابکہ کیا وہ جنت میں داخل ہوا، جس نے مجھ سے مشابکہ کرنے والے سے مشابکہ کیا، وہ جنت میں داخل ہوا اور اس طرح آپ نے سات تک گنا، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، میں نے دیکھا کہ میری انگلیاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں تھیں۔ شیخ تازی نے فرمایا کہ جو کوئی کسی سے مشابکہ کرے، یہی کہے کہ مجھ سے مشابکہ کر جس نے مجھ سے مشابکہ کیا وہ جنت میں داخل ہوا۔

اللہ کے قریب کون ہے (۱)

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردیؒ سے انھوں نے شیخ احمد قشاشیؒ سے اور انھوں نے اپنے مرشد بھائی شیخ رحم القلعہ دی میقاتیؒ سے، ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے شیخ احمد شاوئیؒ کے ہمراہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوا، ہم نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ میرے شیخ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے قریب ترین کون شخص ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جو اپنی ذات و صفات کو اس کی ذات و صفات میں فنا کر دے، میں نے کہا بالکل یہی خلاصہ ہے اس حدیث قدسی کا جس میں فرمایا گیا فاذا احببہ بہ کنت سمعہ الذی یسمع بد (الخ) اور جب میں اپنے بندے سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ (الحدیث)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ فاتحہ پڑھنا

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ میں نے قشاشیؒ سے سورہ فاتحہ، اور سورہ بقرہ کا ابتدائی حصہ، اسی طرح پڑھا جس طرح انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔

سورہ اذانزلت کی تعلیم بارگاہ نبوت سے

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ میں نے سورہ اذانزلت

(۱) مشافہہ بھی مشابکہ کی طرح روایت حدیث کی ایک قسم ہے اس کا مطلب ہے کہ بیان کرنے والا سننے والے کے سامنے بیٹھ وہ حیثیت اور کیفیت اختیار کرے جو اس نے روایت کے وقت اپنے شیخ کی حالت دیکھی ہے۔

فقیر مصری شیخ تقی الدین عبدالباقی الخلیلیؒ سے اسی طرح پڑھی، جس طرح انھوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی اور سنی۔

سورہ کوثر سماعاً و قراءۃً

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ میں سورہ کوثر کو سماعاً اور قرءۃً (پڑھنا اور سننا) عارف باللہ شیخ محمد بن محمد الدمشقیؒ سے اس طرح روایت کرتا ہوں جس طرح خواب میں انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی، سنی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بخاری پڑھانا

مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے بتایا، انہیں ان کے والد نے خبر دی، انہیں قشاشیؒ نے بتایا، انہیں شادویؒ نے اطلاع دی انہیں ان کے والد نے خبر دی، انہیں شعر اوئیؒ نے خبر دی، انہیں شیخ الاسلام زکریاؒ نے بتایا، انہیں شرف الدین ابوالفتح المرائیؒ نے خبر دی، انہیں شرف الدین اسماعیل الجبرقی الزہیدیؒ نے بتایا، انہیں علی بن عمر الوائلیؒ نے بتایا، انہیں شیخ محقق محمد بن علی بن عربیؒ نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں ہوں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم باب البجہاد اور باب المحرورہ کے درمیان محمد بن خالد الصلانیؒ الصدنیؒ التستائیؒ کو بخاری پڑھا رہے ہیں، مجلس برخاست ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی کی طرف منہ کرتے ہوئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ! ہم نے اچھی باتیں سنیں اور ہمیں آگاہی ہوئی، ہمیشہ ہمیں سکون و عافیت عطا کر، ہمارے دلوں کو پرہیزگاری کی دولت عطا فرما اور ہمیں ان باتوں کی توفیق دے جن پر تورا ضی ہے۔

یہ بیہشوات میں سے چالیس حدیثیں ہیں جنہیں ہم نے اس مختصر سے رسالے میں جمع کر دیا ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہوا ہے۔

حرف آخر

میرے والد گرامی نے بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں حضرت زکریا علیہ السلام کی زیارت کی۔ آپؑ نے طریقہ نقشہ بند یہ کے مطابق مجھے اسم ذات کے ذکر کی تلقین کی، چنانچہ جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے انہیں تلقین کی تھی میرے والد گرامی نے مجھے تلقین کی۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں، نوبت گالی گلوچ تک پہنچی۔ ان کی صورت خنزیر کی شکل کے ایک جانور کی مثال نمودار ہو گئی، میں لاپٹی اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑا تاکہ اسے مار ڈالوں اس نے مجھے دیکھ کر کہا اگر تم مجھے مارو گے تو میری برائی اور شر کی قوت مجھ سے بدرجہا بدتر جانور کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ میں مرعوب ہو گیا اور میں نے حضرت لوط علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ نے کرم فرمایا مجھ سے گفتگو کی تو میرا خوف جاتا رہا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ (انبیاء و رسل) مخلوق کو ہمیشہ فتنہ انگیزی اور شر و فساد سے روکتے آئے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے کہ جب ایک دفعہ شروع ہو جاتی ہے تو پھر ہمیشہ کسی نہ کسی شکل و صورت میں چلتی رہتی ہے، اس پر یہ رسالہ مکمل ہوا اول و آخر ظاہر و باطن ہر حال اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر ہے۔

یہ رسالہ اللہ تعالیٰ کی امداد سے تکمیل کو پہنچا۔ درود و سلام ہوں اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو خواب کی خوشخبری اور عذاب کی وعید لے کر آئے ہیں اور ان کے صدقے ان کی آل اور اصحاب پر جن کے ساتھ نرمی اور سہولت کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو اب دانش و بینش ہیں۔

مکتوب مدنی

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا محمد حنیف ندوی

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

مکتوب مدنی

عبد ضعیف احمد ولی اللہ بن عبد الرحیم عفی اللہ عنہ کی طرف سے آفندی اٹھیل بن عبد اللہ الرومی ثم المدنی (۱) کی طرف اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نیک امیدوں اور خواہشوں میں کامرانی عطا کرے۔

اما بعد! میں اس اللہ کی حمد و ستائش کا تحفہ تمہاری طرف ارسال کر رہا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے برگزیدہ رسول اور اس کے صحابہ و آل پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔ تمہارا وہ مکتوب مجھے ملا ہے جس میں تم نے وحدت الوجود کے اس تصور کے بارے میں دریافت کیا ہے جس کو شیخ اکبر اور اس کے اتباع نے پیش کیا ہے اور وحدت شہود کی اس تشریح کی وضاحت چاہی ہے جس کا ذکر مجدد الف ثانی نے کیا ہے، تم نے یہ بھی پوچھا ہے کہ آیا دونوں بزرگوں کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر زمانہ اور ہر قرن میں علم کی کچھ نوعیتیں ہوتی ہیں جن سے اس دور کے بزرگوں کو بہرہ مند کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقسیم رحمت کا یہ خاص انداز ہے، یہ حقیقت اس وقت تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں رہے گی جب تم غور و فکر کو اس نکتہ پر مرکوز کرو گے کہ ہمارے اسلاف کے سینے کیونکر اس وقت الہام حق کے آشیانے بنے جب کہ علوم شرع کی تدوین نہیں ہو پائی تھی اور فنون مرتب نہیں ہوئے تھے، اور ان معارف سے متعلق بحث و تحقیق کے

(۱) مکتوب الیہ نے حضرت شاہ صاحب سے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مابین فرق واضح کرنے کے سلسلہ میں استفسار کیا تھا، حضرت شاہ صاحب نے اس کا مفصل جواب دیا تھا۔ (قلمی)

پیانے بھی حرکت میں نہیں آئے تھے۔ ان حالات میں ان امور سے متعلق لب کشائی کرنا یقیناً اس کی حکمت کی وجہ سے تھا۔

موجودہ دور میں اللہ تعالیٰ کی ارزانی لطف کا یہ تقاضا ہے کہ اسلاف کے جملہ علوم و معارف کا ہمارا دل و دماغ مخزن قرار پائے، قطع نظر اس کے کہ ان کا تعلق منقول و معقول سے ہے یا مکشوفات سے، اور پھر اس کی توفیق و مدد کے بل پر انہیں اس طرح تطبیق و توافق کے مواقع پیدا ہوں کہ اختلاف رائے کے بادل چھٹ جائیں اور ہر قول کا ایک صحیح حل متعین ہو جائے۔

یہ ہے ان مسائل سے نمٹنے کی ایک اساس، اس کی روشنی میں فقہ، کلام اور تصوف وغیرہ کے اختلافات کو دور کیا جاسکتا ہے، جنہیں معلوم ہونا چاہئے کہ حق، جیسا کہ حضرت خضرؑ نے کہا ہے، ایک بحرِ خار ہے جس کا نہ آغاز ہے نہ انتہا، اور جو لوگ اس میں اترتے ہیں اور اس کے متعلق بات چیت کرتے ہیں ان کی مثال اس سوئی کی سی ہے جو اس میں غوطہ زن ہوئی۔ ظاہر ہے اس بے پایانی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ یا ان کی مثال ان چیزوں کی سی ہے جنہوں نے سمندر کے پانی سے پیاس بجھائی اور پھر آؤ گئیں۔ گویا حق کے بارے میں ان لوگوں کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ انہوں نے صرف جزوی جمال ہی کی نشاندہی کی ہے۔

وعلیٰ تفتن و اصفیہ بوصفہ

یفسی الزمان و فیہ مالم یوصف

(اس کی مدح و ثنا کرنے والوں کی گونا گونی کے باوجود زمانہ ختم ہو جائے گا، مگر اس کی مدح کے تمام پہلو واضح نہ ہو سکیں گے) اس صورت میں سننے والے مختلف گروہوں میں بٹ جاتے ہیں، اب جس نے ہر ایک اشارے کے صحیح صحیح حل کو پایا اور اس مقام کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا جس کے متعلق خبر دی گئی ہے وہ تو مفہوم و معنی کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس نے ہر قول کی مناسب تشریح پر قدرت حاصل کر لی اور جس کو عبارات کے اختلافات اور اشارات کی بوقلمونیوں نے خوف زدہ کر دیا اور وہ اس لائق نہ ہو سکا کہ اختلاف کی اصل نوعیت سے آگاہی حاصل کر لے وہ گویا الجھاؤ اور انتشارِ فکر کی حیرت زانیوں میں گم ہو کر رہ گیا، ان لوگوں کا حال ان اندھوں سے مختلف نہیں جنہوں نے کسی درخت کو گھیر لیا اور اسے چھوا، گرفت میں لیا اور چکھا، ان میں بعض کے حصے میں تو

صرف پتے ہی آئے، بعض نے آگے بڑھ کر ٹہنیوں تک رسائی حاصل کر لی، بعض اس کے پور اور پھل کو پالینے میں کامیاب ہو گئے اور بعض خوش قسموں کو اس کے اثمار اور میوؤں سے کام و دھن کی تواضع کا موقع بھی مل گیا، اب جس نے صرف درخت کو اپنی آغوش میں لیا تھا اس کا یہ بیان تھا کہ یہ تو صاف اور ٹھوس قسم کی چیز ہے، جس نے ٹہنیوں تک رسائی حاصل کی تھی اس نے اسے صرف لکڑی کی شاخیں سمجھا، جو ٹہنیوں اور پور تک پہنچ گیا تھا اس نے اسے بدرجہ غایت نرم اور نازک شے قرار دیا، اسی طرح اس کے مزے کے بارے میں بھی ان کی رائیں مختلف تھیں، کسی نے کہا اس کا پھل بہت میٹھا ہے، کسی نے کہا بہت کڑوا اور بکھا ہے اور کوئی ایسا بھی تھا کہ جس نے سرے سے اسے بے حرہ اور بے کیف سمجھا، اگر ایک نے کہا کہ اس کی اچھی خاصی خوشبو تھی تو دوسرے نے اس کی تردید کی، ان کے اختلاف نے جب یہ صورت اختیار کر لی کہ ہر ایک دوسرے کی تکذیب کے درپے ہے اور سب و شتم اور گالی گلوچ میں مصروف ہے، تو اتنے میں ایک ایسا شخص آ نکلا جو دیدہ و بینا رکھتا تھا، اس میں اگرچہ دوسروں کی نسبت کچھ خوبیاں کم ہی تھیں، مثلاً اس کی آواز حسن و نرم سے محروم تھی، اس کی قوت گرفت کمزور تھی اور اس کے ذوق سمع میں بھی قدرے خلل تھا، تاہم یہ ان میں بیٹا اور دیکھنے والا تھا، اس نے کہا تم سب درحقیقت صحیح کہتے ہو۔ غلطی فقط یہ ہے کہ تم نے اپنے اپنے مشاہدے میں حقیقت کو محصور سمجھ لیا ہے، اس کے بعد اس نے ان کے مشاہدات کی اس طرح تشریح کی اور ہر قول کے محل و مقام کا اس طرح پتہ دیا کہ سب مطمئن ہو گئے۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی مد نظر رہنا چاہئے کہ اگرچہ کبھی کبھی ان عرفا کا کشف جو ظاہر و باطن کے علوم سے بہرہ مند ہیں صحیح ہوتا ہے، تاہم قداما کے کلام کی توجیہ و تعبیر میں ان سے خطا و لغزش کا بہت ارتکاب ہو سکتا ہے اور اس سے ان کے مرتبہ عرفان میں کچھ کمی پیدا نہیں ہوئی، کیونکہ جہاں تک کسی بات کی صحیح تشریح اور یقینی منہج کا تعلق ہے یہ دائرہ کشف سے یکسر خارج اور ایک علیحدہ شے ہے جس میں کہ علما ظاہر اور عوام بھی اس کے شریک ہیں۔

ان تمہیدات کے بعد تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وحدت وجود اور وحدت شہود دو لفظ ہیں جن کا اطلاق دراصل مختلف معانی پر ہوتا ہے، کبھی کبھی ان کا استعمال ”سیر الی اللہ“ کے مباحث میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں وحدت شہود

پر جائز ہیں۔ اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقت جامعہ کی تلاش و عرفان میں گم اور مستغرق ہے، استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالم رنگ و بواپنے تمام امتیازات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ و امتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن پر خیر و شر کی معرفت کا دار و مدار ہے اور شرع و عقل جس کی پوری پوری نشاندہی کرتی ہے۔ سیر و سلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے، سالک چندے یہاں ٹھہرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دستگیری و توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال لے جاتی ہے۔

اسی طرح وحدت شہود کے معنی اس سیاق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں احکام جمع و تفرقہ کے ڈاٹے باہم ملے جاتے ہیں یعنی سالک اس حقیقت کو پالینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ اشیا میں جو وحدت سے نظر آتی ہے من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متبائن محسوس ہوتی ہے وہ بھی من وجہ ہے۔

معرفت و سلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے نسبتاً زیادہ اونچا ہے، وحدت الوجود اور وحدت شہود کی اس اصطلاح کو ہم نے شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے بعض اجاب سے لیا ہے۔

کبھی کبھی ان الفاظ کا اطلاق حقائق اشیا کی نسبت سے ہوتا ہے، حادث و قدیم میں ربط و تعلق کی کون سی نوعیت کا فرما ہے؟ اس کے بارے میں دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم جو اغراض مختلفہ کا ہر ف و نشانہ ہے اس کی تہہ میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے جیسے شمع یا موم سے انسان، گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بنائی جائیں، یہ سب اگرچہ رنگ و روپ میں مختلف ہوں گی مگر مزاج و اصل کے لحاظ سے انہیں مختلف نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ایک ہی قرار دیا جائے گا، یعنی کہا جائے گا کہ طبیعت شمع ہے ان سب میں مشترک اور بنیاد کے طور پر پائی جاتی ہے۔ ان کی رنگ و رنگ صورتوں کو اختیار کر لینے کے بعد شمع کا اپنا کوئی نام نہیں رہے گا، بلکہ اس کو انہیں ناموں سے پکارا جائے گا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہی صورتیں درحقیقت انسان، گھوڑا اور گدھا کہلانے کی مستحق ہیں۔ ہاں یہ البتہ صحیح ہے کہ ان کا اپنا کوئی وجود نہیں، کیونکہ جب تک شمع یا موم سے ضمیر وجود مستعار نہ لیا جائے ان کا عالم خارجی میں تحقق بھی نہیں ہو پاتا۔

دوسرا گروہ حادث و قدیم کے مابین ربط و تعلق کو اس طرح استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ

یہ عالم دراصل اسماء و صفات کے ان عکس و ظلال سے تعبیر ہے کہ اعدام متقابلہ آئینوں میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، مثلاً قدرت کا عدم غمزدہ ہے، لہذا جب قدرت کی صوفشائیاں غمزدہ کے آئینے میں ہوں گے تو اس سے قدرت ممکنہ ظہور میں آجائے گی، جب موجودات کی یہ توجیہ فہم و فکر کی گرفت میں آگئی تو تمام صفات وجود کو اسی پر قیاس کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، پہلا نقطہ نظر وحدت الوجود کی ترجمانی کرتا ہے اور دوسرا وحدت شہود کی۔

ہمارے خیال میں کشف پر مبنی یہ دونوں نتائج صحیح ہیں، ممکن ہے بعض حضرات یہ کہیں کہ وحدت شہود کی اس توجیہ کی تائید شیخ العربی کے اقوال سے نہیں ہو پاتی۔ ہم کہیں گے کہ یہ سراسر سہو ہے، شیخ، ان کے اتباع، تلامذہ اور حکماء اس کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ اگر ان اقوال کو مجازات و استعارات سے قطع نظر کر کے کہ جن کی وجہ سے فہم و ادراک کی مشکلات ابھرتی ہیں، حقیقت نفس الامری کا براہ راست مطالعہ کیا جائے تو حاصل کلام یہی نکلے گا کہ حقائق امکانیہ چونکہ شدید ضعف و نقص لئے ہوئے ہیں، اور حقیقت وجود یہی ایسی چیز ہے جو اتم و اقویٰ ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے کہ یہ حقائق امکانیہ اعدام ہیں جن میں کہ موجودات کی مختلف النوع صورتیں ارتسام پذیر ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ وجود کی یہ تعبیر متفق علیہ ہے۔

تم نے جو چیز دریافت کی ہے وہ قدرے تفصیل چاہتی ہے اور غور و فکر کی متقاضی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ پہلی بات جس کو مسلمان سمجھتے ہیں اور جو کتاب و سنت سے ذہن میں متبادر ہوتی ہے اور عقل جسے تسلیم کرتی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح موجود جزئی ہے جس طرح کہ یہ سارا عالم محسوس ہے، سو اس کے کہ وہ اس کا خالق اور رزاق بھی ہے، علم و ادراک کی یہ وہ نوعیت ہے جسے ہر عاقل اپنے قلب و جگر میں جلوہ گر پاتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ ریاضت و مجاہدہ کی سختیاں جھیلے یا عقل و فرد کی گہرائیوں میں اترے، اور اسی حد تک شرع نے ایک مسلمان کو مکلف بھی ٹھہرایا ہے اور شریعت الہی کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ انسان کو انہی چیزوں کا مکلف گروا نئی ہے جو پہلے سے اس کی فطرت میں موجود ہوں اور اس کی صورت نوعیہ کا ضروری تقاضا ہوں، چاہے یہ چیزیں علمی ہوں، چاہے عملی۔ اسی طرح شریعت کی گرفت و محاسبہ بھی انہی امور سے متعلق ہے کہ جو انسانی فطرت کے ضمیر میں پہلے سے موجود ہیں، ارشاد باری ہے: فطرة الله التي فطر

الناس علیہا، لا تبدل لخلق اللہ (اللہ کی وہ فطرت کہ جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین بدلنے والے نہیں) حدیث میں ہے، کل مولود یولد علی الفطرة (ہر مولود کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے)۔

علم وادراک کی یہ مقدار عرفان صحیح اور اشارۂ صادقہ پر مبنی ہے جس کا سرچشمہ خود تجلیات حق کی ایک تجلی ہے جو نفسِ رحمانی میں اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب کزمانے کی گردشوں نے ابھی جنم نہیں لیا تھا اور حدوث وخلق کے قصے کا بھی آغاز نہ ہو پایا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے کا جذبہ میلان اسی طرح کا پایا جاتا ہے جیسا کہ لوہے میں مقناطیس کی طرف کھینچنے اور سرکنے کی صلاحیت ہے، یا جس طرح آگ کے شعلے اوپر کی طرف اٹھتے ہیں، یا مثلاً زمین جس طرح نیچے کی طرف گرنے اور لڑھکنے پر مجبور ہے۔ اس حقیقت کو کس سچائی سے ایک شاعر نے پیش کیا ہے۔

لقد صرت مقناطیسها فقلوبنا
بجذبک ایساها الیک تمیل

(تو بمنزلہ مقناطیس کے ہو گیا ہے، لہذا ہمارے دل، اس کے جذب وکشش کی وجہ سے، تیری طرف بے اختیار مائل ہو رہے ہیں) یہی وہ تجلی ہے جس کو موت کے بعد ”لقاء اللہ“ سے تعبیر کیا ہے اور ان تمام ذرائع کو جو لقاء الہی کے لئے معین و سازگار ہوں، انشراحِ قلب اور روشنیِ قلب کا سبب ٹھہرایا ہے اور ان تمام چیزوں کو گناہ و معصیت قرار دیا ہے جو بعد اور دوری پیدا کریں، اس معنی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے، مسترون ربکم عزوجل کما ترون القمر لیلة البدر۔ لا تضامون فی رویۃ فان استطعتم ان تغلبوا علی صلوة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا (تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمہیں کسی قسم کی زحمت سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔ پس اگر تم طلوعِ شمس سے پہلے اور غروبِ شمس سے پہلے نماز پڑھ سکو تو ضرور پڑھو) یہی تجلی خیر و شر کا معیار بھی ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے اور یہی وہ شے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء منطبق ہوتے ہیں اور ایک حدیث میں آنحضرت صلعّم نے ایک شخص کے اس سوال پر کہ اللہ تعالیٰ

تخلیق سے پہلے کہاں تھا جوار شاخ فرمایا: کسان فی عماء مافوقہ ہواء و ماتحتہ ہواء (خدا لامکان میں تھا) اس میں بھی یہی حقیقت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح صوفیا کے اس قول میں بھی اسی مفہوم و معنی کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وجود و قسم کے مظاہر میں جلوہ گر ہوا ہے۔ ایک ایسے مظہر میں جس کے لئے تاثر، قہر، تغلب اور فعل و تخرہ واجب ہے، دوسرے ایسے مظہر میں جو امکان کے ساتھ تاثر، قہر، تغلب، انفعال اور ملکوت کو قبول کرنے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ مزید براں شیخ محی الدین بن العربی کے اس قول میں بھی کہ اس عالم کون و مکان میں ایک ارادہ متجدد پایا جاتا ہے اسی صداقت کی طرف اشارہ ہے۔ ان واقف کے پیش نظر جس شخص نے اس تجلی کا اثبات کیا اس نے گویا قدرت و فطرت کو پایا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے اور اسی طرح اس نے اس معاملے میں انبیاء اور اولیاء کے متفقہ ذوق عرفان کی تکذیب کی جو اللہ تعالیٰ کے نہ صرف فطرت کا انکار کیا، بلکہ انبیاء اور اولیاء کے متفقہ ذوق عرفان کی تکذیب کی جو اللہ تعالیٰ کے اقرار و اثبات پر منہج ہوتا ہے۔ لہذا ایسے شخص کے زندقہ و ہر یہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ٹھیک اسی طرح جس شخص نے اس علم کی تکذیب کی جس کو اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں ودیعت کر رکھا ہے اور جس پر کہ مسئلہ تکلیف و مکافات کا دار و مدار ہے وہ بھی زندقہ ہے۔

یہ علم ہر شخص کی فطرت میں سمویا ہوا ہے کہ حقائق اشیاء ثابت نہیں، اور یہ کہ ہر شے مخصوص قسم کے امتیازات سے بہر مند ہے، مثلاً یہ کہ آگ کا خاصہ جلا نا ہے، پانی آگ کو ٹھنڈا کرتا اور بجھاتا ہے، زنجبیل حار ہے، کافور بارو ہے، نماز کا رخصہ ہے اور زنا ہرائی۔

اس تفصیل کے معنی یہ ہونے کہ جس شخص نے ان حقائق کو نہ مانا اس کے خلاف خود اس کے قلب و ضمیر میں دلائل و براہین کا لشکر صف آرا ہو گیا اور خود اس میں فطرت نے اس کے نفسانی رجحانات کی تکذیب کی، یعنی وہ اس سلسلہ اقوال و آراء کی پراگندگی کا شکار ہوا اور ضلالت و گمراہی کے عمیق ترین گڑھوں میں جا گرا۔

ہم جانتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے علم و ادراک کی اس فطری مقدار سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی اور اس سلسلے میں مزید غور و فکر سے روکا ہے، لیکن باوجود اس کے کہ صوفیا نے ان مسائل پر گفتگو کی ہے ان کا اندر یہ ہے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ طبیعت نوعی سے زیادہ

توقعات وابستہ کی جائیں اور فکر و استدلال کے نگہ بندھے اصولوں کی روشنی میں قدم آگے بڑھائے جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص عقل و استدلال کی راہوں سے بڑھ کر علوم و معرفت کا کوئی اور انداز اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بہر حال کہنا یہ ہے کہ لوگوں نے اس فطری اصول کو مان لینے کے باوجود اس پر دوسرے انداز سے غور و خوض کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اشیائے معقولہ اور اشیائے محسوسہ دونوں میں نفس وجود کے اعتبار سے اشتراک پایا جاتا ہے اور وجود کا یہی وہ جانا بوجھا مفہوم ہے جس کے پیش نظریہ چیزیں معدوم سے جدا ہوتی ہیں، مثلاً مثلث کے دو مفہوم ہیں: ایک وہ جس کا تعلق تعقل و تصور سے ہے اور دوسرا وہ جس کا تعلق محسوسات سے ہے۔ ظاہر ہے کہ مثلث کا تعقل و تصور اس کے وجود سے مختلف ہے اور یہی اختلاف وہ فارق ہے جو اسے چیز معقولات سے نکال کر سطح وجود پر لا کھڑا کرتا ہے اور اسی مقام پر فائز ہو کر کسی شے میں قابلیت و فاعلیت کی خصوصیات ابھرتی ہیں، یعنی ایک تو شے کی ماہیت معقولہ ہے اور ایک یہ خصوصیات زائدہ یا امتیازات ہیں جو اس کے علاوہ ہیں، اور کہنا چاہئے کہ انہی کی بدولت گھوڑے، انسان اور گدھے وغیرہ کی ماہیت محسوس و تمیز سانچوں میں ڈھلتی ہے۔ اس مرحلے پر دو سوال ابھر کر نظر و فکر کے سامنے آتے ہیں: خود اس وجود کی حقیقت کیا ہے؟ اور خصوصیات زائدہ کے ساتھ اس کے ربط و انضمام کی نوعیت کیا ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وجود امر انتزاعی ہے، یعنی صورت حالات یہ نہیں کہ خالق و فاطر کائنات نے پہلے تو ماہیات کو پیدا کیا ہو اور پھر ان پر خصوصیات وجود کا اضافہ فرمایا ہو، بلکہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ اس نے ماہیات کو وجود بخشا ہے (غرض یہ ہے کہ ماہیات کا تصور سراسر انتزاع و تجرید کا کرشمہ ہے، ورنہ وجود و ماہیت دو الگ الگ چیزیں نہیں) ہم اس پر یہ کہیں گے کہ یہ بات ایک پہلو سے صحیح ہے اور ایک پہلو سے غلط ہے، غلط ان معنوں میں ہے کہ اس میں وجود کے عمومی مفہوم کو صرف ایک ہی شق میں منحصر کر دیا گیا ہے، حالانکہ ہم امور انتزاعیہ کا باقاعدہ ادراک رکھتے ہیں، ان کو صفت وجود سے متصف گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا تعلق ماہیات اشیاء سے ہے۔ ظاہر ہے کہ خود ماہیات اور امور انتزاعیہ کا اگر وجود نہ ہو اور ان کے انصاف کی نوعیت ایسی نہ ہو کہ ان کو خلاق و فاطر کا کرشمہ تخلیق کہا جاسکے، تو انتزاع و تجرید کے لئے کیا بنیاد اور

اساس باقی رہ جاتی ہے؟

بعض حضرات اس مرحلے پر کہیں گے کہ خالق و فاطر نے تو دراصل اپنی ذات سے مہیات ہی کا اصراد فرمایا تھا، پھر جب لوگوں نے دیکھا کہ ان میں فاعلیت و قابلیت وغیرہ کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں تو اس سے ان کے ذہن میں وجود کا تصور مرتسم ہوا، اس کے مقابلے میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ اس تعبیر میں بھی خطا و صواب کے دو گونہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ خطا کا پہلو یہ ہے کہ معرفت وجود کو مہیات کی حد تک محدود کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ قطعاً ایسے امور کو جانتے بوجھتے نہیں جو خارج میں مخصوص و متعین سانچہ رکھتے ہیں اور ہم اس تعین کی بنا پر انہیں مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت، یہ تعین اور وجود کا یہ سانچہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہیات اشیاء کے علاوہ ان کی تخلیق بھی فرمائی ہے، ذرا غور سے دیکھیں تو یہ حقیقت صاف طور پر علم و ادراک کی گرفت میں آئے گی کہ اس عالم رنگ و بو میں مختلف و متمیز وجود نہیں جنہیں ہم مہیات سے تعبیر کرتے ہیں اور جن کے بارے میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ وجود کے دو خانوں میں تقسیم پذیر ہیں، ایک وہ وجود مطلق ہے جس کی وسعتیں اور پھیلاؤ موجودات کے پورے سلسلے کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے اور یہ درجے درجے میں دوسرے وجود سے متقدم ہے، دوسرا وجود وہ ہے جو خصوصیت و تمیزات کا حاصل ہے۔

وجودات خاصہ کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ صورت علیہ کے تنزلات نہیں اور ان میں اور وجود مطلق میں ربط و تعلق کی جو نوعیت کا فرما ہے وہ اگرچہ معلوم نہیں مگر اس کے تحقق و اثبات میں شبہ نہیں، وجود کی اس وضاحت سے صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں گروہ خطا و صواب کے ملے جلے موقف کے حامی ہیں جس سے کہ پوری پوری تشریف نہیں ہو پاتی۔

وحدت الوجود کے قائلین صوفیا کا کہنا ہے کہ وجود مطلق جو خارج میں مترتب آثار کا موجب ہوتا ہے دو حال سے خالی نہیں، یا تو خارج میں موجود ہونے اور ترتیب آثار کا ہدف بننے کے لئے اسے ایک ضمیر یا شے زائدہ کے الحاق کی ضرورت پڑے گی یا نہیں پڑے گی۔ پہلی صورت میں ہم اسے ممکن کہیں گے اور دوسری صورت میں ”واجب“۔ اس ضمیر یا شے زائدہ کی کیا حیثیت ہے؟ یہ ایک وجود منہط ہے جو تمام بیکر ان محسوس و موجود کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ یہ قائم

بالذات حقیقت ہے، یہی نہیں، دوسری اشیا کے لئے مقوم بھی ہے۔ نیز فی نفسہ غیر متعین ہے اور جملہ آثار و خصوصیات سے تھی بھی۔ اس کا احساس ہمیں ذوق و وجدان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ وجود مطلق کی اس صورت کو آگے چل کر تنزلات علمی و عینی کہیں گے جن سے کہ خصوصیات و آثار کا الحاق ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تنزلات کی ترتیب کیا ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ پہلے مرتبے پر تو خود اس کی ذات ذات کی سطح پر جلوہ گن ہوتی ہے۔ تجلی کی یہ صورت جزئی نہیں ہوتی بلکہ اس طرح کی کلیت لئے ہوئے ہوتی ہے کہ کائنات کی کسی چیز کو بھی اس کی وسعتوں سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری تجلی میں اس شان کلی کی تفصیلات ہوتی ہے مگر صرف علم کی حد تک اعیان و افراد اس کی زد میں نہیں آتے، اس کے بعد آخری تجلی اعیان و افراد کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

تجلیات کی اس تشریح کے بعد حقائق ممکنات کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ ان سے مراد وجود مطلق یا ذات کا ان صورت و اشکال گونا گوں سے متلبس ہونا ہے جو مختلف شئون و اعتبارات سے ابھرتی ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ذات گرامی ان مختلف اور رنگارنگ حالات و شئون سے معترض ہوتی ہے تو اس تعرض و تلبس سے ماہیات ممکنات کی تعین ہوتی ہے۔

وجود ممکنات کا مطلب یہ ہے کہ یہی حقائق جواب تک مرتبہ علم میں تھے پیراہن وجود سے آراستہ ہیں۔ لیکن ان حقائق کو پیراہن وجود سے آراستہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وجود ممکن کی تمام شرائط مہیا ہو جائیں اور وہ تمام موانع دور ہو جائیں جو ان حقائق کو چیز وجود میں آنے سے روک رہے تھے۔

اس طرح ماہیات اشیا اور وجود میں ربط و انضمام کی ایسی نوعیت قائم ہو جاتی ہے جس کی کیفیت تو معلوم نہیں کی جاسکتی مگر جس کا تحقق و اثبات بہر حال جانا بوجھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ربط و تعلق کے اس انداز کی وجہ سے ان خصوصیات و آثار کا ترتیب ہونے لگتا ہے۔ اس مرحلے پر کہا جاتا ہے کہ وجود مطلق نے تنزل فرمایا ہے یا یہ کسی خاص مظہر میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ وجود کے ظہور پذیر ہونے یا تجلی و تنزل کی اس سطح پر آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر نوعیت کے آثار و خصوصیات کی پوری پوری تعین ہو گئی ہے۔

ہماری رائے میں یہ بات عقل اور کشف دونوں کی رو سے صحیح ہے، مثلاً تم میدان جنگ پر نظر

ڈال کر دیکھو، تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کی ساری رونق و ہنگامہ آرائی ”جسم“ کی بدولت ہے۔ وہی قاتل ہے، وہی مقتول اور وہی آلہ قتل بھی ہے۔ اسی طرح اس کو راکب و مرکوب قرار دیں گے اور اسی کو سیف و سنان اور ہازم و مہزوم سے تعبیر کریں گے، اور وہی حملہ کرنے والا اور حملے کا ہدف و نشان بھی ہوگا۔

لیکن اس کے باوجود کہ ان تمام ظہورات میں جسم ہی کی کار فرمائیاں نظر آتی ہیں، تنہا جسم کو ان میں سے کسی نام کے ساتھ بھی متصف نہیں ٹھہرایا جاسکتا، تا آنکہ اس پر ایک کیفیت خاص اور معنی خاص کا اضافہ نہ کیا جائے اور خصوصیات و امتیازات کو بڑھایا نہ جائے، یوں اگر ان خصوصیات و آثار کا جسم سے صرف نظر کر کے مطالعہ کریں گے تو ان کی حیثیت معدومات سے زیادہ نہیں ٹھہرے گی کہ جن پر آثار و خصوصیات کا رتبہ نہیں ہو پاتا، لیکن جو نہی ان کو جسم کے مختلف سانچوں میں ڈھالا جائے گا یا ان کے ساتھ جسم کو جوڑا اور منضم کیا جائے گا، یہی کیفیات صدور آثار و کیفیات کا موجب و سبب بن جائیں گی۔

گویا جسم مطلق جہاں تک علم و تقدیر کا تعلق ہے پہلے سے ان معانی کا محل یا حامل ہے اور جب یہ معنی وجود خارجی کا سانچہ اختیار کر لیتے ہیں، تو مختلف اشیاء کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ اب ان میں کوئی راکب بن جاتا ہے کوئی مرکوب اور کوئی سیف و سنان کہلاتا ہے اور کوئی ہدف و قتل۔

ان پوچھوں صورتوں اور متعدد شکلوں کو جن کا تعلق یکسر معانی اور ماہیات سے ہے جسم کے قالب میں ڈھلنے سے پہلے اعدام ممکنہ ہی کہنا چاہئے، مگر جب اسباب و شرائط مہیا ہو جاتے ہیں تو کوئی لوہا یا برہمی اٹھتا ہے اور انہیں تیشے اور ہتھوڑے کی مدد سے معرض وجود میں لے آتا ہے۔ اسی طرح ان معدومات مہومہ اور موجودات میں ربط و تعلق کی ایک نوعیت ابھر آتی ہے جس کی کنہ و کیفیت تو معلوم نہیں کی جاسکتی، البتہ اتنا یقینی ہے کہ ان میں رشتہ و ربط کا یہ انداز ضرور پایا جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم سیف و سنان کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ معنی معدوم اور وجود میں ایک طرح کا ربط و تعلق پیدا ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کو خاص نام کے ساتھ متصف گردانا جاسکتا ہے، ورنہ اس سے پہلے مطلق جسم کی

نسبت یہ تھی کہ اس کو صور مختلفہ کا ہدف قرار دیا جاسکتا تھا، یعنی وہ راکب بھی ہو سکتا تھا اور مرکوب بھی، سیف کے قالب میں بھی ڈھل سکتا تھا اور سنان کے سانچے میں بھی، لیکن اب جب کہ اس نے سیف کی صورت اختیار کر لی تو ہم کہیں گے کہ جسم مطلق نے ایک خاص تعین کو اپنا لیا ہے اور بوقلموں صورتوں اور شکلوں میں سے ایک صورت کو چن لیا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جسم ایک متعین ظہور میں آشکار ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ تعبیر و بیان کا یہ انداز بالکل صحیح ہے جس کو تھوڑی دیر کے لئے لفظی مناقشوں میں تو الجھنا ناممکن ہے مگر کسی عاقل کے لئے مخجاش انکار ہرگز نہیں۔

پھر یہ بات اگر جسم کے حق میں صحیح ہے تو وجود کے حق میں بطریق اولیٰ صحیح ہونا چاہئے۔ صوفیا جب یہ کہتے ہیں کہ ”العالم عین الحق“ تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان وجودات خاصہ یا تعینات کی نفی کی جائے جو تنزل و ظہور کا نتیجہ ہیں، بلکہ وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حق نے اس آب و گل میں ظہور فرمایا ہے، یعنی جس طرح ایک معقولی کہتا ہے کہ زید و عمر ایک ہیں اور اس کا اشارہ تماثل نوعی کی طرف ہوتا ہے، ممکن اتحاد کی طرف نہیں، یا جب وہ کہتا ہے کہ انسان اور گھوڑا ایک ہیں، تو وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان میں حیوانیت امر مشترک ہے، اسی انداز سے جب وہ شجاع اور شیر کو ایک قرار دیتا ہے تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ ان میں جو وصف مشترک ہے اس کی نشاندہی کرے۔ ٹھیک اسی طرح اور انہی معنوں میں صوفیا ”العالم عین الحق“ کہتے ہیں اور اس سے ان کی غرض فقط یہ ہوتی ہے کہ اس وجود منہبط میں اور ہمارے گرد و پیش پھیلی ہوئی اس وسیع تر حقیقت میں، جس نے کہ سارے عالم ہست و بود کا احاطہ کر رکھا ہے، حق کی جلوہ فرمائی ہے اور یہ کہ وجود کی یہ نوعیت براہ راست حق کے ساتھ وابستہ ہے، اس کے بعد کسی تنزل و ظہور کے ساتھ نہیں، ورنہ جہاں تک آثار و تعینات میں فرق و امتیاز کا تعلق ہے ان میں کوئی بھی اس کی نفی کی جرأت نہیں کرتا۔

ہر مرتبہ وجود حکمے وارو

مگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

اس نچ سے جب یہ حضرات تنزل کی اہمیتوں پر زور دیتے ہیں تو اس سے مقصود ایک ایسا

معنی ہوتا ہے کہ ظہور و تنزل کے دونوں پہلوؤں یا مرحلوں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔
تعبیر کی اس صورت پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب تم نے حق اول کو تسلیم کر لیا اور یہ بھی مان لیا کہ اس سے کائنات کا صدور ہوتا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وجود و تحقق ان دونوں مرحلوں پر باتساوی مشتمل ہو، کیونکہ نہ تو حق اول اور مبداء وجود کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ موجود نہیں ہے اور نہ صادر کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہ غیر موجود ہے۔

یہ اعتراض اس بناء پر صحیح نہیں ہے کہ ہم جب وجود مشترک کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کی حیثیت اس حقیقت کی نہیں ہوتی، انیاب اغوال کی طرح جو نفس الامر میں ثابت ہے، بلکہ ہم اس کو حقیقت مفروضہ مانتے ہیں جس کو عقل ازراہ قییم مستحبہ کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک عقل سلیم کا تعلق ہے وہ اگرچہ مراتب وجود میں جو ایک طرح کا تماز پایا جاتا ہے اس کو تسلیم کرتی ہے اور حادث و قدیم کے مابین ایسے ربط و تعلق کو نہیں مانتی جو ان دونوں کو واقعی و حقیقی وحدت میں منسلک کر دے۔ تاہم تنزل صادق کا انکار بھی نہیں کرتی جو ابداع و تخلیق پر منتج ہوتا ہے بلکہ ایک اعتبار سے اسے ماننے پر مجبور ہوتی ہے۔

اس وضاحت سے قطع نظر یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ عقل، نفس اور ہیولی تینوں میں اس طرح بالوجہ اشتراک و تماثل پایا جاتا ہے کہ ان میں کے ہر ایک کو دوسرے کا عین قرار دیا جاسکتا ہے، یعنی یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقل عین نفس ہے اور نفس عین ہیولی ہے۔ اس کی مثالیں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، یعنی جس طرح موسم کے ایک کڑے کو تعین کے مختلف سانچوں میں ڈھالا جاسکتا ہے اور جس طرح ایک انگوٹھی متنوع و بوقلموں نقوش کے ارتسام کی صلاحیت رکھتی ہے، اسی طرح ایک کلی جزئیات و افراد کے تعین کو اختیار کر سکتی ہے۔ اس کی بین مثال یہ ہے کہ تم ایک کلی کو ذہن میں فرض کرو۔ عقل اس معاملے میں یہی کہے گی کہ یہ کلی جزئیات ہی کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ اب تعلق و ربط کی جو نوعیت کلی اور اس کی جزئیات میں رونما ہے وہی نفس ہیولی میں ہے۔ اس لئے کہ ہیولی سے ہماری مراد یہی ہے کہ نفس کلی نے تشخص و تعین کا روپ دھار لیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ تشخص و تعین سے بالکل علیحدہ بھی نہیں ہے، بلکہ صحیح تعبیر تو یہ ہے کہ جب یہ اپنی کلی شکل میں موجود ہوگی تو نفس کلی کہلائے گی اور جب تعین کا لبادہ اوڑھ لے گی تو یہ ہیولی سے موسوم ہوگی۔ عارف کو

چاہئے کہ جب وہ ”عینیت“ کے اس مرتبے کی تصریح کرے تو ایسے الفاظ ضرور استعمال کرے جو فرق اعتباری کو واضح کر سکیں۔ بہر حال یہ ایسی سچی بات ہے جس کو اکثر لوگ غلط معنی پہناتے ہیں، یعنی ”کلمۃ حق ارید بہا الباطل“ شیخ محمدؒ کا کہنا ہے کہ صفات ثنائیہ (ہشت صفات) خارج میں موجود ہیں۔ اس لئے ان کو ذات سے خارج میں متمیز ہونا چاہئے۔ ان صفات کی اثر آفرینیوں کی کیفیت یہ ہے کہ ہر ہر صفت کے مقابل ایک عدم ہے۔ مثلاً علم کا مقابل جہل ہے اور قدرت کا مقابل عجز ہے، اور یہ تمام ”اعدام“ علم حق میں متمیز اور واضح ہیں اور تمیز و وضاحت کی اس نوعیت سے ان کو اسماء و صفات کے لئے بمنزلہ آیتوں کے کر دیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ انوار حق کے نقطہ نظر سے ان کی حیثیت مہبط انوار یا تجلی گاہ کی ہے۔ ان معنوں میں حقائق ممکنات کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اسماء و صفات کے ان عکس و ظلال سے تعبیر ہیں جو ان اعدام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ گویا اعدام کو مادہ ٹھہراتا چاہئے اور یہ عکس و ظلال جو ان پر اثر انداز ہوتے ہیں صورت ہے جو اس مادہ میں حلول پذیر ہے۔

حقائق ممکنات کے بارے میں ابن العربیؒ اور جناب مجددؒ کے نقطہ نظر میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ان کی رائے میں یہ اسماء و صفات ہی کا دوسرا نام ہے جب کہ یہ مرتبہ علم میں تعین و وضوح کی کیفیتوں کے حامل ہوں، بخلاف شیخ محمدؒ کے کہ ان کے خیال میں یہ اعدام نہیں جن پر انوار حق اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہاں یہ البتہ درست ہے کہ ان اعدام اور عکس کا محل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ جو فاعل مختار ہے، یہ چاہتا ہے کہ ماہیات معلومہ میں سے کوئی ماہیت چیز علم سے نکل کر چیز وجود میں آئے اور تعین خاص کو اپنائے تو وہ اسے وجود ظلی بخش دیتا ہے اور اس کی یہ ماہیت مرتبہ علم سے نکل کر وجود ظلی کے لباس میں آشکار ہو جاتی ہے۔ اس عالم رنگ و بو سے متعلق ان کی رائے دو ٹوک اور صاف نہیں بلکہ ان کے اقوال میں اختلاف رونما ہے۔ کبھی تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم وجود ظلی سے بہرہ مند ہے اور کبھی یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ یہ کائنات وجود مہوم سے آراستہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتقان و استواری سے نوازا رکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ عالم اگرچہ مہوم ہے مگر اس کے باوجود استوار و محکم بھی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حقائق ممکنہ کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے۔

(۱) ان سے مراد موجودات خاصہ ہیں، مثلاً ایک حقیقت انسان ہے، ایک حقیقت گھوڑا ہے

اور ایک حقیقت پانی ہے۔ یہ تمام حقائق وہ امور ہیں جو عالم خارجی میں ثابت و متحقق ہیں۔ اس اطلاق کی رو سے حقائق ممکنہ وہ امور ہیں جن کو ہر ایک شخص جانتا و سمجھتا ہے۔ یہی مطلب ہے ان کے اس قول کا کہ حقائق اشیاء ثابت نہیں، یعنی ہر ذی عقل کو معلوم ہے کہ انسان کون ہے، گھوڑا کسے کہتے ہیں اور پانی کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے۔

(۲) ان سے مقصود وہ امور ثابتہ ہیں جو ذاتی لحاظ سے نہ تو موجود ہیں اور نہ معدوم۔ مگر جب ان کے ساتھ ضمیمہ وجود کا الحاق ہو جاتا ہے تو کسوت وجود سے آراستہ ہو جاتے ہیں، ورنہ طاق عدم میں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

انہی امور کو ایک معقولی ماہیات سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے کہ یہ فی نفسہ نہ تو موجود ہیں اور نہ معدوم۔ ان کی حیثیت اس کے نزدیک صرف ثبوت کی ہے، مگر مرتبہ علم میں اول الادائل (اللہ) اور فیض اقدس کے ساتھ ان کا تعلق و ربط کیا ہے، اس کو یہ نہیں جان پاتا۔ یہ شرف اس صوفی کو حاصل ہے جو وحدت الوجود کا قائل ہے کہ اس پر اس ربط و تعلق کی ٹھیک ٹھیک نوعیت و ترتیب کا انکشاف ہوا ہے۔

اس کا عرفان یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ سے جو پہلی تجلی صادر ہوئی وہ خود ذات اقدس کی توجہ و التفات ہے کہ جو خود ذات ہی کی طرف ملتفت ہوئی۔ اس میں اس نے جانا کہ اس کی ذات گرامی کیا ہے، اس کے تحقیقی تقاضے کیا ہیں، اس کا کمال دائم کس نوع کے مظاہر کا مقتضی ہے، اور ان مظاہر کے ارتقا و بولگونی کی کیا صورتیں ہیں۔ علم و تجلی کی یہ نوعیت خاص نہ ہے جسے عین اقتضا کہنا چاہئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو مجرد ارتسام صور یا استحضار اشیاء سے تعبیر کیا جائے (کیونکہ علم و تجلی کی اس صورت میں ایک طرح کی فعلیت مضر ہے جو صرف علم میں نہیں)۔ اس کے بعد مظاہر کلیہ تمیز اختیار کرتے ہیں اور ان کی استعداد معرض علم میں آتی ہے، جو فعال ہیں، ظاہر ہیں اور مقدس ہیں، ان کو اسما و صفات کہنا چاہئے۔

تیسری تجلی مظاہر جزئیہ سے متعلق ہے، علم ادراک کے اس مرحلے میں اعیان ممکنہ کلیات سے جدا ہوتے ہیں جو اپنی فطرت و مزاج کے اعتبار سے یکسر منفعل، مقبور اور کسی درجہ میں وجود کی آلائشوں سے آلودہ ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں ”حقائق ممکنہ“ کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ”حیثیت

معلومہ“ کی ہے جو حق کے علم و ادراک کے ساتھ وابستہ ہیں۔

(۳) حقائق ممکنہ کی یہ تعبیر تھوڑی سی تمہید چاہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حقائق ممکنہ اور اسماء دونوں میں تمیز دو ٹوک اور اس طرح کی نہیں کہ یہ دونوں دو الگ الگ اور منفصل خانوں میں انقسام پذیر ہوں بلکہ دونوں میں ایک طرح کا اشتراک ہے اور ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں، یعنی جو کچھ اسماء و صفات میں مضمر ہے وہی حقائق ممکنات میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس صورت حال میں حقائق ممکنہ اور حقائق اسماء میں نسبت تضاد نہیں ہوگی، بلکہ ان دونوں کے مقابلے میں جو تضاد ہوں گے ان میں تقابلی پایا جائے گا اور اس نسبت سے انہیں تضاد مقابلہ کہنا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں تک اسماء و صفات کا تعلق ہے ان میں جو حقائق مضمر ہیں وہ تو بدرجہ غایت قوت و فعلیت لئے ہوئے ہیں اور قویٰ اور صلاحیتیں جنہوں نے ابھی وجود کا جامہ نہیں پہنا، بوجہ عدم کے بدرجہ غایت کمزور اور ضعیف ہیں۔ گویا کچھ امور ثابتہ ہیں جن کے ڈانڈے ایک طرف تو اسماء و صفات سے ملے ہوئے ہیں اور دوسری طرف اعداد و مقابلہ سے۔ اب جو لوگ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ظہور کائنات کے سلسلے میں اصل شے اسماء و صفات ہیں وہ دو طرح سے اس مفہوم کو ادا کریں گے، اور ادا و اظہار کے یہ دونوں اسلوب صحیح ہوں گے۔ یہ کہ حقائق ممکنہ اسماء و صفات ہی کا دوسرا نام ہے جو مرتبہ علم میں تمیز و واضح ہیں، اور یہ کہ حقائق ممکنہ اسماء و صفات کے عکس و ظلال ہیں جو اعداد و مقابلہ میں ارتسام پذیر ہو گئے ہیں۔

(۴) تعبیر کا یہ بیج بھی قدرے تمہید کا مقتضی ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہاں حقائق ممکنہ کا لفظ نسبتاً محدود معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس کا دائرہ صرف سالک کے احوال تک سمٹا ہوا ہے، پوری کائنات تک وسعت پذیر نہیں۔ صاحب ”لمعات“ اسماء و صفات کو معشوق قرار دیتے ہیں، حقائق ممکنہ کو عاشق ٹھہراتے ہیں اور اس مرتبہ علیا کو جو ان سب میں ظاہر و باہر ہے لفظ عشق سے موسوم کرتے ہیں۔

اب اگر صورت حالات یہ ہو کہ معشوق خود عاشق کی طرف بڑھے (یا باصلاح صوفیا مدلی اختیار کرے)، یعنی عاشق کو اپنی طرف کھینچے اور محبت و جذب سے نوازے، تو سالک کو اس کیفیت کے پیش نظر ”مہذب“، ”مراد“ اور ”محبوب“ کہا جائے گا جیسے حضرت ابراہیم کے قصے سے عیاں

ہے کہ عنایت حق نے خود ان کی رہنمائی فرمائی اور ان کو یہ بات سمجھا دی کہ جو شے آفات و ذمائم سے دوچار ہو رب والدہ نہیں ہو سکتی، رب والدہ کیلئے ضروری ہے کہ نقص و عیب کی ان آلائشوں سے منزہ ہو۔ اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اللہ کی طرف ریاضت و مجاہدہ اور نفس و روح کی تجرید کے ذریعہ پڑھتا ہے۔ اس صورت میں اسے مرید، محب اور سالک کہنا چاہئے۔

تیسری شکل یہ ہے کہ کچھ ذات مدلی اختیار کرتی ہے اور کچھ سالک ترقی کنناں ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک نقطہ اتصال پر جمع ہو جاتے ہیں، ایسے خوش نصیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سالک ہے، مجذوب اور محب ہے مگر شان مجبوی لئے ہوئے۔

اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ شخص اکبر کے دل میں تجلی افروز ہوتا ہے۔ یہ تجلی اس شان کی ہوتی ہے کہ اس کا انشراح و انبساط حظیرۃ القدس تک کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہوتا ہے اور اسی کے عکس و ظلال ملاء اعلیٰ کے سینوں پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور تجلی کی یہی وہ قسم ہے جس پر کہ اللہ تعالیٰ کے کنانوے اسو صفات کا انطباق ہوتا ہے۔ نیز تجلی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ میں دو قافو قفا تجدید و نما ہوتا رہتا ہے اور یہی وہ تجلی ہے جو اپنے جملہ مضمرات کے ساتھ سالک یعنی معشوق اور مطلوب ہے، اس لئے کہ نفوس بشریہ اسکی طرف منطاطیس کی طرح جذب و کشش کے داعیوں کو محسوس کرتے ہیں، ہم اس حقیقت کا ذکر مقالے کے شروع میں کر آئے ہیں۔ یہی تجلی سیر و سلوک کی منزل ہے اور یہی اتصال کی وہ کڑی ہے جس کے حصول کے لئے

صوفیا کو شاں رہتے ہیں، کبھی کبھی غیب سے ایسے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ حق اپنے کسی بندے کو اس وقت اپنی خوشنودیوں کے لئے چن لیتا ہے جب کہ وہ نفس کی بندگی میں مبتلا ہوتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کو اصطلاح میں ”مراد“ کہا جاتا ہے۔ اکثر یہ درجہ ریاضات و مجاہدات کی سختیاں جھیلنے اور نفس و روح کی تجرید سے حاصل ہوتا ہے۔ عرفان کا یہ مقام ہر شخص کی جبلت میں پہلے سے موجود ہوتا ہے مگر اس کو پانے کی توفیق کسی کسی کو ہی میسر ہوتی ہے۔ اس شخص کو ”مرید“ کے لفظ سے پکارا جاتا ہے۔ ایک مقام ان دونوں کا جامع ہے جس میں دو طرفہ دواغی کو تحریک ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف و عنایت اور اختیار و اختیار کو بس جنبش ہوتی ہے اور سعی و طلب کے تقاضے بھی بیدار ہوتے ہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شخص بیک

وقت دونوں انداز کی سعادتوں سے دو چار ہے، سعی و طلب اور ریاضت و مجاہدہ کے انوار بھی ہیں اور غیب سے سامان لطف کی فراوانیاں بھی جو پکڑ پکڑ کر سالک کو قرب و اتصال کی سرحدوں کی طرف دھکیل رہی ہیں، ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ یہ شخص معرفت کے دونوں مرتبوں کا حامل ہے اور سلوک کے دونوں مشربوں میں امامت کے درجہ پر فائز ہے۔ اس کے معاملے میں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اس تجلی کے بعض پہلو اس پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسے ”مہذب“ کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تجلی کے اس خاص پہلو نے اسے اپنی طرف جذب کر لیا ہے مثلاً اسماء و صفات کے نقطہ نظر سے ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک اسم یا صفت اس کے احوال پر چھا جائے۔ اس صورت میں اس کے جذب کو اس اسم کی طرف منسوب کیا جائے گا، غرض یہ ہے کہ ایک عارف خوب جانتا ہے کہ ”اعیان ثابتہ“ میں سے اس کی استعداد کس تعین کے لئے زیادہ موزوں ہے اور پھر وہ اسی اسم کی پیروی اور نچر زندگی کی بازی لگا دیتا ہے، مثلاً اگر اس پر صفت رحمان کا غلبہ ہے تو اصطلاح میں کہا جائے گا کہ اس نے اسم رحمان کی حقیقت کو اپنا لیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکس و ظلال ہیں، جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، کسی طرح بھی شیخ ابن العربی کی تصریحات کے خلاف نہیں۔ ہم مسئلے کے اس پہلو کی طرف پہلے اشارہ کرتے ہیں اس لئے دوبارہ انہیں نقل کر کے تکرار کے مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔

نیز حقائق ممکنات کو ان معنوں میں اسماء و صفات کے عین مترادف قرار دینا کہ وجود خارجی میں بہر حال انکے عکس و ظلال پائے جاتے ہیں جنہیں اعیان ممکنات کہا جاتا ہے، کسی انداز سے بھی شیخ مجدد کی تصریحات کے منافی نہیں۔ اسی طرح اگر شیخ کے قول کو ہم یہ معنی پہنائیں کہ ہر صفت و اسم سالک کے لئے بمنزلہ رب اور مقصود و منزل کے ہے کہ جس کی طرف اس کے سعی و طلب کے قدم بڑھنا چاہئیں، تو اس صورت میں بھی منافات و تعارض کا کوئی اندیشہ پایا نہیں جاتا۔ ہم اگر چاہیں تو دونوں بزرگوں کے اقوال کو بکثرت اس سلسلے میں پیش کر سکتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت مجددؒ نے شیخ العربیؒ اور اس کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وجدان کے خلاف محسوس کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ ایک ایسی الغرض ہے جس کا کشف

کی لغزش سے کوئی تعلق نہیں اور پھر جہاں تک اس طرح کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کا تعلق ہے ان سے محفوظ بھی کوئی رہ سکتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کے مقام بلند میں ہرگز کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ابن العربی کے اس قول میں بھی یہاں کوئی اعتراض کا پہلو نظر نہیں آتا کہ صوفیاء صفات ثنائیہ میں تمیز و اختلاف کے قائل نہیں، بلکہ ان کے نزدیک صفات عین واجب الوجود ہیں، کیونکہ ہمیں اس کے خلاف متکلمین کی عقلی و نقلی دلیل نہیں ملی۔ ہم اس قول کو دو وجہ سے حق بجانب ٹھہراتے ہیں۔

(۱) صفات کے باب میں زیادہ سے زیادہ جو بات صحت و استواری لئے ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسی حقیقت ضرور پائی جاتی ہے، عرفاً اور لفظاً جس کو سمیع و بصیر وغیرہ کہا جاسکتا ہے، لیکن یہ کہ یہاں صفات متمازہ کا بھی وجود ہے اور یہ صفات ذات سے علیحدہ ایک مستقل حیثیت کی حامل ہیں، اس کی طرف قلب و ذہن ملتفت نہیں ہو پاتا، قلب و ذہن صرف آثار و نتائج کو دیکھتا ہے، فلسفیانہ تدقیقات کو نہیں۔

چنانچہ ہم جب کسی شے کو دیکھتے ہیں کہ متحرک ہے، چل رہی ہے اور اپنے اعمال و افعال کو حسن و جمال کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہے تو ہم بغیر ذات و صفات کے چکر میں پڑے کہہ دیتے ہیں کہ یہ زندہ ہے اور حیات و شعور سے بہرہ مند ہے اور قطعی یہ نہیں سوچتے کہ یہ صفات ذات سے زائد اور علیحدہ ہیں یا عین ذات ہیں۔

(۲) جہاں تک عقل و شعور کا تعلق ہے اس کا فتویٰ یہی ہے کہ اس کی ذات گرامی سے آثار و نتائج کا برابر صدور ہوتا رہتا ہے، رہی یہ بات کہ یہ صفات ذات سے الگ وجود رکھتی ہیں، تو اس کا کوئی تعلق عقل و خرد کے تقاضوں سے نہیں، بلکہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو کہا جائے گا کہ صفات کو بمنزلہ اغراض کے قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ انہی کی طرح اپنے محل و موصوف کے ساتھ وابستہ ہیں، اچھی خاصی تشبیہ کا مرتکب ہونا ہے۔

ممکن ہے کچھ لوگ اسے اہل سنت کا مذہب قرار دیں مگر ہمارا جواب یہی ہوگا کہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ اہل سنت کا اطلاق معنی کے اعتبار سے نسبتاً محدود ہے، اس سے مراد صرف وہ قرون ہیں جن کے خیر ہونے کی گواہی خود آنحضرت صلعم نے دی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ان میں کوئی شخص ایسا

نہیں جس نے کہ صفات کو بحث و فکر کا موضوع ٹھہرایا ہو اور یہ کہا ہو کہ یہ ذات خداوندی سے الگ وجود رکھتی ہیں، یا عین ذات ہیں۔ اور پھر اگر برسمیل تاویل کسی نے ان کو غیر ذات سمجھا ہے تو اس پر مطلق بحث نہیں کی۔ یہ زیادت امور انتزاعی سے تعلق رکھتی ہے یا امور خارجی سے، ہاں متاخرین کے ایک گروہ نے جو اہل سنت ہونے کا مدعی ہے البتہ صفات پر بحث کی ہے۔ ان لوگوں کے اس فعل کو ہم بدعت نہ سمجھیں اور یہ نہ کہیں کہ یہ سلف کے بعد کی اختراع ہے، جب بھی یہ ضرور کہیں گے کہ ہم ان سے اس باب میں اتفاق رائے نہیں رکھتے۔ ہم دجال و فحن رجال (وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں)۔

اسی طرح شیخ کے اقوال میں جو اس نوعیت کا اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ عالم موجود خارجی ہے جو ظلیت و انعکاس لئے ہوئے ہے یا اس کی حیثیت اس مہووم کی ہے جس کو استواری و استحکام سے نوازا گیا ہے، زیادہ اہمیت کا حامل نہیں، کیونکہ ان کی تہہ میں یہ عقیدہ مضمر ہے کہ وجودات خاصہ تحقق پذیر ہیں جن سے کہ آثار و نتائج کا صدور ہوتا ہے۔

اور اگر تم مجھ سے صحیح صحیح بات دریافت کرو تو میں کہوں گا کہ جہاں تک ذات الہی کا تعلق ہے وہ اس سے بالا و منزہ ہے کہ خارج یا اعیان میں پائی جائے، اس لئے کہ خارج تو خود نفس رحمان سے تعبیر ہے اور ”اعیان“ اس کی ذات پر دلالت کناں ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم جلی ہے جس کا تعلق خارج سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جب کہا جاتا ہے کہ وہ خارج میں یا عما (اس حدیث کے اشارہ سے جو آغاز مضمون میں گزر چکی ہے) میں موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایسی جلی عظیم کے تحقق کے بعد خارج یا اعیان کو اپنے وجود سے نوازا ہے۔

اس باب میں جو اقوال مختلف ہیں، اگر تم مجھ سے ان کی اسنادیں دریافت کرو تو میں کہوں گا کہ ان میں کوئی بات میرے دل میں کھٹک پیدا کرنے والی نہیں۔ میرے نزدیک یہ اختلافات یا انداز و تعبیر سے متعلق ہیں اور یا پھر ان کی حیثیت یہ ہے کہ کچھ چیزیں بر محل یا اپنے مقام و سیاق میں بیان نہیں ہوئی ہیں، ورنہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی صاحب کشف بالکل ہی بے حقیقت بات کہہ دے۔ صفات ثنائیہ کی معنوی توجیہ میرے نزدیک یہ ہے کہ نفس رحمانی کے ان اوائل کو جن میں ذکر اور جلی

اعظم تمثیل پذیر ہوئی ہے اشاعرہ صفات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا ان کو بالاجاب صادر اور زمانہ قدیم مانتے ہیں۔ اصل میں یہ ایک ہی حقیقت ہے کہ جس نے جہات و اعتبارات کے اختلاف و بوقلمونی سے کثرت و تعدد کی صورت اختیار کر لی ہے اور جہت و اعتبار کے کتنے ہی اختلاف ایسے ہیں کہ جن کو لوگوں نے حقائق کا اختلاف قرار دے دیا ہے، جیسے کہ بیاض اور ابیض ایک ہی حقیقت کے دو معنی ہیں، یعنی بیاض ابیض میں بشرط لا (یعنی بغیر اس شرط کے کہ بیاض کا کوئی ہدف و موصوف ہو) ماخوذ ہے اور ابیض اسی حقیقت پر بشرط شے دلالت کناں ہے، یعنی جہاں لفظ بیان مطلقاً ایک خاص رنگ پر دلالت کرتا ہے وہاں لفظ ابیض بھی اسی رنگ پر صفت کی شکل میں دلالت کرتا ہے۔

بالکل اسی سچ و انداز سے جب ہم اس کی ذات کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کے علم کا منطقی نتیجہ ہے۔ جب اس کی ذات کو حقائق ممکنات اور علم کی صفت سے متصف گردانتے ہیں، تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی ذات حقائق اشیاء میں نگوین سے قبل تمثیل پذیر ہوتی ہے۔ ”قدرت“ کا لفظ بولتے ہیں تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کی ذات سے تخلیق کائنات کا فعل صادر ہوا ہے۔ جب اس کے لئے ارادہ کو ثابت کرتے ہیں تو اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کی ذات نے دو تساوی الامکان چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے۔ کلام کا اس کی طرف انتساب کرتے ہیں تو اس حیثیت سے کہ انبیاء و ملائکہ کے قلب پر اس کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب ہم اس کو سمیع و بصیر سے متصف قرار دیتے ہیں تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ تمام مبصرات و مسوعات کا مبداء و انکشاف ہے۔ اسی طرح مولانا جامی کا قول بھی ہمارے نزدیک مان لینے کے لائق ہے (یہ قول بحث کے آغاز میں گزر چکا ہے) اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے سوا تمام حقائق کی اسالت کا انکار کیا جائے اور ان سب کو اعتبارات و اضافات کے حکم میں رکھا جائے، یہ مطلب نہیں کہ وجود حق یا اس کی جلوہ فرمایوں کا انکار کیا جائے۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ حق نے ان میں ظہور فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ فرق اعتباری کی بھی نفی نہیں کرتا چاہتے۔ جب ہم سوال کا مکمل و شافی جواب دے چکے تو اس مکتوب کو ختم کرنا چاہئے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین۔

القول الجميل فی بیان سوء السبیل

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا سید محمد فاروق قادری

تحقیق و تعلق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۳۹	مقدمہ	۱
۱۵۱	بیعت	۲
۱۵۳	بیعت کی حیثیت، آداب اور شرائط مرشد	۳
۱۶۰	تعلیم و تربیت سالک	۴
۱۶۳	اشغال مشائخ قادریہ	۵
۱۶۹	اشغال مشائخ چشتیہ	۶
۱۷۳	اشغال مشائخ نقشبندیہ	۷
۱۸۳	نسبت کی حقیقت	۸
۱۸۹	مغرب خاندانی عملیات	۹
۲۰۳	علمائے ربانی کے آداب و فرائض	۱۰
۲۰۸	آداب و مقاصد وعظ و نصیحت	۱۱
۲۱۲	مصنف کے سلاسل طریقت	۱۲

مقدمہ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے بنی آدم کے دلوں کو فیضان النوار کے قابل اور معارف و اسرار کی امانت کے لائق بنایا اور برگزیدہ انبیائے کرام کو ہدایت اور دعوت کے لئے منتخب فرمایا تاکہ وہ عبادات اور اذکار کے حصول اور ان پر عمل پیرا ہونے کے راستے متعین کر دیں، پھر اس نے متقی اور جید علمائے کرام کو انبیاء کا جانشین اور وارث بنا دیا تاکہ وہ ان کے علم اور فیض کو ہمیشہ جاری و ساری رکھیں۔

بلاشبہ ان میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق و صداقت کی علمبردار رہے گی اور لوگوں میں سے گم کردہ راہ افراہان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ لوگ ایسے چراغ ہدایت ہیں جن کے ذریعے مخلوق نفس کے اندھیروں سے نکل کر قرب خداوندی کے راستے پر گامزن ہوتی ہے چنانچہ جو صاحب دل ہے اور اس نے کلام ہدایت توجہ سے سنا، وہ سرفراز ہوا اور دائمی نعمتوں اور جنت کی بہاروں کا مستحق ٹھہرا، البتہ جس نے روگردانی کی اور منہ پھیرا وہ راستے سے ہٹک گیا اور مقام انسانیت سے نیچے گر گیا، اس کے لئے دوزخ اور گرم پانی ہے اور اس کا کوئی مددگار نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اپنے نفس کی حرکتوں اور عمل کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ اپنی ہدایت کی توفیق ارزانی نہ کرے اسے کوئی راہ پر نہیں چلا سکتا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد خاص اور رسول ہیں آپ کو اللہ نے حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور درود و سلام ہوں۔

حمد و صلوة کے بعد بندہ ضعیف، رحمت خداوندی کا امیدوار ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم (اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو اپنی خصوصی رحمت کا سایہ مرحمت کرے اور آخرت میں دائمی نعمت کے خزانے سے سرفراز کرے) عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب اصول طریقت اور اس سے متعلق موضوعات پر مشتمل ہے یہ وہ اصول اور قواعد ہیں جنہیں ہم نے اپنے سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سے حاصل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں، میں نے اس کتاب کا نام ”القول الجمیل فی بیان سوا السبیل“ تجویز کیا ہے، اللہ کی ذات ہی میرے لئے کافی اور بہتر کارساز ہے اور گناہوں سے اجتناب اور نیکیوں کی توفیق اسی کے فضل ہی سے ممکن ہے۔

باب -۱

بیعت

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الدِّينَ يُبَايِعُكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَسِيئَتُهُ إِجْرًا عَظِيمًا (الفتح ۱۰)

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے بیعت کی، کبھی ہجرت اور جہاد پر، کبھی ارکان اسلام کے قیام اور ادائیگی پر اور کبھی جہاد میں ثابت قدمی پر، اسی طرح بعض مواقع پر سنت کی پیروی، بدعات سے بچنے اور عبادات الہی میں ذوق و شوق پر بھی آپؐ سے بیعت کی گئی۔ صحیح روایات میں آیا ہے کہ آپؐ نے انصار کی عورتوں سے میت پر مین نہ کرنے پر بیعت لی۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فہرائے مہاجرین سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے۔ چنانچہ ان میں سے اگر کسی سے دوران سفر کوڑا اگر جاتا تو وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر اسے اٹھانے کو سوال پر ترجیح دیتا۔ لہذا اس بات میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عمل اہتمام اور عبادت کے طور پر ثابت ہے اس کی حیثیت دینی سنت کے طور پر مسلم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین پر اس کے خلیفہ، قرآن اور حکمت کے طور پر جو کچھ نازل ہوا اس کے عالم، کتاب و سنت کے معلم اور امت کے مرکزی (پاک کرنے والے) تھے۔ چنانچہ آپ نے خلیفہ کی حیثیت سے جو عمل کیا وہ بعد والے خلفاء کے لئے سنت قرار پایا اور آپ نے کتاب و سنت کے معلم اور مرکزی کی حیثیت میں جو نمونہ پیش کیا وہ علمائے حقانی کے لئے سنت ٹھہرا۔

اب ہم بیعت پر کچھ گفتگو کر لیتے ہیں کہ وہ کون سی قسم سے متعلق ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ بیعت صرف خلافت کے لئے ہو سکتی ہے صوفیائے کرام نے بیعت کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔

یہ نظریہ بالکل غلط ہے چنانچہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ ارکان اسلام کی اقامت پر بیعت لی ہے۔ بعض دفعہ آپؐ نے سنت کی پیروی پر بیعت لی ہے۔ صحیح بخاری شاہد ہے کہ آپؐ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے بیعت لی۔ اسی طرح آپؐ نے انصار کی ایک جماعت سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کریں گے اور کسی کا خوف دل میں نہیں لائیں گے اور ہر حال میں حق کا دامن نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ ان میں سے ہر شخص امر اور بادشاہوں پر کھل کر تنقید کرتا تھا۔ اسی طرح آپؐ نے انصار کی عورتوں سے میت پر بین (۱) نہ کرنے پر بیعت لی۔ ان کے علاوہ کئی اور امور پر بیعت ثابت ہے، ظاہر ہے یہ بیعت تزکیہ نفس، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بیعت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً بیعت خلافت، بیعت تقویٰ، بیعت ہجرت، بیعت جہاد، بیعت ثابت قدمی جہاد وغیرہ، دائرہ اسلام میں داخل ہونے پر بیعت بعد والے خلفاء کے دور میں متروک رہی۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی اسلام کی بیعت نہیں ہوتی تاہم اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین کے دور میں قبول اسلام شان و شکوہ اور حق کے دبے اور وقار کی بنا پر تھا جبکہ بعد والے بادشاہوں کے زمانے میں بیعت اسلام اس بنا پر متروک رہی کہ ان میں سے اکثر ظالم اور بدکردار تھے، انہیں احیائے سنت اور اقامت دین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اسی طرح تقویٰ اور پرہیزگاری پر بیعت بھی اس دور میں نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین کے دور میں صحابہ کرام بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کے فیض یافتہ اور آپ کی ذات گرامی کی تربیت سے تزکیہ نفوس کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، چنانچہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے انہیں کسی خلیفہ سے بیعت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بعد والے بادشاہوں کے دور میں بیعت کا سلسلہ اس لئے نہ چلا کہ کہیں اس سے تفرقہ کا دروازہ نہ کھل جائے یا اسے بیعت خلافت نہ سمجھ لیا جائے، اس سے فتنوں کا اندیشہ تھا۔ البتہ اس زمانے میں مشائخ صوفیاء بیعت کی بجائے خرقہ پوشی سے دینی مقاصد حاصل کرتے رہے، بعد والے دور میں یہ رسم ختم ہوئی تو مشائخ صوفیاء نے موقع غنیمت جان کر سنت بیعت کو دوبارہ لازم پکڑ لیا (۱)۔

(۱) لیکن بیعت بالجہاد اور بیعت بالمشائخ میں واضح فرق ہے، بیعت بالجہاد اب علامہ متروک ہے۔ (فاہمی)

باب ۲-

بیعت کی حیثیت آداب اور شرائط مرشد

یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ بیعت واجب ہے یا سنت، یا بیعت کے سنت ہونے میں حکمت کیا ہے، اسی طرح بیعت لینے والے کی اہلیت اور شرائط کیا ہیں، ایفائے بیعت کیا ہے اور بیعت توڑنے سے مراد کیا ہے؟ نیز ایک ہی بزرگ یا دوسرے بزرگوں سے دوبارہ بیعت جائز ہے کہ نہیں، اسی طرح بیعت کے لئے کون سے الفاظ منقول اور متداول ہیں۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ بیعت سنت ہے واجب نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے ذریعے یقیناً قرب خداوندی حاصل کیا، مگر کسی شرعی دلیل سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ تارک بیعت کو گناہ گار قرار دیا گیا ہو، اس پر ائمہ دین میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، گویا بیعت کے واجب نہ ہونے پر اجماع ہے۔

اس میں حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ اس نے نفس میں مخفی امور کو ظاہری افعال و اقوال سے وابستہ کر دیا ہے اور ایک اعتبار سے زبان کو دل اور ضمیر کا ترجمان قرار دیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قیامت کی تصدیق قلبی مخفی امر ہے چنانچہ یہاں اقرار کو تصدیق قلبی کا قائم مقام بنادیا گیا ہے، اسی طرح خریدار اور دکاندار کا خریدی جانے والی چیز پر رضا مندی یا سود اور اصل دلی معاملہ ہے مگر یہاں زبان کو باطن کا قائم مقام بنا کر طے شدہ ظاہری سودے کو تسلیم کر لیا گیا۔ ٹھیک اسی طرح توبہ، گناہوں سے اجتناب کا پختہ ارادہ اور تقویٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ایک مخفی اور قلبی معاملہ ہے چنانچہ یہاں بیعت کو اقرار اس کی پختگی کا قائم مقام بنادیا گیا ہے۔

مرشد کی اہلیت اور شرائط میں سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا علم رکھتا ہو، اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ ان علوم میں چوٹی کی مہارت رکھتا ہو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے ضروری علوم سے باخبر ہو مثلاً تفسیر مدارک یا جلالین یا اس قسم کی کوئی اور کتاب کسی جید عالم دین سے سمجھ چکا ہو، قرآن مجید کے مطالب ومعانی، اس کی لغات مشککہ، شان نزول، اعراب اور قصص وغیرہ سے باخبر ہو، اسی طرح احادیث میں کم از کم وہ مشکوٰۃ المصابیح کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھ چکا ہو، نیز اسے اس کے معانی، محاورات، مشکل اور نادر تراکیب سے سے واقفیت ہو، نیز وہ اعراب مشکل اور تاویل معصل کے سلسلے میں فقہاء کی آراء سے مطابقت سے باخبر ہو (مشکل سے مراد وہ دشوار لفظ ہے جو باعتبار لفظ اور ترکیب نحوی پیچیدہ ہو اور معصل وہ ہے جس کے معنی مشتبہ ہوں کسی ایک معنی کی تعین نہ ہو سکتی ہو)

اس کے لئے قرآن مجید کا حافظ ہونا یا راویوں کے حالات سے باخبر ہونا ضروری نہیں، آپ جانتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین حدیث مرسل اور حدیث منقطع بھی قبول کر لیتے تھے، مقصد یہ ہے کہ حدیث کے بارے میں اس بات کا پختہ یقین ہو جائے کہ اس کی اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ شیخ (مرشد) اصول فقہ، علم کلام اور فقہ فتویٰ کی معمولی جزئیات تک سے واقف ہو، ہم نے ابتدا میں شیخ کے لئے علم ضروری قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بیعت سے اصلی غرض اور مقصد یہ ہے کہ مرید کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور قلبی سکون اور باطنی فیضان کے لئے اس کی رہنمائی کرے، اسی طرح اسے بری عادات و خصائل سے نجات دلائے اور اس میں اچھے اخلاق و عادات پیدا کرے تاکہ وہ یہ تمام چیزیں اپنے اندر جذب کر کے ان پر عمل پیرا ہو، اب جو شخص خود عالم نہیں ہے وہ یہ سارا کام کس طرح انجام دے گا۔

اس بات پر سارے مشائخ صوفیا متفق اللسان ہیں کہ وعظ و تقریر صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو قرآن وحدیث جانتا ہو، سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں، البتہ اگر کوئی ایسا شخص جس نے ظاہری علوم زیادہ حاصل نہ کئے ہوں مگر اس نے ایک لمبا عرصہ صاحب تقویٰ علما کی صحبت اٹھائی ہو، ان سے تربیت حاصل کی ہو اور وہ حلال و حرام کی تحقیق و تفتیش کے بارے میں انتہائی مستعد ہو،

کتاب وسنت کے مقابلے میں کسی چیز کو اہمیت نہ دیتا ہو، شاید سلوک وارشاد کا فریضہ انجام دینے میں یہ چیزیں اس کے لئے کافی ثابت ہو جائیں۔

مرشد کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف اور تقویٰ کے بلند مرتبے پر فائز ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کبیرہ گناہ سے آزاد اور صغیرہ گناہوں پر اڑنے والا نہ ہو۔

مرشد کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہو، اور اس کی طرف راغب ہو، موکلہ عبادات پابندی سے ادا کرتا ہو، اور صحیح احادیث میں وارد کردہ اوادکار پر عامل ہو، ہمیشہ اپنے دل میں اللہ سے لو لگائے رکھے اور اسے یادداشت کی مشق کامل حاصل ہو۔

مرشد کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نیکی کا حکم دیتا رہے اور برائی سے روکتا رہے۔ صائب الرائے اور صاحب الرائے ہو مستقل مزاج ہو، نہ کہ ہرجائی، صاحب مروت اور عقل کامل کا مالک ہوتا کہ امر و نہی کے سلسلے میں اس پر اعتماد کیا جاسکے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ

”ایسے گواہ جن کو پسند کرو“۔ (البقرہ: ۲۸۲)

اس سے صاحب تلقین وارشاد (مرشد) کے بارے میں عدالت و تقویٰ کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ آپ خود کر لیں۔

مرشد کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ طویل عرصہ تک مسلمہ مشائخ کی صحبت اور تربیت سے فیض حاصل کر چکا ہو، اس نے دوران تربیت مشائخ سے باطنی نور اور قلبی سکون کی دولت حاصل کی ہو، یہ اس لئے کہ سنت الہی کے مطابق انسان اس وقت تک فلاح حاصل نہیں کرتا جب تک اس کا تعلق اور واسطہ فلاح یافتہ افراد سے نہ پڑے، جس طرح علما کی تعلیم و تدریس کے بغیر کوئی بھی علم حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی صورت باقی پیشوں اور ہنروں میں ہے۔

اس معاملے (سلوک وارشاد میں) کرامات اور خوارق عادات کا ظہور ضروری ہے اور نہ شرط، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ مرشد گزر بسر کے لئے کوئی دنیوی کام نہ کرے، کرامات اور خرق عادات، مجاہدات کا نتیجہ ہے کمال کی شرط نہیں ہے، مغلوب الحال لوگوں کو دلیل نہ بنایا جائے، سنت

یہ ہے کہ تھوڑے پر قناعت اور شبہات کے مواقع سے پرہیز کی جائے۔

بیعت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ، عاقل ہو اور اس معاملے میں شوق اور دلچسپی رکھتا ہو، حدیث میں آیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لئے ایک بچہ پیش کیا گیا، آپؐ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، دعا فرمائی مگر اس سے بیعت نہ لی۔ بعض مشائخ صوفیا، تبرک اور نیک فال کے طور پر چھوٹے بچوں کی بیعت بھی درست سمجھتے ہیں۔

مشائخ کے ہاں بیعت کا جو سلسلہ جاری ہے اس کی تین صورتیں ہیں مثلاً گناہوں سے توبہ پر بیعت، اسناد حدیث کے سلسلے کی طرح مشائخ کے سلسلے میں شامل ہونے اور برکت حاصل کرنے کی نیت سے بیعت اور احکام الہی پر صدق دل اور مصمم ارادے کے ساتھ عمل پیرا ہونے اور دل کو اللہ جل شانہ سے وابستہ کرنے کے عزم پر بیعت اور یہی تیسرا طریقہ اصل اور مقصود ہے۔

پہلی دونوں صورتوں میں بیعت کی تکمیل اور اسے پورا کرنے یا اس کے ساتھ وقاداری نبھانے سے مراد یہ ہے کہ مرید کبیرہ گناہوں سے بچے صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے، فرائض، سنن اور مستحبات کی پابندی کرے، بیعت توڑنے یا اس عہد سے باہر نکل جانے سے مراد یہ ہے کہ مرید ان ساری باتوں سے روگردانی کرے۔

تیسری صورت میں بیعت کے عہد کو نبھانے اور اسے پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ مرید ریاضت و مجاہدہ میں اتنی محنت کرے کہ بالآخر وہ اطمینان اور یقین کے نور سے منور ہو جائے، یہاں تک کہ یہ ساری چیزیں بطور عادت اور فطرت اس سے صادر ہونے لگیں اس حالت میں بعض دفعہ سالک کو ایسی چیزوں کی اجازت دی جاتی ہے، جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اس میں بعض جسمانی فائدہ بخش چیزیں یا ایسی چیزیں جن کی ضرورت پڑتی ہے شامل ہیں مثلاً علوم دینی کی تدریس و تعلیم یا عہدہ قضاء، اس بیعت یا عہد کو توڑنا یہ ہے کہ مرید مذکورہ امور سے عہد عاقل ہو جائے۔

دو بارہ بیعت کرتا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری بار بیعت لینا ثابت ہے۔ اسی طرح مشائخ صوفیا سے بھی دوسری دفعہ بیعت لینا منقول ہے اگر دوسرے مرشد سے بیعت پہلے پیر میں کسی خلل یا غیر مشرور بات ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح

مرشد کی وفات یا اس کے اس طرح غائب ہو جانے کی صورت میں بھی کوئی حرج نہیں جس میں اس کی واپسی کی امید باقی نہ رہی ہو، البتہ بلا وجہ دوسرے شیخ سے بیعت کرنا اسے ایک کھیل سمجھنا ہے، اس طرح نہ تو برکت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی مشارع دلی توجہ کرتے ہیں۔

بیعت کے الفاظ: مشارع سلف سے بیعت کا جو طریقہ بیان ہوا ہے اس کے مطابق پہلے شیخ خطبہ مسنونہ پڑھے جو یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنُسَبِّحُہٗ وَنُسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرٍ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتٍ اَعْمَانَا مَنْ يُّهْدِیْہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضِلِلْہُ فَلَا هَادِیَ لَہٗ وَ اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ۔

اس کے بعد مرید کو ایمان کی اجمالاً تلقین کرے اور کہے کہ کہو، میں ایمان لایا اللہ پر اور ایمان لایا اس پر جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا، مراد خداوندی کے مطابق اور میں ایمان لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کے پاس آیا آپ کی تشریح اور مراد کے مطابق اور دین اسلام کے سوا میں تمام دینوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اسی طرح میں ہر قسم کے گناہوں اور نافرمانی سے توبہ کرتا ہوں، میں اسلام کی تجدید کرتا ہوں اور کہتا ہوں۔

اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اس کے بعد مرید سے کہے، کہو

میں نے بیعت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خلفاء کے واسطے سے، پانچ باتوں پر اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اس گواہی پر کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر اور زکوٰۃ کے دینے پر اور رمضان کے روزوں پر اور استطاعت کی صورت میں حج بیت اللہ پر، پھر مرید سے کہے، کہو۔

میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خلفاء کے واسطے سے اس بات پر بیعت کی کہ میں اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کروں گا، چوری نہ کروں گا، بدکاری نہیں کروں گا، قتل نہیں

کروں گا اور اپنی طرف سے کسی پر بہتان نہیں لگاؤں گا اور کسی امر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کروں گا اس کے بعد قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پڑھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ: ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اور اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَتَ فَإِنَّمَا يَنْتَكُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَا عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَوِيَّيْنِهِ أَجْرًا عَظِيمًا (التحۃ: ۱۰)

وہ جو تو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جس نے عہد توڑا اس نے اتنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

اس کے بعد مرشد اپنے لئے، اپنے مرید کے لئے اور حاضرین کے لئے دعا کرے اور کہے
بَارَكَ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ وَنَفَعْنَا وَإِنَّا نَحْمَدُكَ "اس کے بعد اس تلقین میں کوئی حرج نہیں ہے مرید سے کہے، کہو"

میں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا جو منسوب ہے شیخ اعظم قطب اکمل خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ سے یا میں نے سلسلہ عالیہ قادریہ اختیار کیا جو منسوب ہے حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یا میں نے سلسلہ عالیہ چشتیہ اختیار کیا جس کی نسبت ہے حضرت شیخ معین الدین بھری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ، بار الہ میں اس سلسلے کی برکات نصیب کرو اور ہمیں اس سلسلے کے اولیاء اللہ کے ساتھ اٹھا، اے ارحم الراحمین اپنی رحمت سے یہ توفیق ارزانی فرما۔

میں نے اپنے والد گرامی سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، آپ نے میرے دونوں ہاتھ اپنے دونوں مبارک ہاتھوں میں کر لئے۔ چنانچہ میں بیعت کے وقت خواب کے مطابق مصافحہ کرتا ہوں، البتہ عورتیں بیعت کے وقت کپڑے کا ایک کونہ پکڑ لیں جبکہ دوسرا کونہ مرشد اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ واللہ اعلم۔

باب-۳ تعلیم و تربیت سالک

سالکین کی تربیت کے کئی درجے ہیں، سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ شیخ سالک کے فکر و عقیدے میں تبدیلی لائے، جب بھی کوئی شخص اللہ کے راستے پر چلنے کے سلسلے میں شوق اور آمادگی ظاہر کرے اسے سلف صالحین کے عقیدے کے مطابق اپنے نظریات صحیح کرنے پر تیار کرے، واجب الوجود کے اثبات، اس کی وحدانیت اور معبود برحق ہونے کا عقیدہ اس کے ذہن میں بٹھائے اور یہ کہ وہ تمام صفات کمال مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ اور دوسری تمام ایسی صفات جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف فرمایا ہے ان کا مالک ہے، اسی طرح وہ تمام صفات کمال جو مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات کے ذریعے ثابت ہیں صحیح اور حق ہیں۔ اسی طرح وہ اس بات کا عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نقص اور کمی کی تمام صورتوں مثلاً جسم، احتیاج مکانی، غرض ہونے، طرف اور جہت میں ہونے اور الوان و اشکال سے منزہ اور پاک ہے۔

البتہ اس کے عرش پر متمکن ہونے، ہنسنے اور اس کے ہاتھوں کے سلسلے میں جو اشارات وارد ہوئے ہیں ہم اجمالی طور پر ان پر ایمان رکھتے ہیں، مگر ان کی تفصیلات علم الہی پر چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں کی طرف نسبت ہمارے تصور نسبت سے بالکل مختلف ہے سچ یہ ہے کہ

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

ہمارے لئے اس قدر بس ہے کہ یہ چیزیں اس کے لئے ثابت ہیں جیسا کہ قرآن مجید شاہد

ہے۔

اسی طرح شیخ مرید کے ذہن میں یہ عقیدہ جائز نہیں کر دے کہ تمام انبیائے کرام برحق ہیں۔

خصوصاً ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں، آپ کی تابعداری اور اطاعت فرض ہے، آپ نے جن چیزوں کا حکم فرمایا، جن باتوں سے منع فرمایا، جو کچھ آپ نے بیان فرمایا، چاہے اس کا تعلق ذات و صفات خداوندی سے ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے سے، اسی طرح جنت، دوزخ، حشر، حساب، قیامت، عذاب قبر، حوض کوثر، صراط، میزان اور رویت الہی سے متعلق جو کچھ آپ سے صحیح روایات کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے سب حق اور درست ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عقائد کی تصحیح کے بعد مرشد مرید پر اپنی توجہ مبذول کر کے اسے کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر ندامت کے لئے تیار کرے، سچ یہ ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں دوزخ، عذاب شدید کی وعید آئی ہے اور جو محمد ثین کے نزدیک واضح اور مشہور ہو یا اس کے مرتکب کو کافر قرار دیا گیا مثلاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس نے جان بوجھ کر نماز قضا کی اس نے کفر کیا، دوسری جگہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان فرق نماز ہے، جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا یا کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے مرتکب پر شریعت میں حد مقرر کی گئی ہے مثلاً چوری، زنا، ربڑنی، شراب نوشی، اسی طرح ہر وہ گناہ جو عقل کے نزدیک برائی میں کبیرہ کے برابر یا اس سے بڑا ہے کبیرہ میں شامل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا عبادت میں یا روزی میں شفا وغیرہ کے سلسلے میں غیر اللہ سے مدد چاہنا، چنانچہ ان باتوں سے بچنے کیلئے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح کابہن کی تصدیق، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی، قرآن مجید اور فرشتوں کے بارے میں سطحی گفتگو یا تسخر بھی کبیرہ گناہوں کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ نماز، روزہ اور فرضیت کے باوجود حج ایسی ضروری عبادت کا ترک، قتل ناحق، اپنی اولاد کا قتل اور خودکشی بھی کبیرہ گناہ ہیں۔

اسی طرح زنا، لواطت، خشیات کا استعمال، چوری، ڈاکہ، سرکاری مال کی چوری، جھوٹی گواہی، جھوٹی قسم، پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت، یتیم کا مال کھانا، والدین کی نافرمانی، قطع رحمی، ناپ تول میں کمی، سود خوری، میدان جہاد سے فرار، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی بات منسوب کرنا، عدالتی امور میں رشوت لینا، محرکات سے نکاح کرنا، بدرویہ مردوں عورتوں کے

درمیان معاملات کرانا، حاکم کو بھڑکانا تاکہ وہ قتل کرے یا کسی کی جائیداد ضبط کر لے، دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرنا، کافروں سے دوستی رکھنا اور مسلمانوں کے مقابلے میں ان کا خیر خواہ بننا، جواکھیلنا اور جاوہ کرنا سب گناہ کبیرہ ہیں۔

گناہ صغیرہ وہ ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے یا وہ کسی جائز حکم کے خلاف ہیں، ان سے دین کے کسی مسلم حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

اس کے بعد مرشد مرید کی زندگی میں ارکان اسلام مثلاً طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی محبت اور ان پر عمل کا جذبہ پیدا کرے، یہ ارکان مرید سے ان آداب خصوصیات اور طریقوں کے مطابق ادا کرائے جائیں جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔

اس کے بعد شیخ سالک کی زندگی کے عمومی مسائل مثلاً کھانا پینا، لباس، کلام، مخلوق کے ساتھ میل جول وغیرہ پر نگاہ کرے اور ساتھ ہی اس کے خانگی معاملات مثلاً نکاح، نوکروں چاکروں کے حقوق اور اولاد کے حقوق کی اہمیت اس پر واضح کرے، اس کے بعد معاملات مثلاً خرید و فروخت، عہد و پیمان اور ہر قسم کے لین دین پر اس کی اس طرح تربیت کرے کہ وہ سنت نبوی کے مطابق بغیر سستی اور بوجھ کے صحیح صحیح ادا کرنے لگے۔

اب مرشد سالک کو صبح، شام اور رات کے وقت کے اذکار و اوراد کی تعلیم دے، اسی طرح اسے اخلاقی فضائل اور آداب سے آراستہ کرے، ریا، خود پسندی، حسد، کینہ وغیرہ سے اسے نجات دلائے اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت، آخرت کی یاد، ذکر و فکر کی مجالس سے محبت اور مسجد سے تعلق خاطر پیدا کرے جس وقت مرید یہ آداب حاصل کر لے اور اس منزل پر آجائے تو اب اسے اشغال باطنی میں لگانا چاہئے، اب سالک ہر وقت اپنا دل اللہ سے لگائے رکھے اور نگاہ دل سے اس کے جمال میں مستغرق رہے۔

طوالت کے خوف سے ہم نے ان امور کا تفصیلی ذکر اس موقع اور امید پر چھوڑ دیا ہے کہ سالک قرآن مجید، حدیث مبارکہ، فقہ اور اوسط درجے کی کتابوں مثلاً ”ریاض الصالحین“ عقیدہ عضد یہ وغیرہ سے خود واقف ہے اور ان کا علم رکھتا ہے اگر کسی کو ان کتابوں سے براہ راست واقفیت میں دشواری ہو تو اسے چاہے وہ کسی معتبر عالم دین سے دریافت کر لے۔

باب -۴ اشغال مشائخ قادریہ

مشائخ قادریہ، پیشوائے سلسلہ شیخ ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مریدین ہیں، یہ حضرات سب سے پہلے جس چیز کی تلقین کرتے ہیں وہ ذکر بالجہر ہے، ذکر جہری سے مراد بہت بلند آواز سے ذکر کرنا نہیں ہے، چنانچہ اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی خلاف ورزی نہیں ہوتی جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ اپنے آپ پر نرمی کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔

ذکر جہری میں ایک صورت اسم ذات (اللہ) کا ذکر ہے وہ یا تو ایک ضرب سے ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسم ذات یعنی اللہ کو سختی، درازی اور بلند آواز سے دل اور حلق دونوں کی قوت کے ساتھ ادا کرے، پھر ٹھہر جائے، یہاں تک کہ ذکر کی سانس اپنے ٹھکانے پر واپس آجائے پھر اسی طرح بار بار ذکر کرتا رہے۔

یا ذکر دوسری ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی نشست پر بیٹھے اور اسم ذات کو ایک بار دہانے زانو میں اور دوسری بار دل پر ضرب کرے اور اسے بغیر وقفہ کے بار بار کرے مناسب یہ ہے کہ ضرب قلبی قوت اور سختی کے ساتھ ہوتا کہ دل پر اثر ہو اور اس میں یکسوئی پیدا ہو، پریشان خاطری اور دوسرا رفع ہو جائیں۔

یا ذکر سہ ضربی ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ چار زانو بیٹھے ایک بار، دہانے زانو میں دوسری بار بائیں زانو میں اور تیسری دفعہ دل میں ضرب کرے اور ضرب سخت تر اور بلند تر ہو۔

اور ذکر چار ضربی کی شکل یہ ہے کہ چار زانو بیٹھے، ایک بار دہانے زانو میں، دوسری بار بائیں

زانو میں، تیسری بار دل میں اور چوتھی بار اپنے سامنے ضرب کرے چوتھی ضرب سخت تر اور بلند تر ہو۔

ذکر جہری میں ایک صورت نفی و اثبات کی ہے اور وہ ہے لا الہ الا اللہ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی صورت میں قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اپنی آنکھیں بند کر لے، لا کہے گویا اسے اپنی ناف سے نکالتا ہے، پھر اسے کھینچے یہاں تک کہ داہنے کندھے تک پہنچے، پھر الہ کہے گویا اسے دماغ کی جھلی سے نکالتا ہے، پھر الا اللہ کو دل پر شدت اور قوت کے ساتھ ضرب کرے اور ذات حق کا اثبات کرے۔ ہو سکتا ہے یہاں سوال پیدا ہو کہ آخر ضربات، انہیں سختی اور درازی کے ساتھ ادا کرنے اور انہیں مختلف مقامات سے دیگر جگہوں تک لے جانے میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ انسانی فطرت ہے کہ اس کی توجہ مختلف چیزوں اور مقامات کی طرف مٹتی ہے وہ مختلف آوازوں کی طرف دھیان دیتی ہے، اس کے دل میں خیالات کے جھوم گردش کرتے ہیں، چنانچہ اہل طریقت نے کچھ ایسے اصول اور طریقے وضع کئے ہیں جن پر عمل کر کے انسان آہستہ آہستہ غیر سے توجہ ہٹانے، بیرونی خطرات اور اشارات سے یکسو ہونے اور بالآخر اپنی ذات کے دھیان سے بھی فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے سچی لو لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

افضل یہ ہے کہ اہل سلوک فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد حلقہ بنا کر اجتماعی انداز میں ذکر کریں، اکٹھے بیٹھ کر ذکر کرنے میں جو فوائد ہیں وہ اکیلے بیٹھ کر کرنے میں نہیں ہیں۔

جب طالب راہ پر ذکر جہری کے اثرات نمایاں ہو جائیں اور اس میں ذکر کا نور جھلکنے لگے تو اسے ذکر خفی کی رہنمائی کی جائے، ذکر جہری کے اثرات سے مراد یہ ہے کہ اس میں ذوق و شوق پیدا ہو جائے، اللہ کے نام سے اس کے دل کو سکون و چین ملے، پریشان خاطری اور وساوس چھٹ جائیں اور ذات الہی کو ہر چیز سے مقدم سمجھنے اور اسے اولیت دینے لگے۔

جو شخص ہر روز (دن رات میں) دو ماہ یا اس کے لگ بھگ کم و بیش چار ہزار دفعہ اسم ذات (اللہ) کا ذکر ان شرائط اور آداب کے ساتھ باقاعدگی سے کرے جو ہم نے بیان کئے ہیں تو اس کے اثرات کا وہ خود مشاہدہ کرے گا گوذا کرغبی ہو یا تیز فہم۔

ذکر خفی: اب ہم ذکر خفی کا ذکر کرتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی دونوں آنکھیں اور لب

بند کرے اور زبان قلب سے کہے اَللّٰهُ سَمِيعٌ، اَللّٰهُ بَصِيرٌ اَللّٰهُ عَلِيمٌ گویا یہ الفاظ اپنی تاف سے نکالتا ہے سینے تک اور سینے سے نکالتا ہے، دماغ تک اور دماغ سے نکالتا ہے عرش تک! پھر یوں کہا اَللّٰهُ عَلِيمٌ اَللّٰهُ سَمِيعٌ، اَللّٰهُ بَصِيرٌ اپنی منزلوں سے اترتا آئے اور جن پر چڑھا، درجہ بدرجہ آئے، یہ چڑھنے اترنے کا عمل بار بار کرے اور راہ کے بعض شناور اَللّٰهُ قَلْبُیْر کا اضافہ کرتے ہیں۔

پاس انفاس: ذکر خفی میں نفی و اثبات کی ایک صورت وہی ہے جو ہم ذکر جبری کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں، دوسری یہ ہے کہ ذکر اپنے سانسوں پر ہوشیار اور بیدار ہو۔ یعنی جب سانس باہر نکلے تو بلا ارادہ قصد اس کے دل سے آواز نکلے لا الہ اور جب سانس اندر جائے، اسی طرح بغیر ارادہ و قصد دل آواز دے۔ الا اللہ یہ پاس انفاس ہے دل کی صفائی کے لئے اور خطرات و دوساوس اور پریشان خاطر سے نجات حاصل کرنے کے لئے پاس انفاس انتہائی موثر ہے۔

جس وقت سالک راہ کے اندر ذکر خفی کے اثرات ظاہر ہو جائیں اور اس میں ذکر کا نور معلوم ہو، تو اسے مراقبہ کی طرف لگایا جائے، ذکر کے اثرات اور نور سے مراد یہ ہے کہ طالب راہ پر محبت الہی کا غلبہ ہو جائے، وہ ہر دم غور و فکر کی کیفیت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماسوائی پر مقدم سمجھے اور اس کی طلب میں ہمدن وقف ہو جائے، چپ رہنے میں خوشی محسوس کرے زیادہ گفتگو اور بات چیت سے کنارہ کشی اختیار کرے اور دنیوی امور سے دامن چھڑانے میں راحت محسوس کرے۔

مراقبہ: مشائخ صوفیاء کے ہاں مراقبہ کی کئی قسمیں ہیں ان سب کے ضمن میں جامع اور مکمل صورت یہ ہے کہ کوئی آیت قرآنی یا کلمہ زبان سے بولے یا دل میں اس کا خیال کرے اور اس کے معنی کو دل میں اچھی طرح جاگزیں کرے، پھر تصور کرے کہ یہ معنی کیونکر ہیں؟ اور اس کے تحقق اور ثبوت کی کیا صورت ہے۔ پھر دل کو اس صورت میں قائم کرے، یہاں تک کہ اس کے سوا دل میں کسی دوسرے معنی کا گزرنہ ہو اور اس میں استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے یعنی اس کے ماسوائی سے ایک طرح کی غفلت اور بودگی کی صورت ہو۔

مراقبہ کا ثبوت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

سالک دوران مراقبہ اپنی زبان سے کہے، اللہ میرے سامنے موجود ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے یا زبان سے نہ کہے مگر دل میں اس معنی کا تصور کرے، اللہ تعالیٰ کی حضوری، اس کی نظر اور اس کی معیت کو انتہائی مضبوطی اور پختگی کے ساتھ تصور کرے اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس کا ذات مکان اور طرف سے منزہ اور پاک ہے، اس تصور کو یہاں تک لے جائے کہ اس میں استغراق ہو جائے۔ یا اس آیت کا تصور کرے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ اور وہ تمہارے ساتھ تم کہیں ہو۔ (الحمدید: ۴)

اس کی معیت یعنی ساتھ ہونے کا تصور اس قدر پختہ کرے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، تہائی اور لوگوں سے ملاقات، مصروفیت اور فراغت، الغرض ہر صورت میں اس تصور سے غافل نہ رہے یا ان آیات میں سے کوئی آیت پڑھے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَسَمِ وَجْهَ اللّٰهِ

”تو تم جہر منہ کر دو اور اللہ تمہاری طرف متوجہ ہے“ (البقرہ: ۱۱۰)

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى

”تو کیا حال ہو گا کیانہ مانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے“ (العلق: ۱۳)

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ خَبْلِ الْوَرِيْدِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

”اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں“ (ق: ۱۶)

اِنَّ مَعِيَ رَبِّىْ سَتَهْلِكُنِ

”بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے“ (الشعراء: ۶۲)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظّٰهِرُ وَالْبَاطِنُ

”وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن“ (الحمدید: ۳)

یہ مراقبہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کو متعلق کرنے کے سلسلے میں مفید ہیں۔

دنیوی یکھیڑوں سے نجات حاصل کرنے اور ان سے پوری طرح گلوغلا صی کرانے اور سرگرد

صحو کے لئے جو مراقبہ زیادہ فائدہ مند ہے وہ اس آیت کا مراقبہ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

”زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا“

(الرحمن: ۲۷)

اس مراقبہ کی صورت یہ ہے کہ سالک تصور کرے کہ وہ مرکز ایسی راکھ بن گیا ہے جسے ہوائیں اڑا رہی ہیں، آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے، ہر چیز کی شکل و صورت مٹ کر بدل گئی ہے، البتہ اللہ موجود اور باقی ہے دیر تک یہ تصور جمائے، ہوش مندی کے لئے قائمہ مند ثابت ہوگا، اسی طرح اس آیت کا مراقبہ کرے۔

إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفْتَرُونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مَلَأَقِيَكُمْ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَذَرُكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ (النساء: ۸۷)

”تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ لے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو۔“

جس وقت طالب راہ پر اس مراقبہ کے اثرات واضح ہو جائیں اور اس کا نور جھلکنے لگے، تو اسے توحید افعالی کی طرف رہنمائی کی جائے۔ واضح رہے کہ شارع علیہ السلام نے خاص طور پر دو چیزوں کی طرف رغبت اور آمادگی دلائی ہے پہلی چیز ذکر ہے اور دکر وہ ہے جو زبان سے بولا جائے اور دوسری چیز فکر ہے اور فکر سے مراد مراقبہ ہے۔

آئندہ رو نما ہونے والے واقعات کا کشف: بعض مشائخ صوفیا کا کہنا ہے کہ آئندہ رو نما ہونے والے واقعات کے کشف کے بارے میں ہمیں جو تجربہ حاصل ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ طالب راہ اکیلی جگہ اپنی نشست قائم کرے، غسل کرے، عمدہ لباس پہنے، خوشبو لگائے اور مصحف پر بیٹھ جائے، قرآن مجید کا ایک کھلا ہوا نسخہ اپنے سامنے رکھے ایک ایک کھلا ہوا نسخہ اپنے دائیں بائیں رکھے اور ایک نسخہ اپنے پیچھے رکھے اور اپنی توجہ اس طرف مبذول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے انتہائی عاجزی سے دعا کرے کہ بار الہ فلاں مسئلہ یا واقعہ مجھ پر ظاہر فرما، اس کے بعد اسم ذات کا ذکر شروع کرے مگر آنکھیں کھلی رکھے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ذکر کی ایک ضرب دابنے مصحف میں لگائے اور ایک بائیں میں، ایک ضرب پیچھے اور ایک سامنے والے مصحف میں۔ بالآخر وہ دل میں ایک خاص قسم کا نور اور کشادگی محسوس کرے گا، سات روز برابر غفلت میں یہ عمل دہرائے، انشاء اللہ اس پر سارا واقعہ کھل جائے گا۔ ہر چند مشائخ سے یہ اسی طرح منقول ہے تاہم میرے دل میں اس

کے بارے میں کچھ تردد ہے کہ اس میں ایک لحاظ سے قرآن مجید کی سبھا دہلی کا پہلو نکلتا ہے (۱)۔
آنکھ روٹنا ہونے والے واقعات کی اطلاع سے متعلق محدثی میرے والد گرامی علیہ
الرحمۃ کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے گرامی کا ذکر اس طرح کرے یا عَلَیْہِمْ یَا
مُہِیْنُ یَا خَبِیْرُ یہ ذکر اوپر بیان کردہ شرائط کے مطابق ہو جس طرح ہم نے ذکر ایک ضربی یا ذکر دو
ضربی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

کشف ارواح: مشائخ قادریہ نے فرمایا کہ کشف ارواح کے سلسلے میں ہمارے مجرب
طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ شرائط کے ساتھ دائیں طرف مسبوح اور بائیں طرف قدوس کی ضرب
لگائے اسی طرح آسمان میں رب الملائکۃ اور دل میں والروح کی ضرب لگائے۔
مشکل امور کے حل اور مصیبت کو دفع کرنے کے لئے شرائط مذکورہ کے ساتھ جتنی پڑھ سکے
تہجد کی نماز پڑھے پھر دائیں طرف یا سعی اور بائیں طرف یا وہاب کی ضرب لگائے، یہ عمل ایک
ہزار بار کرے۔

دل کی کشادگی اور وسط: دل کی کشادگی اور مشکل میں آسانی کی خاطر دل میں اللہ کی ضرب
لگائے اور لا الہ الاہو کی ضرب اس طرح لگائے جس طرح ہم ذکر نفی و اثبات کے ضمن میں بیان کر
آئے ہیں، پھر دائیں طرف المحی اور بائیں طرف القیوم کی ضرب لگائے۔
مقصد برآری کے لئے: بیمار کے لئے شفاء، تنگدستی سے نجات، رزق کی فراوانی اور دشمن
سے امن کے لئے مناسب ہے کہ اسمائے حسنیٰ میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کسی اسم کا انتخاب
کرے اور اس نام کا دو ضرب یا تین ضرب یا چار ضرب کے ساتھ ذکر کرے مثلاً اپنی طلب کے
مطابق یا صمد (فاقد کی صورت میں) یا رازق (کشائش رزق کے لئے) یا مذل (دشمن کو
مغلوب کرنے کے لئے) کا ذکر کرے، اسی طرح دوسرے اسمائے حسنیٰ کا اپنی حالت کے مطابق
انتخاب کرے۔

(۱) حضرت شاہ صاحب کی رائے صائب ہے۔ (قاسمی)

باب-۵

اشغال مشائخ چشتیہ

یہ حضرات پیشوائے سلسلہ خواجه معین الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین ہیں، چشت آپ کے مشائخ کے گاؤں کا نام ہے رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔

مشائخ چشتیہ کا کہنا ہے کہ امام الاولیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ کی طرف جانے والا سب سے بہتر اور قریب ترین راستہ بتائیے۔ مگر یہ راستہ ایسا ہو، جس پر چلنا اور عمل کرنا بندوں کے لئے سب سے آسان ہو، آپ نے ارشاد فرمایا خلوت میں ذکر الہی کو وظیفہ بنالو انھوں نے پوچھا، حضور ذکر کس طرح کروں، آپ نے فرمایا آنکھیں بند کر لو اور تین دفعہ مجھ سے سنو پھر آپ نے تین دفعہ یہ ذکر کیا لا الہ الا اللہ۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سنتے رہے، پھر اس کے بعد تین دفعہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا لا الہ الا اللہ، آنحضرت ﷺ سنتے رہے، بعد میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن کو اس ذکر کی تعلیم دی۔

اسی طرح درجہ بدرجہ مشائخ کے ذریعہ ہم تک یہ سلسلہ پہنچا، یہ حدیث ہمیں اپنے مشائخ سے معلوم ہوئی ہے محدثین کے نزدیک اس میں لمبی بحث ہے۔

شیخ جس وقت مرید کو ارشاد و تلقین کا ارادہ کرے تو اسے حکم دے کہ وہ روزہ رکھے، اگر یہ بیخ شبہ (نہیں) کا دن ہو تو زیادہ بہتر ہے، پھر اسے تلقین کرے کہ وہ دس بار استغفار کرے اور دس مرتبہ درود پڑھے، پھر مرشد کے اللہ تعالیٰ اپنی محفوظ کتاب میں فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ

”اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیئے“ (النساء: ۱۰۳)

چنانچہ اے سالک راہ کوشش کرو کہ تمہارا کوئی لمحہ ذکر الہی سے خالی نہ گزرے، تمہیں علم ہونا چاہئے کہ تمہارا دل بائیں چھاتی کے نیچے دو انگلیں پر دوایت کیا گیا ہے اور اس کی شکل چلغوزہ کی ہے، اس کے دو دروازے ہیں ایک اوپر کی طرف اور دوسرا نیچے کی طرف، اوپر والا دروازہ ذکر جلی سے اور نیچے والا ذکر خفی سے کھلتا ہے۔

ذکر جلی: جس وقت ذکر جلی کا ارادہ کرو، چار زانو بیٹھو اور اس رگ کو پکڑ لو جسے کیاس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے ملحقہ انگلی کو باکر رکھو، میرے والد گرامی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کیاس وہ رگ ہے جو زانوں کے نیچے ران کی طرف سے اترتی ہے، اسے اس مشکل میں پکڑنا خیالات و خدشات سے چھٹکارے اور روحانی قوت کو ایک جگہ مرکز کرنے کے لئے بے حد فائدہ مند ہے اور یہ عمل دل کو ایک عجیب گرمی اور کیفیت عطا کرتا ہے۔

پھر نماز کی بیست میں قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور اپنی باطنی ہمت کو یکجا کر کے سختی اور کشیدگی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے ذکر کرے لا الہ الا اللہ لفظ ثلاثی سے نکالے اور اسے داہنے مونڈھے تک کھینچے، پھر الہ دماغ کی جھلی (ام الدماغ) سے نکالے گویا اس نے غیر اللہ کی محبت اپنے اندر سے نکال کر پیٹھ کے پیچھے پھینک دی ہے، اب دوسرا سانس لے اور الا اللہ کو دل میں سختی اور قوت کے ساتھ ضرب کرے۔

نفی اثبات کی اس کیفیت میں راہ معرفت کا ابتدائی سالک غیر اللہ سے معبودیت کی نفی کرے متوسط غیر اللہ سے مقصودیت کی نفی کرے اور مفتی اللہ کے ماسوی وجود کی نفی کرے۔

اس ذکر کی اہم اور بڑی شرط یہ ہے کہ سالک اپنے ارادے اور باطنی قوت کو مجتمع کرے اور اس کے منہبوم و معنی کو سمجھے ذکر جلی کرنے والا سالک خوراک میں بہت زیادہ کمی نہ کرے صرف چوتھائی معدہ خالی رکھے اور مناسب ہے کہ کچھ چکنائی استعمال کرے تاکہ دماغ خشکی سے پریشان نہ ہو۔

اگر سالک پاس انفاس کا ارادہ کرے تو اپنے سانسوں کی نگرانی اور حفاظت کرے سانس خارج ہو تو کہے لا الہ گویا وہ خدا کے سوا ہر چیز کی محبت اپنے دل سے خارج کر رہا ہے سانس اندر کھینچے

تو کہے اللہ کو یادہ اپنے دل میں اللہ کی محبت داخل کر کے اسے قائم کر رہا ہے۔
 مشائخِ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ راہِ معرفت کا سب سے بڑا رکن دل کو اپنے مرشد سے جوڑنا ہے، یہ مرشد کی تعظیم اور اس کی صورت کے تصور کی شکل میں ہونا چاہئے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مظاہر بے شمار ہیں، چنانچہ ہر عابد چاہے وہ غبی ہے یا بہترین عقل کا مالک اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اسی کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق ظاہر ہو کر اس کا معبود بناتا ہے، یہی وہ راز ہے جس کے سبب قبلہ کی طرف منہ کرنا اور استواء علی العرش (عرش پر متمکن ہونا) ایسی چیزیں شریعت میں نازل ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھو کے اس لئے کہ نمازی اور قبلہ کے درمیان اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک سیاہ رنگ والی باندی سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ میں کون ہوں تو اس نے انگلی سے اس بات کا اشارہ کیا کہ آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مومنہ ہے۔

پس اے سالک! تمہیں ہر حال میں اللہ ہی کی طرف اپنی توجہ رکھنی ہے اور اسی کے ساتھ ہی اپنے دل کی لو لگانی چاہئے، یہ تصور اور توجہ عرش کے حوالے سے ہی کیوں نہ ہو، یعنی ایسے نور کا تصور جو اللہ نے عرش پر رکھا ہے اور جو اپنی چمک دمک میں چاند سے بھی کہیں بڑھ کر ہے، یا یہ توجہ اور دل کی لو قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر لگائی جائے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، تو یہ ایک طرح سے ایک حدیث کا مراقبہ ہوا۔

جس وقت طالبِ راہ ذکر کے نور سے منور ہو جائے تو اسے مراقبہ کی طرف لگایا جائے، مراقبہ رقیب سے مشتق ہے، رقیب کے معنی محافظ اور نگران کے ہوتے ہیں، اسے مراقبہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ سالک اس کے ذریعہ اپنے دل کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے۔ نیز وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کا نگران اور محافظ ہوتا ہے۔ مراقبہ کے وقت زبان سے کہے یا دل میں خیال کرے اَللّٰهُ حَاضِرٌ عِی، اَللّٰهُ نَاطِرٌ عِی، اَللّٰهُ شَہِیدٌ عِی، اَللّٰهُ مَعِی

یا اس آیت کا مراقبہ کرے **أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ** یا اس تصور کا مراقبہ کرے کہ اللہ سالک اور قبلہ کے درمیان موجود ہے اور وہ مشاہدہ کر رہا ہے۔

مشائخِ چشتیہ کا کہنا ہے کہ جو شخص چلہ نشینی کا ارادہ کرے، وہ چند امور کا بطور خاص التزام کرے۔ ہمیشہ روزے سے رہے، رات کو ہمیشہ قیام کرے۔ کھانا، پینا، بولنا اور لوگوں سے میل ملاقات کم کر دے اور سوتے جاگتے با وضو رہے۔ دل ہمیشہ مرشد کے ساتھ لگائے، غفلت کو اپنے اوپر حرام قرار دے، حجرے میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں بڑھائے تو **أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** کے بعد تین دفعہ **قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ** پڑھے اور جب بائیں پاؤں داخل کرے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ وَلِيّٰ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كُنْ لِّىْ بِمَا كُنْتَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَرْزُقْنِىْ مُجْتَنِّكَ اَللّٰهُمَّ اَرْزُقْنِىْ حُبَّكَ وَاَشْغَلْنِىْ بِجَمَالِكَ وَاَجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُخْلِصِيْنَ اَللّٰهُمَّ اُنْحَ نَفْسِىْ بِجَذَبَاتِ ذٰلِكَ يَا اَنِيسُ مَنْ لَا اَنِيسَ لَهُ۔

”الہی! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے، اسی طرح میری و گھیری کر جس طرح تو نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کرم فرمایا، مجھے اپنی محبت عطا فرما، اپنے جمال کی مشغولیت نصیب فرما اور اپنے مخلص بندوں میں شامل کر بارالہ میرے نفس کو اپنی ذات کی کشش سے آزاد کر، اے ہر اس شخص کے دُوس و رفیق جس کا کوئی مولس و رفیق نہیں، اے اللہ مجھے تنہا اور اکیلا نہ کرنا بلاشبہ تو سب سے بہتر وارث ہے۔

پھر مصلیٰ پر کھڑا ہو کر کیس دفعہ یہ آیت پڑھے۔

اِنِّىْ وَجْهْتُ وَجْهَیْ لِذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

”میں نے اپنے منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں“ (الانعام: ۸۹)

اس کے بعد دو رکعت پڑھے، پہلی رکعت میں آیتہ الکرسی اور دوسری میں **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ** پڑھے، نماز کے بعد طویل سجدہ کرے اور عاجزی و ذاری کے ساتھ دعا مانگے، اس کے بعد یتاقح

پانچ سو بار پڑھے، اس سے فراغت کے بعد ان اذکار میں مشغول ہو جائے جن کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ سالک جس وقت کسی مزار پر جائے تو پہلے دو رکعت میں سورہ انا فتحنا پڑھے پھر میت کے سامنے والے رخ میں اسی کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پشت دے کر بیٹھ جائے اور پہلے سورہ ملک پڑھے پھر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھے، اس کے بعد گیارہ دفعہ سورہ فاتحہ پڑھے اور قبر سے قریب ہو جائے اور اکیس بار یا رب یا رب پڑھے اس کے بعد یا روح کہے اور اسے آسمان میں ضرب کرے پھر یا روح الروح کی دل میں ضرب کرتا رہے یہاں تک کہ دل میں بسط (کشادگی) اور نور کی کیفیت محسوس کرے، اس کے بعد صاحب مزار کی طرف سے اپنے دل میں فیض کا انتظار کرے۔

صلوٰۃ معکوس: مشائخ چشتیہ کے ہاں ایک خاص نماز ہے جسے صلوٰۃ معکوس کا نام دیتے ہیں ہمیں احادیث اور فقہاء کے اقوال میں اس کی کوئی ایسی بنیاد نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے ہم اس پر زور دیں، اس لئے ہم اس کا ذکر ترک کرتے ہیں اور حقیقی علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

صلوٰۃ کن فیکون: اسی طرح ان کے ہاں ایک اور نماز ہے جسے وہ صلوٰۃ کن فیکون کہتے ہیں، ان کے مطابق جسے کوئی انتہائی مشکل مسئلہ پیش آ جائے اسے چاہئے کہ وہ بدھ، خمیس اور جمعہ کی راتوں میں دو رکعت نماز ادا کرے پہلے رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار اور قل ھو اللہ سو بار اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ سو بار اور قل ھو اللہ ایک بار پڑھے، پھر کہے اے ہر دشواری کو آسان کرنے والے اور ہر تاریکی کو دور کرنے والے، پھر سو دفعہ درود پڑھ کر حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، تیسری رات یہ عمل پورا کر کے اپنی چوڑی یا ٹوپی سر سے اتار دے، آستین گلے میں ڈال کر گزرائے اور درود کر پچاس بار اپنی مشکل اور مصیبت کے لئے دعا کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

باب - ۶ اشغال مشائخ نقشبندیہ

یہ حضرات پیشوائے سلسلہ نقشبندیہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و متبعین ہیں رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔

مشائخ نقشبندیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے تین راستے ہیں ان میں پہلا راستہ ذکر الہی کا ہے، ذکر کی ایک صورت ذکر نفی و اثبات ہے اور ذکر کی یہی صورت حقیقت میں مشائخ نقشبندیہ سے منقول ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ توجہ کو منتشر کرنے والی بیرونی چیزوں مثلاً لوگوں کی قیل و قال اور اندرونی باتوں مثلاً شدید بھوک، غصہ، درد اور ضرورت سے زیادہ پیٹ بھرنے ایسی تمام چیزوں سے خالی ہونے کو غنیمت جان کر سالک پہلے موت کو اپنے سامنے موجود سمجھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے کردہ گناہوں کی معافی طلب کرے، پھر اپنے دونوں لب اور آنکھیں بند کر لے اور سانس کو اندر روک کر دل سے کہے لا اے اپنی ناف کے داہنی طرف سے نکالے اور کھینچتا ہوا سونڈھے تک لے آئے پھر کندھے کو سر کی طرف جھکا دے اور ہلائے اور کہے الہ پھر زور سے لا اللہ کو دل میں ضرب کرے۔

جس دم: ان مشائخ کا کہنا ہے جس دم (سانس کو روک کر نکالنا) عشق کو ابھارنے، باطنی نسبت کو مرکوز کرنے، باطنی قوتوں کو بیدار کرنے اور پریشان خیالی اور وساوس سے نجات حاصل کرنے کے سلسلے اکسیر ہے، جس دم کی مشق بتدریج کرنی چاہئے تاکہ طبیعت پر ناقابل برواشت بوجھ نہ پڑے، جس میں افراط نہ کیا جائے۔ خیال رہے کہ مشائخ نقشبندیہ کے جس اور جویگوں کے جس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح طاق عدد کی بھی عجیب خصوصیات اور اثرات ہیں، جس دم میں پہلے ایک دم میں ذکر ایک دفعہ مشق کرے اور پھر ایک دم میں تین دفعہ اس کے بعد طاق اعداد میں ایک ہی سانس میں تعداد بڑھاتا جائے، یہاں تک کہ اکیس تک پہنچ جائے۔

اگر کوئی سالک اکیس بار تک ایک سانس ہی میں جس دم تک پہنچ جائے اور پھر بھی اس پر کششِ ربانی کا دروازہ نہ کھلے اور باطن کے اللہ کی طرف مبذول ہونے اور دوسرے امور سے وحشت کی صورت پیدا نہ ہو تو وہ جان لے کہ اس کا عمل نہیں ہوا۔ اس میں کہیں نہ کہیں کمی رہ گئی ہے، چنانچہ وہ دوبارہ تین سے شروع کر کے اکیس بار تک پہنچے۔

ذکر کے طریقوں میں سے ایک مجرد اثبات ہے، یعنی صرف اللہ کا ذکر کرے۔ اسے خواجہ محمد باقی یا ان کے کسی قریب العصر بزرگ نے نکالا ہے، متقدمین کے یہاں اس کا سراغ نہیں ملا۔ میں نے اپنے والد گرامی سے سنا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر نفی و اثبات سلوک کے لئے مفید تر ہے اور ذکر اثبات خالی جذب اور کشش کے لئے بے حد مفید ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کو جس دم کے ساتھ اپنی ناف سے پوری قوت کے ساتھ نکالے اور اسے ام الدماغ تک کھینچے، اسے آہستہ آہستہ بڑھاتا جائے بعض نقشبندی مشائخ ایک ہی سانس میں ہزار دفعہ تک یہ ذکر کر لیتے ہیں۔ میں نے اپنے والد گرامی کے مریدین میں سے کسی ایک عورت کو دیکھا، وہ ایک ہی سانس میں اسم ذات اللہ کا ہزار سے بھی زیادہ ذکر لیتی تھی۔

میرے والد گرامی اپنے ابتدائے سلوک کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں ذکر نفی و اثبات ایک ہی سانس میں دو سو مرتبہ کر لیتا تھا۔

مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک اللہ تک پہنچنے کا دوسرا راستہ مراقبہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سانس کو تھوڑی دیر کے لئے ناف کے نیچے روکے اور اپنے تمام حواسِ مدرکہ کو اس مجرد اور بسیط معنی کی طرف مرکوز کر دے، جسے ہر سالک اللہ کا نام بولتے وقت تصور کرتا ہے، مگر ایسے افراد بہت کم ہیں جو اس معنی بسیط کا لفظ کے بغیر تصور کر لیں، لہذا سالک کو چاہئے کہ وہ اس معنی بسیط کو الفاظ سے جدا کرے اور اس کی طرف خیالات و خطرات کی مزاحمت اور ماسوائی اللہ کی طرف التفات کے بغیر متوجہ ہو، بعض لوگوں سے اس قسم کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بعض مشائخ ایسے شخص کے لئے ایک

دعا تجویز کرتے ہیں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دعا ہمیشہ دل سے کرے (زبان سے نہیں) اور کہے، اے میرے رب تو ہی میرا مقصود ہے، میں تیرے سوا ہر چیز کو چھوڑ کر تیری طرف آیا ہوں یا اس سے ملتی جلتی دعا مانگے۔ بعض مشائخ ایسے شخص کو خطائے مجر یا نور بسیط کے تصور کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ سالک راہ بدرتج اس تصور سے مذکورہ توجہ کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک وصول الی اللہ کا تیسرا طریقہ اپنے مرشد کے ساتھ کمال درجہ کا رابطہ اور تعلق خاطر ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ مرشد قوی التوجہ اور ”یادداشت“ کو دائمی مشق سے بہرہ ور ہو، ایسے مرشد کی صحبت اختیار کرے تو سوائے اس کی محبت کے اپنی ذات کے ہر شے کے تصور اور خیال سے خالی کرے اور مرشد کے فیض کا منتظر رہے۔ آنکھیں بند کر لے اور اگر کھلی رکھے تو مرشد کی دونوں آنکھوں کے درمیان نظر جمائے جس وقت فیضان کی آمد شروع ہو تو دل کی گہرائیوں سے اس کی حفاظت اور نگرانی کرے اور جب مرشد سامنے موجود نہ ہو تو انتہائی محبت اور تعظیم کے ساتھ اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان خیال کرے۔ اس کی شکل و صورت کا تصور سالک کو وہی فائدہ دے گا جو اس کی صحبت دیتی ہے۔

میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ جس ہیئت اور شکل پر اسے کچھ حاصل ہو، وہ ہیئت اور شکل تبدیل نہ کرے اگر وہ کھڑا ہے تو نہ بیٹھے اور اگر بیٹھا ہے تو کھڑا نہ ہو۔

مشائخ نقشبندیہ میں سے بعض حضرات سالک کو تلقین کرتے ہیں کہ اپنے دل پر اسم ذات اللہ سونے سے لکھا ہوا ہونے کا تصور پاندھے۔

میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میں دس برس کا تھا کہ خواجہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ بخاری نے مجھے اسم ذات لکھنے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے کثرت سے اس کی مشق کی اور اپنے دل میں یہ کیفیت اس قدر جمائی کہ ایک دفعہ ایک کتاب لکھتے ہوئے چار ورق لفظ اللہ لکھ گیا اور مجھے اس کا کوئی احساس نہ ہوا۔

اسی طرح آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خواجہ خوردر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے چاروں انگلیوں پر برابر کچھ لکھتے رہتے تھے۔ مجلس میں بیٹھے ہوں، بات کر رہے

ہوں، غرض کوئی کام کر رہے ہوں، یہ عمل جاری رہتا تھا، میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، ابتدائے عمر میں میں نے اس کی اتنی مشق کی ہے کہ اب اسے چھوڑنا میرے بس میں نہیں رہا۔

مشائخ نقشبندیہ کے ہاں چند اصطلاحات ہیں جو ان کے طریقے اور سلسلے کی اساس ہیں، بعض اصطلاحات سے ان اشغال کی طرف اشارات ملتے ہیں اور بعض کو تاثیر کے لئے کچھ شرائط ہیں، ہم ذیل میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ہوش دردم، ۲۔ نظر بر قدم، ۳۔ سفر در وطن، ۴۔ خلوت در انجمن، ۵۔ یاد کرد، ۶۔ بازگشت، ۷۔ نگہداشت، ۸۔ یادداشت

یہ آٹھ کلمات خواجہ عبدالخالق غجدانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں، اور یہ تین اصطلاحات خواجہ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں۔

۱۔ وقوف زمانی، ۲۔ وقوف قلبی، ۳۔ وقوف عددی۔

ہوش دردم سے مراد یہ ہے کہ ہر سانس پر ہوشیاری اور بیداری یعنی سالک ہر سانس پر ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہے اور فکر مندر ہے کہ اس کا ہر سانس ذکر سے وابستہ ہے یا غفلت پر مبنی ہے۔ اس طرح وہ بتدریج دائمی حضوری کی منزل حاصل کر لے گا، اس طرح کی پابندی مبتدی کے لئے ضروری ہے۔ البتہ جب سالک درمیانی منزل تک آجائے تو وقفے وقفے سے گزرے ہوئے وقت کے سانسوں کا جائزہ لیتا رہے، یعنی کچھ دیر بعد وہ دیکھے کہ اس کا یہ وقت غفلت میں تو نہیں گزرا۔ اگر درمیان میں غفلت آئی ہے تو استغفار کرے اور آئندہ یہ غفلت نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، اس نگرانی اور حفاظت سے بالآخر وہ دائمی حضوری کی منزل کو پہنچ جائے گا۔ یہ دوسرے طریق کی نگرانی اور ہوشیاری وقوف زمانی کہلاتی ہے اور اسے خواجہ نقشبندیہ نے وضع کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس بیداری اور نگرانی کو بار بار نگاہ رکھنا خود متوسط سالک کے لئے پریشان خاطر کی کاموجب ہے، سالک کے لئے اصل بات توجہ الی اللہ میں استغراق ہے۔ اسے استغراق میں توجہ یا عدم توجہ کا علم رکھنے کی پابندی بجائے خود اصل سے توجہ ہٹانے کا باعث ہے۔

نظر بر قدم سے مراد یہ ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ چلتے وقت اپنے قدموں کے

علاوہ کسی چیز کو نہ دیکھے، اسی طرح بیٹھے وقت وہ صرف اپنے سامنے دیکھے۔ مختلف شکلوں اور تعجب آمیز رنگوں کو دیکھنا سالک کی باطنی کیفیت میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور اسے اس چیز سے پھیر دیتا ہے جس کی طلب میں وہ ہے، اسی طرح لوگوں کی باتیں سننے یا ان کے ساتھ زیادہ گفتگو کرنے کا نتیجہ بھی یہی ہے۔

میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ نظر نیچی رکھنا مبتدی کے لئے ہے، رہا راہ طریقت کا منتہی طالب، اس کے لئے واجب ہے کہ وہ اپنے حال میں غور و فکر کرے اور دیکھے کہ وہ کس نبی کے قدم پر ہے، اس لئے کہ بعض اولیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پر ہوتے ہیں اور انہیں کمالات کی جامعیت حاصل ہوتی ہے اور بعض موسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہوتے ہیں علی ہذا القیاس، پھر جب سالک منتہی اپنے پیشوا اور متبوع کو پہچان لے تو اسے چاہئے کہ اپنے احوال، واقعات اور افعال اپنے پیشوا کے احوال و واقعات کے مطابق ڈھالے۔

سفر و وطن سے مراد یہ ہے کہ بشری صفات حمیدہ سے صفات ملکیہ فاضلہ کی طرف پرواز کی جائے، سالک پر فرض ہے کہ وہ برابر اپنے نفس پر نگاہ رکھے اگر اسے ابھی تک نفس میں مخلوق کی محبت کا شائبہ نظر آئے تو از سر نو توبہ کرے اور سمجھے کہ یہ میرا بت ہے پھر لا الہ الا اللہ کہہ کر اس چیز کی محبت کا خیال مٹا دے اور اس کی جگہ دل میں محبت الہی جاگزیں کر دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کے اندرونی حصے میں محبت کی بہت سی رگیں ہیں، انہیں انتہائی باریک بینی اور تجسس کے بغیر تلاش کرنا اور نکالنا ممکن نہیں ہے۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ بغور دل کا جائزہ لے کہ کہیں اس میں کسی کے لئے حسد، کینہ یا کوئی اور نفرت تو موجود نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو اسے ذکر کے اس کلمے پر مداومت کی مدد سے نکال چھینے۔

خلوت درآئین سے مراد یہ ہے کہ اپنے تمام احوال میں دل کو حق تعالیٰ سے شافل رکھے۔ درس و تدریس ہو یا گفتگو، کھانے پینے کی صورت ہو یا چلنے کی، سالک اپنے باطن میں ایسا ملکہ پیدا کرے کہ وہ ان امور کے دوران متوجہ الی الحق رہے۔ خوبہ نقشبند قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِنُهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

سچ تو یہ ہے کہ فقیر کی وضع قطع بنانا اور ہر وقت ذکر کی کیفیت میں رہنا بعض اوقات ریا اور دکھاوے کی طرف لے جاتا ہے، بہتر یہ ہے کہ وضع قطع اور لباس عام لوگوں کا سا ہو مگر تقویٰ، دیانت اور عبادات و طاعات میں ہمت و کوشش فقر کی ہو اور دل ہمیشہ حق تعالیٰ سے لولگائے رکھے۔ خواجہ علی رامیتھی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی شعر میں یہی مفہوم کیا خواب ادا کیا ہے۔

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ دش

ایں چنین زیبا روش کم ی بود اندر جہاں

(اندر سے آشنائی اور باہر سے بیگانگی، دنیا میں اس سے خوبصورت طریقہ اور کوئی نہیں)

”یاد کرو سے مراد یہ ہے کہ سالک مسلسل ذکر میں مشغول رہے چاہے ذکر نفی و اثبات کی صورت ہو یا اثباتِ مجرد کی صورت میں“ اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

”بازگشت“ سے مراد یہ ہے کہ دورانِ ذکر ہر دفعہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تین دفعہ یا چار دفعہ مناجات کرے، یعنی دل کی گہرائی اور حضور سے دعا کرے، اے میرے رب! تو ہی میرا مقصود ہے میں نے دنیا و آخرت تیرے لئے چھوڑی ہے تو مجھے اپنی کامل نعمتیں نصیب فرما اور اپنے وصال سے شاد کام کر، میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”سالک کے لئے یہ دعا بمنزلہ شرطِ عظیم کے ہے لہذا اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس سے غفلت کرے ہمیں جو کچھ ملا ہے یا ہم نے جو کچھ پایا ہے اسی کی برکت سے پایا ہے۔“

”نگہداشت“ سے مراد یہ ہے کہ سالک نفس کے خطرات اور وسوسوں سے نجات حاصل کرے، یعنی وہ ہر وقت بیدار رہے اور دل میں کسی خیال و خطر کو راہ نہ دے، خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خیال و خدشات کے آتے ہی سالک انہیں فوراً ذہن سے نکال پھینکے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ چیزیں کچھ دیر کے لئے رہ گئیں تو نفس ان کی طرف مائل ہو جائے گا اور یہ چیزیں اپنے اثرات پیدا کر لیں گی اور پھر ان کا زائل کرنا مشکل ہوگا۔ چنانچہ نگہداشت کے ذریعہ سالک اپنے دل و دماغ کو خطرات و خدشات کے گزر اور وہم و وسوسے سے بچا سکتا ہے۔

”یادداشت“ سے مراد یہ ہے کہ الفاظ و تخیلات سے خالی ہو کر حقیقت واجب الوجود کی طرف توجہ مبذول کرے۔ سچ بات یہ ہے کہ اس منزل پر فائز نام اور بقائے کامل کے بغیر

استقامت حاصل نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ یہ مقام نصیب فرمائے۔

”وقوف زمانی“ کی تشریح ہم ”ہوش دردم“ کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں۔

”وقوف عددی“ سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر میں طاق عدد کی پابندی کرے۔ اس کا بیان

بھی پہلے گزر چکا ہے۔

وقوف قلبی سے مراد یہ ہے کہ سالک اس (حسی) قلب کی طرف توجہ رکھے، جو بائیں جانب چھاتی کے نیچے ودیعت کیا گیا ہے۔ اس توجہ کی حکمت تقریباً وہی ہے جو مشائخ قادر یہ کے ہاں ذکر میں مختلف صورتوں کی ضربوں میں ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کے کچھ اور عجیب تصرفات ہیں مثلاً کسی خاص مقصد کے لئے باطنی قوت اور ہمت کو مبذول کرنا، اب اس مقصد کا حصول باطنی قوت اور ہمت کے اندازے سے ہوتا ہے۔ طالب راہ میں تاثیر پیدا کرنا، مریض سے بیماری دفع کرنا، گنہگار کو توبہ پر آمادہ کر لینا، لوگوں کے دلوں کو اس طرح پھیر لینا کہ وہ تعظیم و تکریم کرنے لگیں، اسی طرح ان کے خیالات میں تصرف کرنا، یہاں تک کہ بڑے بڑے واقعات متشکل ہو کر سامنے آجائیں۔ زندہ اور وصال کر جانے والے اولیاء اللہ کی نسبتوں پر مطلع ہو جانا، لوگوں کے دلوں میں جو خیالات، خطرات رونما ہو رہے ہیں اور ان کے سینوں میں جو غلطام موجود ہے اس سے باخبر ہو جانا، آنے والے واقعات کا ان پر کھل جانا، نازل ہونے والی مصیبتوں کو دفع کرنا وغیرہ، ہم ذیل میں چند چیزیں بیان کرتے ہیں۔

مشائخ نقشبندیہ کے اکابر، جو فانی اللہ اور بقا باللہ کے مقام پر فائز تھے، تصرفات کے سلسلے میں عجیب شان کے مالک تھے۔ البتہ طالب کے اندر تاثیر پیدا کرنے کے سلسلے میں بعد والے تمام مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد سالک کے نفس ناظر کی طرف متوجہ ہو کر اپنی مضبوط باطنی قوت کے ساتھ اس سے لکرائے اور پھر جمعیت خاطر کے ساتھ اپنی نسبت میں ڈوب جائے، یہ تصرف اس کے بعد ہوگا کہ مرشد کا نفس مشائخ کی نسبتوں میں سے کون سی نسبت کا حامل ہے اور اسے اس نسبت کا ملکہ راسخہ حاصل ہو، یعنی یہ نسبت ہر وقت اس کے قابو میں ہو۔ پھر مرشد کی نسبت طالب کی طرف اس کی لیاقت اور استعداد کے مطابق منتقل ہوگی۔ بعض نقشبندی بزرگ اس توجہ کے ساتھ ذکر اور طالب کے دل پر ضرب لگانے کو بھی شامل کر دیتے ہیں اگر طالب سامنے موجود نہ

ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے توجہ دیتے ہیں۔

ہمت خاطر: ہمت خاطر سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنی مراد حاصل کرنے اور آرزو کو پانے کے لئے اپنی باطنی قوت اور پختہ ارادہ اس طرح قائم کر لے کہ اس مقصود اور مراد کے حصول کی جدوجہد کے سوا اس کے دل میں کوئی خیال بھی نہیں آئے، یہ خیال اور ارادے کی پختگی اور یکسوئی اس طرح ہو جیسے پیاسے پر صرف پانی ہی کی دھن سوار ہوتی ہے۔

مجھے بعض انتہائی ثقہ اور قابل اعتماد مشائخ نے بتایا ہے کہ بعض بزرگ ذکر نفی و اثبات کے دوران یہ مراد لیتے ہیں کہ درپیش مصیبت کو ٹالنے والا اور رزق دینے والا اور کوئی نہیں سوائے اللہ کے وہی اس فعل کا فاعل حقیقی ہے۔

دفع مرض: دفع مرض یعنی بیماری کے دفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ صاحب نسبت اپنے آپ کو مریض خیال کرے اور سمجھے کہ یہ مرض مجھے ہے، اس پر اپنی باطنی ہمت اور توجہ مرکوز کرے۔ اس کے سوا دل میں اور کوئی خیال نہ آنے وے۔ پس یہ بیماری اسی کی طرف منتقل ہو جائے گی، یہ قدرت الہی کا عجیب و غریب کرشمہ ہے۔

افاضہ توبہ: افاضہ توبہ (توبہ کی توفیق پیدا کر دینے کا عمل) کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب نسبت اپنے آپ کو وہ گنہگار خیال کرے (جسے توبہ کرنا چاہتا ہے) اور پھر اس میں ایسی تاثیر کرے، گویا اس کی ذات اور اس گنہگار کی ذات سے مل جائے اور دونوں ذاتوں میں اتصال ہو جائے اس کے بعد دوبارہ یہ عمل شروع کرے، گنہ اور معصیت سے نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، چنانچہ وہ گنہگار جلدی توبہ کر لے گا۔

تصرف قلب: لوگوں کے دلوں میں اس طرح تصرف کرنا کہ وہ محبت کرنے لگیں یا ان کے دماغوں میں ایسا تصرف کرنا کہ ان میں واقعات متشکل ہو جائیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی باطنی قوت اور توجہ کے مطابق شیخ، طالب کے نفس سے ٹکرا جائے اور اسے اپنے نفس سے متصل کر لے، پھر محبت یا واقعہ کی صورت کا تصور کرے اور دل کی گہرائی سے اس کی طرف توجہ کرے، چنانچہ جس کی طرف توجہ کرے گا اس پر اثر ہوگا، اس کے دل میں محبت پیدا ہو جائے گی اور واقعہ اس کے ذہن میں صورت اختیار کر لے گا۔

نستوں پر مطلع ہوتا: اولیاء اللہ کی نستوں پر مطلع ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہے تو اس کے سامنے اور اگر وہ صاحب مزار ہے تو اس کی قبر کے سامنے بیٹھ جائے۔ اپنی ذات کو ہر قسم کی نستوں سے خالی کر لے اور کچھ دیر کے لئے اپنی روح کو اس کی روح تک پہنچا دے، یہاں تک کہ اس کی روح اس کی روح سے متصل ہو اور مل جائے، پھر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے، اب جو کیفیت اپنے اندر محسوس کرے، یہی اس بزرگ کی نسبت ہے۔

اشراف خواطر: اشراف خواطر یعنی دوسرے کے دل کی بات معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ذات کو ہر بات اور پیدا ہونے والے خیال سے خالی کر لے اور اپنی ذات (نفس) کو اس کی ذات تک پہنچا دے، اب عکس یا پرتو کی صورت میں جو بھی بات اس کے دل پر کھٹکے، وہی دوسرے کے دل کی بات ہے۔

آئندہ پیش آنے والے واقعات کے کشف یعنی ان پر مطلع ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو آئندہ پیش آنے والے واقعے کے علم کے انتظار کے سوا ہر چیز سے خالی کر لے۔ جس وقت اس کا دل ہر خیال سے خالی ہو جائے۔ اور اس واقعے کے بارے میں انتظار اس مرتبہ پر آجائے جیسے پیاسے کو صرف پانی ہی کا انتظار اور خیال ہوتا ہے، اپنی روح کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے استعداد کے مطابق ملاء اعلیٰ یا ملاء اسفل کی طرف بلند کرنا شروع کر دے اور صرف اسی بات پر یکسو ہو جائے چنانچہ جلد اس پر سارا واقعہ کھل جائے گا، خواہ غیبی آواز سے ہو، خواہ بیداری کی حالت میں پورا واقعہ نظر آجائے یا خواب میں سامنے آجائے۔

مصیبت کو ٹالنا: نازل ہونے والی مصیبت کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس مصیبت کو ایک خیالی شکل دے پھر اسے دفع کرنے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے پوری قوت اور ہمت کا تصور کرے اور اپنے عزم و ارادے کو اس پر مرکوز کر دے اس کے بعد اپنی روح کو وقفے وقفے سے ملاء اعلیٰ یا ملاء اسفل کی طرف بلند کرے اور اس معاملے میں یکسو ہو جائے عنقریب وہ مصیبت ٹل جائے گی۔

یہ اور ان سے ملتے جلتے تصرفات کی اصل شرط یہ ہے کہ تاثیر دینے والے اور جسے تاثیر دی جا رہی ہے، اسی طرح فیض پہنچانے والے اور جسے فیض پہنچایا جا رہا ہے کا نفس اور روح ایک

دوسرے سے مل جائیں، جو لوگ بدنی حجابات سے پاک ہو گئے ہیں وہ نفس کے اس اتصال اور ملاپ کو بخوبی جانتے ہیں اور اس اتصال اور ملاپ پر قدرت رکھتے ہیں۔
یہ تصرفات اور اشغال جو ہم نے ذکر کئے ہیں، وہ ہیں جنہیں میرے والد گرامی پسند کرتے تھے۔

لطائف ستہ: حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کچھ اور اشغال بھی ہیں، ہم اجمالاً ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں چھ لطائف پیدا کئے ہیں، اپنی اپنی جگہ ان کے حقائق اور خواص جدا جدا ہیں۔ حضرت شیخ اور ان کے خلفاء کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یا نفس ناطقہ کے اعتبارات اور اطراف ہیں، جنہیں ایک اعتبار سے قلب اور دوسرے اعتبار سے روح کہا جاتا ہے۔ یہی نظریہ میرے والد گرامی نے بھی اپنایا اور پسند کیا اور مجھے ان لطائف کی صورت بنا کر سمجھائی۔ آپ نے ایک دائرہ کھینچا اور فرمایا کہ یہ دل ہے پھر اس دائرے کے اندر دوسرا دائرہ بنایا اور کہا کہ یہ روح ہے۔ یہاں تک کہ چھٹا دائرہ کھینچا اور فرمایا کہ یہ میں ہوں، یعنی یہ حقیقت انسانی ہے، پھر فرمایا کہ بعض لطائف بعض کے اندر ہیں وہ اس معاملے میں اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے جو صوفیاء کی زبانوں پر عام طور پر سنی جاتی ہے کہ بلاشبہ انسان کے جسم میں دل ہے اور دل میں روح ہے اسی طرف لطائف ستہ کے آخر تک بیان ہوا، مجھے اس حدیث کے الفاظ پوری طرح یاد نہیں۔

لطائف کے مقام: الغرض حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لطائف میں سے ہر لطیف کو بدن کے کسی نہ کسی عضو سے تعلق اور ارتباط ہے، دل بائیں چھاتی کے نیچے دو انگل پر ہے، روح دائیں چھاتی کے نیچے دل کے برابر ہے۔ سرواہنی چھاتی کے اوپر سینے کے درمیان کی طرف جھکاؤ میں ہے، خفی بائیں چھاتی کے اوپر وسط کی طرف مائل ہے۔ اخفی خفی کے اوپر ہے۔ سروسط میں ہے اور نفس کا مقام دماغ کے نطن اڈل میں ہے، ان اعضا میں سے ہر ایک میں نبض کی مانند حرکت ہے، چنانچہ حضرت شیخ اس حرکت کی حفاظت اور اسے اسم ذات کا ذکر خیال کرنے کا حکم دیتے ہیں اور نفی و اثبات کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سالک لفظ لاتمام لطائف پر پھیلا دے اور ”الا“ دل پر ضرب کرے۔

باب۔ ۷

نسبت کی حقیقت

مشائخ کے تمام طریقوں کا حاصل انسانی نفس کی تہذیب و آرائشی ہے، مشائخ اسے نسبت کا نام دیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سکون قلبی اور نور کی شکل میں اللہ جل شانہ سے انتساب اور ربط کی صورت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ نسبت نفس ناطقہ میں ایک ایسی کیفیت اور حالت کا نام ہے جسے فرشتوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے یا عالم جبروت پر مطلع ہونے کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سالک جب طاعات، طہارات اور اذکار پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا ہو جاتا ہے تو اس کے نفس ناطقہ میں ایک صفت قائم ہو جاتی ہے اور توجہ کا ملکہ راسخ پیدا ہو جاتا ہے یہ دونوں نسبت کی صورتیں ہیں اور ہر صورت کی کئی اقسام ہیں۔

اقسام نسبت: نسبت کی ان اقسام میں ایک عشق و محبت کی نسبت ہے اس سے دل کے اندر محبت کی صفت محکم اور راسخ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک قسم نفس شکنی اور اس کے مرغوبات سے نجات حاصل کر لینا ہے، میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اس نسبت کو نسبت اہل بیت کا نام دیتے تھے۔

نسبت کی ایک قسم نسبت مشاہدہ ہے اس سے مراد ذات مقدس کے مجرد بسیط ہونے کی توجہ کا ملکہ ہے، الغرض حضور مع اللہ کے معنی محبت کے حصول یا نفس شکنی، یا ان کے علاوہ ”یادداشت“ کے مطابق رنگ برنگ ہے، ان رنگوں میں سے کسی رنگ میں نفس کو ملکہ راسخ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس ملکہ کو نسبت کہا جاتا ہے۔ نسبتیں بے شمار ہیں، البتہ صاحب راز ہر نسبت کا علیحدہ علیحدہ ادراک حاصل کر لیتا ہے، اشغال و اوراد سے اصل مقصود نسبت کا حصول، اس پر قائم رہنا اور اس میں ڈوب جانا ہے، تاکہ اس طرح نفس ملکہ راسخ حاصل کر لے۔

یہاں یہ وہم نہ ہو کہ نسبت ان اشغال کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ یہ اشغال وادار نسبت حاصل کرنے کے بہت سارے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہیں۔ نسبت حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں میری غالب رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں سکینت یعنی نسبت حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع تھے، مثلاً نماز کی پابندی، خلوت میں خشوع اور حضور کی پابندی کے ساتھ اللہ کی پاکی اور حمد کا ذکر، ہمہ وقت طہارت سے رہنا، موت کی یاد اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کی مذمت، فرمانبرداروں کے لئے ثواب اور انعام اور گنہگاروں کے لئے عذاب کا ذکر، اس طرح انہیں جسمانی لذات اور خواہشات سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا تھا۔

صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں نسبت حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع یہ تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت پر بیٹھتی اور اس میں غور و فکر، نصیحت کرنے والے الٰہی بات غور سے سننا، احادیث میں سے وہ حدیثیں بطور خاص سننا جن سے دل نرم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کو ان باتوں پر مسلسل عمل کرنے اور انہیں وظیفہ حیات بنالینے کی وجہ سے ملکہ راسخ اور پختا نفسانیہ حاصل ہو گئی تھی، چنانچہ وہ زندگی بھر ان امور کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ پھر یہی مقصود اور حقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریق وراثت ہمارے مشائخ کے طریقوں میں چلی آئی، ہر چندان کے رنگ اپنے اپنے اور حصول نسبت کے طریقے جدا جدا ہیں۔

میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک طویل خواب میں ذکر فرمایا کرتے تھے جس میں انھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد گرامی سید الاولیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور میری نسبت ویسی ہے یا وہی ہے جیسی آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں حاصل تھی۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ نے انہیں نسبت میں استغراق کا حکم فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا ہاں ہاں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

نسبت پر مداومت کرنے والے سالک کے حالات بلند اور درجہ بدرجہ ہوتے ہیں، لہذا سالک انہیں غنیمت جانے اور سمجھے کہ یہ عبادات و طاعات کے قبول ہونے اور نفس کے باطن اور دل کی گہرائیوں میں اثر انداز ہونے کی نشانیاں ہیں۔

ان احوال میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو تمام چیزوں پر مقدم رکھنا اور اس پر غیرت کرنا ہے، امام مالکؒ نے موطا میں حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوطالبہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک خوش رنگ چڑیا ادھر ادھر اڑ رہی ہے اور درختوں کے جھکے ہوئے جھنڈے سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہی ہے۔ اس دل رہا منظر نے تھوڑی دیر کے لئے حضرت ابوطالبہ رضی اللہ عنہ کی توجہ کھینچ لی اور آپ کو یہ احساس نہ رہا کہ کتنی رکعات ادا ہو چکی ہیں اور کس قدر باقی ہیں۔ آگاہی ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ میرا باغ میرے لئے فتنہ ثابت ہوا ہے، میری طرف سے یہ صدقہ ہے، جہاں مرضی آئے اسے خرچ کریں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مشہور قصہ جس میں قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

فَطَلَفِقْ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ

”تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھرنے لگا“ (ص: ۲۳)

اسی قبیل سے ہے۔

ذکر کردہ بلند تر احوال میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف بدن اور جوارح پر ظاہر ہو چنانچہ حفاظ حدیث نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات مخصوص (سات قسم کے لوگوں) کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا، ان میں سے ایک وہ ہوگا جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک قبر پر کھڑے تھے اور روتے روتے آپ کی داڑھی تر ہو گئی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت یہ تھی کہ قیام شب (یعنی تہجد کے نوافل) میں آپ کے سینہ مبارک سے اس طرح جوش کی آواز سنائی دیتی تھی جس طرح ہانڈی سے آتی ہے۔

منجملہ بلند مدارج اور احوال سے سچے خواب ہیں۔ حفاظ حدیث نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، صالح آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھپا لیس حصوں میں

سے ایک حصہ ہے اور آپ نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، سوائے
 مبشرات کے صحابہ نے پوچھا مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اچھا خواب جو نیک شخص دیکھے یا
 اس کے لئے کوئی دوسرا شخص ایسا خواب دیکھے جو نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ
 ہے، چنانچہ درج ذیل آیت کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہوئی ہے کہ بشارت و نبوی سے مراد اچھا خواب
 ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

”انہیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں“ (یونس: ۶۴)

روائے صالح سے مراد خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہے یا جنت
 و دوزخ دیکھنا، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی زیارت، اس طرح متبرک زیارت گاہوں کو دیکھنا
 مثلاً بیت اللہ، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس، یا آئندہ رونما ہونے والے واقعات کہ پھر وہ اسی طرح
 وقوع پذیر ہوں جیسے انہیں دیکھا یا گزرے ہوئے واقعات کا دیکھنا یا انوار اور پاکیزہ چیزوں کا دیکھنا
 مثلاً دودھ پینا، شہد اور گھی کا استعمال کرنا بھی روایے صالح کے ضمن میں آتے ہیں، تفصیلات روایا کی
 کتابوں میں مذکور ہیں اسی طرح خواب میں فرشتوں کو دیکھنا حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص رات
 کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ اس پر اچانک ایک سائبان تن گیا جس میں چراغ نصب
 تھے۔

بلند احوال میں سے ایک فراست صادقہ ہے یعنی دل میں واقعے کا بعینہ متماثل ہو جانا۔
 حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

احوال و مقام کی رفعت کی ایک اور صورت دعا کی قبولیت اور اس چیز کا ظہور ہے، جسے وہ اپنی
 باطنی ہمت کی مدد سے بارگاہ الہی سے طلب کر رہا ہے، غالباً اس حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا
 ہے۔

”بعض ایسے غبار آلود، پریشان مو اور پھٹے پرانے کپڑوں والے لوگ ہیں، جنہیں کوئی
 خاطر میں نہیں لاتا لیکن اگر وہ اللہ کے سہارے پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کر دیتا
 ہے۔“

خلاصہ یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے احوال، سالک کے ایمان کی پختگی، اس کی طاعات قبول ہونے کی نشانی اور اس کے باطن میں نور الہی سرایت کر جانے کی علامات ہیں، لہذا سالک ایسے احوال و منازل کو غنیمت جانے۔

فنا فی اللہ، بقا باللہ: حصول نسبت کے بعد دوسری بلند منزل فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی ہے، مگر اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ مشائخ کی متصل سند کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات منقول نہیں ہوئی، یہ خدا و الوہیت ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بغیر کسی ذریعے اور سلسلے کے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ سے کسی نے ان کے مشائخ کے سلسلے سے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی اللہ تک اپنے سلسلے کے ذریعے نہیں پہنچا، پھر فرمایا، مجھے توفیق ایزدی سے کشش ربانی نے اپنی طرف کھینچا اور یوں میں بھی اللہ تک پہنچ گیا، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ اللہ کی طرف سے ایک کشش کی عنایت، جنات اور انسانوں کے عمل کے برابر ہے، اس کے باوصف حضرت خواجہ نقشبند کا سلسلہ مشہور و معروف ہے جو شخص فنا اور بقا کی بلند منزل کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہے، اسے ہماری دوسری کتابیں پڑھنی چاہیں، اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رہنما ہے۔

باب ۸۔

مجرّب خاندانی عملیات

برائے غنائے قلبی و ظاہری: میرے والد گرامی نے مجھے وصیت فرمائی کہ ہر روز گیارہ سو دفعہ یا مغنی اور چالیس مرتبہ سورہ منزل پابندی کے ساتھ پڑھنا غنائے قلبی اور ظاہری دونوں کے لئے مجرب ہے۔

اسی طرح آپ نے پابندی کے ساتھ ہر روز درود پڑھنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا ہم نے جو پایا درود ہی کی بدولت پایا۔

برائے درودنداں، درودسروغیرہ: والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی دروسریا درود دانت کی شکایت لے کر آئے یا کسی کو ریح ستارہ ہے ہوں تو ایک جھنٹی پر پاک ریت ڈال کر اس پر کسی کیل وغیرہ سے ابجد، حوز، حطی لکھے، پھر نوک دار کیل لے کر الف پر زور سے داب دے اور سورہ فاتحہ پڑھے، دوسری طرف درود والا آدمی اپنی انگلی درود کے مقام پر زور سے دبا کر رکھے اور اس سے پوچھے کہ آرام ہو گیا یا نہیں، اگر آرام ہو گیا تو بہتر، ورنہ کیل حرف ب پر رکھے دوبارہ فاتحہ اور اس سے پوچھے، اگر آرام نہیں ہوا تو اسے ج پر رکھے اور تین دفعہ فاتحہ پڑھے۔ ان فرض جب تک مریض کو آرام نہ آئے کیل اگلے حرف پر رکھتا رہے اور فاتحہ پڑھتا جائے۔ آخری حرف تک جانے کی نوبت نہیں آئے گی کہ اللہ کے فضل سے مریض صحت یاب ہو جائے گا۔

برائے دفع حاجت، واپسی غائب اور شفا کے مریض: والد گرامی فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص کو کوئی مسئلہ پیش آجائے یا کوئی غائب ہو جائے اور ہم چاہتے ہوں کہ وہ صحیح و سالم کامیابی، کامرانی کے ساتھ واپس آجائے یا کوئی بیمار ہو اور اس کی شفا یابی چاہتے ہوں تو فجر کی سنتوں اور فرضوں کے

درمیان اکسالیس بار سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

برائے خوف جنوں و گزیدن سگ دیوانہ: والد گرامی سے میں نے سنا انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی کو باؤلا کتا کاٹ لے یا کسی شخص کے دیوانہ ہو جانے کا خوف ہو تو اسے چالیس دنوں تک ہر روز روٹی کے ایک ککڑے پر یہ آیت لکھ کر کھلاتا رہے۔

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا فَمَهْلِكُ الْكَافِرِينَ أَهْلَهُمْ رُونَدَا

فاتحہ سے نجاہ کے لئے: والد گرامی فرماتے تھے کہ جو شخص ہر رات سورہ واقعہ کی تلاوت معمول بنالے وہ فاتحہ سے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا جو شخص سوتے وقت سورہ کہف کی یہ آیت پڑھے اور اللہ سے دعا کرے کہ مجھے رات کے قلاں حصے میں بیداری ہو جائے، ٹھیک اسی وقت اللہ تعالیٰ اسے بیدار کر دے گا، آیات یہ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا. خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَتَغَوَّن عَنْهَا جَوْلًا. قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا. قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحِي إِلَيَّ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا. (کہف: ۱۰۷-۱۱۰)

برائے حفاظت اطفال: والد گرامی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ تعویذ لکھ کر بچے کے گلے میں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اس بچے کی حفاظت کرے گا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَعَيْنٍ لَا مِثْلَ تَحَصُّنَتْ بِحُضْنِ أَلْفِ أَلْفٍ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ.

برائے امان از ہر آفت: والد گرامی کا ارشاد ہے کہ یہ دعا ہر آفت اور مصیبت سے امان اور پناہ ہے اسے صبح و شام پڑھا جائے۔

بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ

يَكُنْ أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَأَخْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ كُلِّ ذَاۓِمَةٍ اَنْتَ اِجْعَدْ بِنَاصِيَّتِهَا اِنْ رَّبِّىْ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَاَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ اِنَّ وَلِيَّ اللّٰهِ الَّذِى نَزَلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

برائے خوف حاکم: والد گرامی نے فرمایا جس شخص کو کسی حاکم یا آفیسر کا خوف ہے، اسے چاہئے کہ کہے، کھاتے بعض کھیت حمتق حمتق ہر لفظ کا پہلا حرف بولے، اور ہر حرف کے ساتھ دائیں ہاتھ کی ایک ایک انگلی بند کرتا جائے۔ اسی طرح دوسرے لفظ کے ہر ہر حرف کے ساتھ بائیں ہاتھ کی ایک ایک انگلی بند کرتا جائے، پھر اس افسر یا حاکم کے سامنے انہیں کھول دے۔

آیات شفا برائے مریض: والد گرامی فرماتے تھے کہ قرآن مجید کی چھ آیات ہیں جنہیں آیات شفا کہا جاتا ہے، انہیں کسی برتن میں لکھے اور پانی سے دھو کر مریض کو پلائے، وہ آیات یہ ہیں۔

وَيَشْفِ صُدُورٌ قُلُومٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهُ فِىْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِىْ قُلْ هُوَ الَّذِىْۤ اٰمَنُوْا هُدًى وَشِفَآءٌ.

برائے دفع سحر و حفاظت از وزدان وغیرہ: میں نے والد گرامی سے سنا انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ۳۳ آیتیں ہیں جو چار دویغیرہ کے اثر کو زائل کرتی ہیں، چوروں، درندوں، اور شیطان سے محفوظ رکھتی ہیں، وہ آیات یہ ہیں۔

اَلَمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِىْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْثِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَّهٗ مَا فِى

السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ
الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ "الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوَّلَتْهُمْ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى
الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ وَإِنْ تُبَدِّلُوا مَا فِي آنْفُسِكُمْ أَوْ تُخَفُّوهُ يَخَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ "أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ
وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ "أَمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَيْكِهِ وَكِتَابِهِ وَرُسُلِهِ لَا تَنفِرُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ رُسُلُهُ
وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا
وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا إِنَّكَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ. إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى
عَلَى الْعَرْشِ يُغْشَى اللَّيْلُ النَّهَارُ يَطْلُبُهُ حَبِيبًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ
مُسْخَرَاتٌ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ أَدْعُوا رَبَّكُمْ
تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَلَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا
وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ. قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا
الرَّحْمَنَ أَيَّامًا تَدْعُوا فَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ
بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الدَّلِيلِ وَكَبِيرَةٌ كَبِيرًا. وَالصَّلَاتُ صَفَا
قَالَ جَرَبَتْ رَجْرًا فَالتَّلِيَّتِ ذِكْرًا إِنَّ إِلَهُكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

بَيْنَهُمَا رَبُّ الْمَشَارِقِ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى وَيَقْدِرُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُخُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَأَصِيبٌ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ فَهَبَّ قَائِبٌ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنِ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ يَمُغْشِرُ الْجَنِّ وَالْإِنسَ إِنَّ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفِلُوا مِن أَفْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفِلُوا لَا تَنْفِلُوا إِلَّا بِسُلْطَنِ قَبَائِرِ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرِينَ. لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلِيمٌ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. قُلْ أُوْحِي إِلَىَّ أَنَّهُ اسْمَعُ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَأَنَّهُ كَانَ يَفْقُولُ سَفِيهًا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا.

برائے امان از چچک: والد گرامی فرماتے تھے کہ چچک کی بیماری پھوٹ پڑے تو ایک نیلا تاگا لے کر اس پر سورہ الرحمن پڑھے۔ اور ہر دفعہ ”قبای آلآء ربکما تکذبان“ پڑھتے تو تاگے کو گرہ دیتا جائے، سورہ مکمل ہو تو تاگے کو پھونک مارے اور بچے کے گلے میں ڈال دے، اللہ تعالیٰ اسے اس مرض سے محفوظ رکھے گا۔

برائے امان از غرق، آتش، از غارت گری، چوری وغیرہ: میں نے اپنے والد گرامی علیہ الرحمۃ سے سنا آپ نے فرمایا کہ اصحاب کہف کے نام پانی میں ڈوبے، آگے میں جلے، چوری اور ڈکیتی سے محفوظ رہنے کے لئے امان ہیں، یہ نام یہ ہیں۔ یملیخا، مکسلمینا، کشفو طط اذر فطینوس، کشا فطینوس، قبیونس، ہوانس، ہوس اور ان کا کتا قطمیر۔

برائے حل مشکل: اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی اہم مسئلہ درپیش آجائے، وہ

بارہ روز تک ہر دن بارہ سو دفعہ یا بدیع العجایب یا کھیر یا بدیع پڑھے، اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا اس فصل میں جن عملیات کا بیان ہوا ہے یہ وہ ہیں جن کی حضرت والد علیہ الرحمۃ نے دوسرے اعمال کے ساتھ مجھے اجازت عطا فرمائی۔

برائے نماز قضاے حاجت: مشکل حاجات کے پورا ہونے کے لئے چار رکعت نماز ادا کی جائے، پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سو دفعہ یہ آیات پڑھے۔
 لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجِّنُهُ مِنَ النَّعَمِ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ

دوسری رکعت میں یہ آیت سو دفعہ پڑھے۔

رَبِّهِ أَنْبَىٰ مَسْنَىٰ الضُّرِّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ

تیسری رکعت میں سو دفعہ یہ آیت پڑھے۔

وَأَقْوَضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ

چوتھی رکعت میں سو دفعہ یہ آیت پڑھے۔

قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اس کے بعد سلام پھیرے اور سو دفعہ یہ آیت پڑھے
 رَبِّ إِنِّي مَغْلُوبٌ فَأَنْتَصِرُ

برائے رفع آسب: اگر کسی کو آسب کا ظلم ہو تو اس کے ہائیں کان میں سات بار یہ آیت پڑھے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَداً ثُمَّ أَنَابَ

اسی طرح اس کے کان میں سات دفعہ اذان کہے، سورہ فاتحہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، آیتہ الکرسی، سورہ والسماء والطارق، سورہ حشر کی آخری آیات اور سورہ والصف پڑھے، آسب جل جائے گا اس کے علاوہ آسب کے لئے آسب زدہ کے کان میں سورہ مومنون کی یہ آیتیں پڑھے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ فَتَعَلَىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ

لَهُ بِهِ فِائِمًا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ
أَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ

اسی طرح آسیب زدہ کے لئے یہ عمل ہے کہ پاک پانی پر سورۃ فاتحہ، آیتہ الکرسی اور سورۃ جن کی درج ذیل پانچ آیتیں پڑھ کر دم کرے اور مریض کے چہرے پر اس کے چھینٹے مارے مریض ہوش میں آجائے گا۔ اسی طرح اگر کسی مکان میں جن ہو تو اس کے اطراف میں اس پانی کے چھینٹے مارے جن دو بار وہاں نہیں آئے گا۔ وہ آیات یہ ہیں۔

قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا وَأَنَّهُ تَعَلَّى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا وَأَنَا ظَنَنَّا أَنَّ لَنْ نقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا.

جنات سے حفاظت کے لئے: اگر جنات گھر کے قریب ہوں یا گھر میں پتھر پھینکتے ہوں تو لوہے کی چار مینوں پر پچیس پچیس بار یہ آیت پڑھے اور انہیں گھر کے چاروں کونوں میں ٹھوک دے آیت یہ ہے۔

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا فَمَهْلُ الْكَافِرِينَ أَمَهُلُهُمْ رُوْنِدًا اسی طرح گھر کی دیواروں پر اصحاب کہف کے نام لکھنا بھی جنات و آسیب کو بھگانے کے لئے مفید ہیں۔

بانجھ پن کے لئے: بانجھ عورت کے لئے ہرن کی کھال کی جھلی پر زعفران اور گلاب کے پانی سے یہ آیت لکھ کر اس کے گلے میں ڈالے، آیت یہ ہے۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ خُتِمَ بِهِ الْمُؤْتَنَى بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا

اسی طرح بانجھ پن کے لئے یہ عمل ہے کہ چالیس عدد لوگوں پر سات سات بار یہ آیت پڑھے اور ہر روز ایک لوگ عقیقہ عورت کو کھلائے عورت ایام مخصوصہ سے پاک ہونے کے فوراً بعد لوگ شروع کرے اور اس دوران مرد و عقیقہ زوجیت بھی ادا کرے۔

آیت یہ ہے:

أَوْ غَطَّلْنَاهُ فِي بَحْرِ لُجِّي يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ
سَحَابٌ ظَلَمَتْ بَعْضُهَا فَرْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِ يَرْتَهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ
اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ.

برائے اسقاط جنین: جس عورت کا حمل سالم نہ رہتا ہو اور بچہ ساقط ہو جاتا ہو، اس کے لئے
ایک قسم رنگ کا تاگ عورت کے قد کے برابر لے لے اور اس پر نوگر ہیں لگائیں، ہر گرہ پر
وَاضْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ

اور سورہ قل یا ایہا الکافرون پڑھ کر پھونک مارتا جائے تاگاوہ عورت کمر میں باندھے۔
برائے درود: جو عورت کو درود نہ ہو اس کے چھوٹکارے کے لئے یہ آیت اور دعا کا غدر لکھے
اور اس کا تعویذ بنا کر درود والی عورت کی باتیں ران میں باندھے، خدا کے فضل سے جلد بچہ جنے
گی، آیت اور دعا یہ ہے۔

وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَخَفَّتْ إِيَّاهُ اشْرَاهِيَا
میں نے در منشور میں حضرت اعمش کی یہ روایت پڑھی تھی جس میں انھوں نے فرمایا کہ
إِيَّاهُ اشْرَاهِيَا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے، اس کا معنی یہ کہ اے زندہ قبل ہر چیز کے اور زندہ
بعد ہر چیز کے۔

برائے فرزند نرینہ: جس عورت کے ہاں صرف بچیاں پیدا ہوتی ہوں، اس کے لئے حمل پر
تین مہینے گزرنے سے پہلے ہرن کی جھلی پر زعفران اور گلاب کے پانی سے یہ آیات لکھے اور تعویذ
بنا کر اس کے گلے میں ڈالے آیات یہ ہیں۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ
بِسِقْطَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ يَا زَكْرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ
يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا پھر یہ لکھے بِحَقِّي وَمَرْيَمَ إِنَّا صَالِحَا طَوِيلُ الْغُمْرِ
بِحَقِّي مُحَمَّدٍ وَآلِهِ.

جس کا لڑکا زندہ نہ رہتا ہو: مجھے ایک انتہائی بااعتماد اور معتبر شخص نے بتایا کہ جس عورت کا لڑکا زندہ نہ رہتا ہو، اس کے لئے اجوائن اور کالی مرچ پر سوموار کے روز دو پہر کے وقت چالیس بار سورۃ الفتمس پڑھے، ہر دفعہ درود پاک سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے۔ آغاز حمل سے لے کر بچے کے دودھ چھڑانے تک ہر روز یہ عورت دونوں چیزیں کھاتی رہے۔

برائے فرزند زینہ: جس عورت کے ہاں صرف بچیاں ہوتی ہوں، اس کے لئے ایک اور عمل یہ ہے کہ اس کے پیٹ پر انگلی کے اشارے سے ستر دفعہ گول لکیر کھینچے اور ہر دفعہ دائرہ بناتے وقت یا متین کہتا جائے۔

ہم دوبارہ اپنے ابتدائی کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جن اعمال کی اجازت عطا فرمائی ان میں نظر لگنے کا عمل ہے۔

نظر کا علاج: اگر بچے کو کسی عورت کی نظر لگ جائے تو چھری سے ایک گول لکیر کھینچے اور یہ آیات پڑھتا جائے۔

وَقُلْ بَاءَ الْحَقِّ وَزَهَقِ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا وَيُحَقِّقُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ ذَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيَبْطِلَ الْبَاطِلُ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ وَيَمْنَحُوا اللَّهَ الْبَاطِلُ وَيُحَقِّقُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ.

پھر پڑھے

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَعَيْنِ الْأَمَانَةِ يَا حَفِظُ يَا رَقِيبُ يَا كَافِلُ يَا كَفِيلُ فَسَيُخَفِّفُكَ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

اس کے بعد چھری دائرے کے اندر درمیان میں گاڑھے اور کہے کہ میں نے یہ چھری نظر لگانے والی کے دل میں ٹھونک دی ہے پھر اس دائرے کو کسی رکابی وغیرہ سے ڈھانک دے۔

سحر یا نظر سے بچاؤ: سحر یا نظر لگنے سے حفاظت کے لئے ایک عمل یہ ہے کہ بد نظری کرنے والے یا سحر کرنے والے شخص کو سامنے یا جس وقت اپنے طور پر اس کا ذکر کرے نام لے کر کہے اوقلا نے! اس سے اس شخص کو عمل بے اثر ہو جائے گا۔

اسی طرح نظر سے بچنے کا ایک عمل یہ ہے کہ جس وقت اس بات کی تحقیق اور تصدیق ہو جائے کہ مریض کو نظر لگی ہے اور یہ بھی تصدیق ہو جائے کہ فلاں شخص کو نظر لگی ہے تو نظر لگانے والے کا چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور ناف سے گھٹنوں تک کا درمیانی حصہ پانی سے دھلوا لیا جائے اور جسے نظر لگی ہے اس پر یہ پانی چھڑکے مریض فوراً تندرست ہو جائے گا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں جو روایت کی ہے اس کے مطابق نظر لگانے والے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریب قریب یہی حکم ہے۔

نظر کے اثر سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ اور عمل یہ ہے کہ پاک تاگا تین ہاتھ لہا ناپ کر نظر زدہ مریض کے پاس رکھ لے اور مریض پر درج ذیل عزیمت پڑھے، پھر تاگا ناپے، اگر وہ تین ہاتھ سے بڑھ جائے یا کم پڑ جائے تو سمجھ لے کہ مریض کو نظر کا اثر ہے، یہ عمل تین بار دہرانے سے نظر کا اثر ختم ہو جائے گا، عزیمت سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ تین مرتبہ اوسورہ فاتحہ تین دفعہ پڑھے عزیمت یہ ہے۔

عَزَمْتُ إِلَيْكَ أَيُّهَا الْعَيْنُ الْيُفَىٰ يٰهَا مَرِيضُ اور اس کی ماں کا نام لے بَعِزِّ عِزِّ اللّٰهِ وَبِنُورِ عَظَمَةِ وَجْهِ اللّٰهِ بِمَا جَرَىٰ بِهِ الْقَلَمُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِلَىٰ خَيْرِ خَلْقِي اللّٰهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزَمْتُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَيْنُ الْيُفَىٰ فِي فَلَانِ ابْنِ فَلَانَةٍ بِحَقِّ أَنْسَرَاهِيَا بَرَاهِيَا أَذُونِيَا أَصْبَاتِ إِلَّا شَذَائِي عَزَمْتُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَيْنُ الْيُفَىٰ فِي فَلَانِ بْنِ فَلَانَةٍ بِحَقِّ شَهْتِ نَهْتِ انْتَهَتْ يَا قَنْطَاعُ النُّجَا بِالْذِي لَا يَقْشَرُ عَلَيْهِ أَرْضٌ وَلَا سَمَاءٌ أَخْرِجِي يَا نَفْسُ السُّوءِ مِنْ فَلَانِ بْنِ فَلَانَةٍ كَمَا أَخْرَجَ يُوسُفُ مِنَ الْمَضْيِيقِ وَجَعَلَ لِمُوسَىٰ فِي الْبَحْرِ طَرِيقَ وَالْأَفَانَتْ بِرَبِّيَّةٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ وَاللّٰهُ تَعَالَىٰ بَرَىٰ مِنْكَ أَخْرِجِي يَا نَفْسُ السُّوءِ مِنْ فَلَانِ بْنِ فَلَانَةٍ بِالْفِ أَلْفِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ أَخْرِجِي يَا نَفْسُ السُّوءِ بِالْفِ أَلْفِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَنَزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَنْزَلْنَاهَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ قَالَهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ حَسْبُنَا اللّٰهُ

وَبِعَمِّ الْوَكِيلِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ.

سحر زدہ اور مایوس الطلاج کے لئے: جس پر جادو کا اثر یا جس شخص کی بیماری سے اطبا عاجز آچکے ہوں، اس کے لئے چالیس دن ہر روز عینی کی سفید طشتری پر یہ نقش لکھے اور اسے پاک پانی سے دھو کر مریض کو پلاتا رہے۔ میرے والد گرامی اس نقش پر سورہ فاتحہ کا اضافہ فرمایا کرتے تھے، نقش کے الفاظ یہ ہیں۔ يَا حَيُّ جَنَّ لَا حَيُّ لِي دُنِيؤُمِهِ مُلْكِيهِ وَبِقَائِهِ يَا حَيُّ۔

گم شدہ چیز کی واپسی کے لئے: جس کی کوئی چیز کھو جائے وہ بغیر کسی کمی اور زیادتی کے پورے ایک سو انیس بار یا حفظ اور ایک سو انیس بار یہ آیت پڑھے۔

يُنْسَىٰ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ.

اللہ تعالیٰ اس کی گم شدہ چیز واپس کرا دے گا۔

چور کی شناخت: چور کی پہچان کے لئے دو آدمیوں کو آمنے سامنے بٹھا کر انہیں ایک بدھنا تھما دیا جائے جسے وہ اپنی گلے کی دونوں انگلیوں سے پکڑ لیں، مشکوک شخص کا نام کاغذ پر لکھ کر اسے بدھنے میں ڈال دے من المکرمین تک سورہ یٰسین پڑھے۔ اگر وہی شخص چور ہوگا تو بدھنا گھوم جائے گا، اگر نہ گھومے تو دوسرے آدمی کا نام اس میں ڈال کر پھر یہی عمل دہرایا جائے۔ اسی طرح تمام مشکوک آدمیوں کا نام ڈالتا جائے اور من المکرمین تک سورہ یٰسین پڑھتا جائے چور کا نام سامنے آجائے گا۔

بھاگے ہوئے شخص کو واپس لانے کا عمل: اگر کوئی غلام (کوئی شخص) گھر سے بھاگ جائے تو درج ذیل آیات اور دعا کاغذ پر لکھ اس کا تعویذ بنائے اور ایک اندھیری کوٹھری میں اسے دو پتھروں (دو سخت اور وزنی چیزوں) کے درمیان رکھ دے۔ آیات میں فاتحہ اور آیتہ الکرسی لکھے اور یہ دعا لکھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ فَاَجْعَلْ اَللّٰهُمَّ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا فِيْهَا عَلٰی عَبْدِكَ فُلَانٍ بِّنِ فُلَانَةٍ (یہاں بھاگے ہوئے شخص کا نام

(لکھیں)

أَصِيقَ مِنْ خَلْقِهِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَوْلَاةٍ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ
اس کے بعد یہ آیت لکھیے۔

أَوْ كُظِّلُمْتَ فِي بَحْرِ لَجِي يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ
سَخَابٌ ظَلُمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْدِ يَرْثُهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ
اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا
وَنَسِيَ خَلْقَهُ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ
اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ بِحَقِّ هٰذِهِ الْاٰیٰتِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیْکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمْ وَاَنْ تَرُدَّ الْعَبْدَ اِلٰی مَوْلَاةٍ بِرَحْمَتِکَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

حاجت برآری کا عمل: اگر چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری کر دے تو اتوار کے دن سے
فاتحہ کا ورد اس طرح شروع کرے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے میم کو الحمد للہ کے لام سے ملا کر
پڑھے، یہ ورد فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان پہلے روز ستر بار دوسرے روز اسی وقت اسی طرح
ساتھ بار تیسرے دن پچاس بار پڑھے ہر روز دس کم کرتا جائے یہاں تک کہ ہفتے کے دن دس بار
پڑھ کر عمل مکمل کر لے۔

استخارہ: اگر چاہے کہ خواب میں اسے اپنے مشکل مسئلے سے نجات یا اس کے حل کی کوئی
صورت نظر آئے تو وضو کرے اور پاک کپڑے پہن کر قبلہ رو ہو کر دوئی کروٹ پر لیٹ جائے اور
سورہ الفتح سات دفعہ، سورہ واللیل سات دفعہ اور قل هو اللہ سات دفعہ پڑھے۔ ایک روایت میں
قل هو اللہ کی بجائے سورہ واتھین کا سات دفعہ پڑھنا آیا ہے پھر دعا کرے کہ بار اللہ مجھے خواب میں
اپنی حاجت کے حل یا اپنے مشکل مسئلے سے چھٹکارے کی سبیل کی طرف رہنمائی کر اور مجھے خواب
میں اپنی دعا کے قبول ہو جانے کی کوئی علامت دکھا۔ اگر مقصد پورا ہو تو یہی بہتر روز دوسری رات
یہ عمل دہرائے، الغرض ساتویں رات سے پہلے پہلے سارا مسئلہ کھل جائے گا ہمارے کئی احباب اس
کا تجربہ کر چکے ہیں۔

برائے تپ: جسے تپ چڑھتا ہو اس کے لئے یہ تعویذ کاغذ پر لکھ کر اس کے بازو میں باندھے
انشاء اللہ جلد شفا یاب ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بَرَآةٌ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ اِلٰی اُمِّ مِلْدَمٍ (تپ کی
کنیت) اَلْبَنٰی تَاْكُلُ اللَّحْمَ وَتَشْرَبُ الدَّمَّ وَتَهْتَشِمُ الْعَظْمَ اَمَّا بَعْدُ يَا اُمِّ مِلْدَمٍ اِنْ كُنْتُ
مُؤْمِنَةً فَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كُنْتُ يَهُودِيَّةً فَبِحَقِّ مُوسٰی الْكَلْبِیْمِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنْ كُنْتُ نَصْرَانِيَّةً فَبِحَقِّ الْمَسِيْحِ عِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ
لَّا اَكْلَيْتِ (مریض اور ان کی ماں کا نام) لَحْمًا وَلَا شَرِبْتِ لَهٗ دَمًا وَلَا هَتَمْتِ لَهٗ عَظْمًا
وَتَحَوَّلِيْ عَنْهُ اِلٰی مَنْ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ وَلَا
فَاَنْتِ بِرِیْثَةٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاللّٰهُ تَعَالٰی بَرِئٌ مِنْكَ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ وَلَا
حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ
وَسَلَّمَ.

برائے خنازیر: جس کے گلے میں خنازیر ہوں اس کے لئے چڑے کا تسمہ مریض کے قد کے
برابر لے اور اس پر اکتالیس گرہ لگائے، ہر گرہ لگاتے وقت یہ دعا پڑھ کر پھونک مارتا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَةِ اللّٰهِ وَقُوَّةِ اللّٰهِ وَعَظَمَةِ
اللّٰهِ وَبُرْهَانِ اللّٰهِ وَسُلْطَانِ اللّٰهِ وَخَنَفِ اللّٰهِ وَجَوَارِ اللّٰهِ وَاَمَانِ اللّٰهِ وَجَزْرِ اللّٰهِ
وَصُنْعِ اللّٰهِ وَكِبَرِیَآءِ اللّٰهِ وَنَظَرِ اللّٰهِ وَبَهَاءِ اللّٰهِ وَجَلَالِ اللّٰهِ وَكَمَالِ اللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا
اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجَدَ.

برائے سرخ بادہ: جس کے بدن پر سرخ بادہ ظاہر ہو وہ درج ذیل دعاسات بار پڑھے اور
ہر بار چھری سے اس کی طرف اشارہ کرتا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ الْكَرِیْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ بِعِزَّةِ
اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ اَيُّهَا الْحُمْرَةُ جَاءَتْكَ جُنُودٌ مِنَ السَّمَآءِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ
اَيُّهَا الرِّیْحُ اَجِیْبِيْ دَاعِیَ اللّٰهِ وَمَنْ لَّمْ یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّلْجَاةٍ وَمَا لَهٗ مِنْ

ظَهَرَ بِسْمِ اللَّهِ وَبِالْقَاءِ الطَّيِّبِ عَلَى اللَّهِ اللَّهُ يَكْفِيكَ وَاللَّهُ يَشْفِيكَ مِنْ كُلِّ
 ذَاءٍ يُؤْذِيكَ وَمِنْ كُلِّ آفَةٍ تَعْزِيكَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ
 وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَسَلَّم تَسْلِيمًا كَثِيرًا
 بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

برائے ضعف بصر: جس شخص کی بینائی کمزور ہو وہ ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھے، فَكَشَفْنَا
 عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔

برائے مرگی: جو شخص مرگی کے مرض میں مبتلا ہو وہ اتوار کے دن صبح کے وقت تانے کی تختی پر
 ایک طرف یہ کھدائے یا قہار انت الذی لا یطاق انتقامہ اور دوسری طرف یہ کھدائے یا
 مذل کل جبار عنید بقہر عزیز سلطانہ یا مذل اور اسے گلے میں ڈالے۔

باب-۹

علمائے ربانی کے آداب و فرائض

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ
إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور
واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بھیجیں (التوبہ: ۱۲۲)

عالم ربانی جو انبیاء و مرسلین کا جانشین (وارث) ہے وہ ان چند امور کا بطور خاص خیال
رکھے۔ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، سلوک، عقائد اور صرف و نحو کی تعلیم دے، علم کلام، اصول اور منطق کا
ہو کر نہ رہ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ.

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں
پڑھتے اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔ (الجمہ: ۲)
دورانِ تدریس استاد کے لئے چند چیزیں بہت ضروری ہیں۔ لغت کے اعتبار سے نادر
الفاظ کی تشریح کرے، نحوی حیثیت سے مشکل اور مغلق جملوں کی وضاحت کرے، مسائل کی توجیہ
و توضیح جزوی مثالوں سے اس طرح کرے کہ ان کی صورت باندھ دے، دلائل اس طرح اٹھائے

کہ بعض مقدمات دوسرے مقدمات اور لوازمات سے مل کر خود بخود نتیجہ پیدا کرتے جائیں، کئی قاعدوں اور تعریفات کے درمیان قیود اور استثناءؤں کے فوائد کی وضاحت کرے، مسائل کے ضمن میں مختلف تقسیموں میں حصہ کی وجوہات بیان کرے، اسی طرح ظاہر شبہات حل کرے، مثلاً دو مختلف مسالک جو آپس میں خلط ملط نظر آتے ہیں، انہیں توجیہات، عبارات اور مسالک کے لحاظ سے واضح کرے اور جو چیزیں تعریفات میں منتہی ہیں مثلاً استدراک اور خفی تر کا ذکر، انہیں کھول کر بیان کرے، جو چیزیں براہین میں منتہی ہیں مثلاً جزوی ہونا کبریٰ کا سالیہ ہونا صغریٰ کا انہیں وضاحت سے پیش کرے۔

کوئی عالم دین اس وقت تک اپنے تلامذہ کو صحیح فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک وہ مذکورہ امور کی وضاحت نہ کرے اور دوران تدریس جگہ جگہ انہیں آگاہ نہ کرتا رہے۔

اسی طرح ایک عالم ربانی کے فرائض میں شامل ہے کہ اپنے تلامذہ کی روحانی تربیت کے لئے انہیں اشغال کی تعلیم دے، اشغال کا تفصیلی ذکر ہم بیان کر آئے ہیں، اس مقصد کے لئے وہ ایک وقت مقرر کرے، جس میں لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھے، انہیں نسبت کی توجہ دے، اللہ تعالیٰ کی حجت، ممکنہ استطاعت ہی کے ذریعے پوری ہوتی ہے اس کے بعد استطاعت میسرہ کا نمبر آتا ہے استطاعت میسرہ میں صحبت، قول و فعل سے اشغال و اعمال پر ابھارنا اور دل پر تصرف کرنا شامل ہیں اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے اور اللہ کے فرمان ویز کیہم سے اسی طرف اشارہ ہے۔

عالم ربانی کا فرض ہے کہ وہ وعظ و نصیحت سے ذریعے لوگوں کی زندگی میں تبدیلی لائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے۔ **هَذَا كَرَانُ فَعَلِ الذِّكْرَى تَمَّ نَصِيحَتُ فَرَمَاؤُا كَرَّ نَصِيحَتُ كَامِ دَعَا (الاعلیٰ: ۹)**

قصہ کہانیوں سے اجتناب کرے، حدیث کی کتابوں میں روایت کی گئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ وعظ و نصیحت کے کام لیتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں ہمیں ایک روایت ملتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قصہ گوئی نہیں تھی۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ صحابہ کرام قصہ خوانوں کو مسجدوں سے نکلوا دیا کرتے تھے۔ ثابت ہوا کہ قصہ گوئی کا وعظ

وضاحت سے کوئی تعلق نہیں، یہ ناپسندیدہ چیز ہے جبکہ وعظ و نصیحت محمود اور پسندیدہ عمل ہے۔

قصہ گوئی سے مراد یہ ہے کہ عجیب و غریب حکایتیں بیان کرے اور فضائل اعمال وغیرہ کے سلسلے میں غیر مصدقہ روایات کے ذریعے بے جا مبالغہ سے کام لے اور اس سے اس کا مقصد لوگوں کو بتدریج سنت پر عمل کرانا اور انہیں اس کا عادی بنانا نہیں، بلکہ نادر حکایات اور فصاحت و بلاغت سے محض زبان آوری، خود پسندی اور دوسرے لوگوں سے اپنے آپ کو ممتاز ثابت کرنا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قصہ گوئی اور وعظ میں فرق کرنا ضروری ہے، ہم وعظ و نصیحت کے آداب اور فضائل میں آئندہ صفحات میں ایک مستقل باب پر قلم کر رہے ہیں۔

اسی طرح عالم حقانی کا فرض ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے مثلاً وضو اور نماز کے سلسلے میں لوگوں کو آگاہ کرے اگر کسی نے وضو میں پوری رعایت ملحوظ نہیں رکھی تو آواز دے ویل للاحقاب من النار، ایڑیوں کے لئے عذاب دوزخ ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص نماز میں تعدیل ارکان نہیں کرتا تو اسے کہے نماز دوبارہ پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، لباس، گفتگو اور دوسرے امور کے بارے میں بھی لوگوں کو سمجھائے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.

”اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔“

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نرمی اور شفقت سے انجام دے، سختی اور ڈانٹ ڈپٹ امراء اور بادشاہوں کا طریقہ ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ”اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔“ (التحل ۲۵)

علمائے ربانی کے آداب میں سے ہے کہ وہ امکانی حد تک طالب علموں اور روایتوں کی خبر گیری کریں۔ اگر وہ خود کسی وجہ سے یہ خدمت پوری طرح انجام نہ دے سکیں تو اپنے ہم مزاج

برادران طریقت کو ایسے لوگوں کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی ترغیب دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا کریں۔

ہم نے اوپر جو صفات بیان کی ہیں یہ جس شخص میں موجود ہوں اس کے وارث الانبیاء والمرسلین ہونے میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئے۔ بلاشبہ ایسا شخص ملکوت آسمانی میں صاحب عظمت ہے، مخلوق خدا اسے دعا دیتی ہے، یہاں تک کہ مچھلیاں پانی کے اندر اس کے لئے دعا کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، خیال کرنا ایسے شخص کی صحبت غنیمت سمجھنا، اسے ہاتھ سے نہ جانے دینا بلاشبہ ایسے مرد خدا کی صحبت اکسیر اعظم ہے، واللہ اعلم۔

خیال رہے کہ جو شخص ہدایت اور دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہو، اگر اس سے ذکر کردہ امور میں سے کسی امر میں کوتاہی ہو تو جب تک وہ اس کا ازالہ نہ کر لے، اس کی کوتاہی ہی سمجھی جائے گی۔

میں طالب حق کو چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ دو ملت مندوں اور امراء سے صحبت نہ رکھے، البتہ اگر کوئی طالب حق، مخلوق خدا کو ان کے ظلم سے بچانے یا انہیں کا رخصر پر آمادہ کرنے کے لئے ان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے لئے مضائقہ نہیں، اس سے بخوبی ذہن سے وہ غلبان دور ہو جاتا ہے، جس کے مطابق ایک طرف احادیث میں بادشاہوں کی مصاحبت کی مذمت کی گئی ہے دوسری طرف بعض انتہائی صاحب تقویٰ علما نے بادشاہوں کی صحبت اختیار کی ہے۔

میری دوسری وصیت یہ ہے کہ سالک راہ حقیقت نہ تو جاہل پیروں کی صحبت اختیار کرے اور نہ جاہل عبادت گزاروں کی۔ اسی طرح وہ نہ زاہد خشک فقہاء کے قریب پھٹکے اور نہ صرف ظاہر پر عمل کرنے والے محدثین (ظاہریہ) کی پیروی کرے، علوم عقلی اور علم کلام میں غلو کرنے والے صاحبان کے پیچھے بھی نہ لگے۔ سالک راہ حقیقت کو چاہئے کہ وہ عالم صوفی ہو، دنیا سے بے رغبتی کرتے ہوئے ہر وقت متوجہ الی اللہ رہے، اس کی نگاہ بلند ہو، سنت نبوی پر عمل اس کا مطمح نظر ہو، احادیث نبوی اور سیرت صحابہ کا پیروکار ہو، احادیث اور آثار صحابہ کی تشریح و تعبیر کے سلسلے میں ایسے محقق فقہاء پر اعتماد کرے جو عقلیات کی بجائے حدیث سے زیادہ شغف رکھتے ہوں، عقائد کے

سلسلے میں ان علما سے تعلق قائم کرے جو عقائد کی بنیاد حدیث پر رکھتے ہوں، البتہ اپنی بات کو موکد کرنے کے لئے عقلی دلائل پر بھی ان کی نگاہ ہو۔

اصحاب طریقت میں سے ان لوگوں کی اتباع کرے جو علم اور تصوف کے جامع ہوں، ایسے نہ ہوں جو اپنے نفس پر بے جا بوجھ ڈالتے ہیں یا سنت پر اضافہ کرتے ہیں، جو شخص ان صفات کامل نہ ہو، سالک کو اس کی صحبت اختیار نہیں کرنی چاہئے۔

عالم ربانی کے آداب میں سے یہ ہے کہ فقہاء کے مختلف مکاتب اور مسلک میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے پر زور صرف نہ کرے، بلکہ مجموعی طور پر ان تمام فقہی مسلک کو مقبولیت کے درجے پر رکھے، البتہ خود اس پر عمل کرے جو صریح اور مشہور حدیث کے مطابق ہو، اگر فقہاء کے دونوں مسلک احادیث سے استنباط و استدلال کے لحاظ سے برابر ہوں تو اسے اختیار ہے وہ جس مسلک پر چاہے عمل کرے، البتہ وہ تمام مسلک کو کسی تعصب کے بغیر ایک ہی مسلک سمجھے۔

عالم ربانی کی ایک صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ مشائخ صوفیاء کے سلاسل میں سے کسی ایک سلسلے کو ترجیح نہ دے، اسی طرح مجذوب (مغلوب الحال) حضرات پر تکبر کرے اور نہ ان لوگوں سے الجھے جو مسئلہ سماع میں تاویل کرتے ہیں۔ البتہ خود اس راہ پر عمل کرے جو سنت سے ثابت ہے اور جس پر بلند مرتبہ اور محققین علماء عمل پیرا رہے ہیں، حق تعالیٰ توفیق عطا کرنے والا اور مددگار ہے۔

باب - ۱۰

آداب و مقاصد وعظ و نصیحت

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے۔

فَلَذَّيْكَرُ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَّيْكَرُ

”تو تم نصیحت سناؤ تم تو یہی نصیحت سنانے والے ہو“ (الغاشیہ: ۲۱)

حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَذَّيْكَرُهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ

”اور انہیں اللہ کے دلائل یاد دلا“ (ابراہیم: ۵)

وعظ و نصیحت دین کا بڑا رکن ہے، ہم وعظ کے آداب، وعظ کی کیفیت اور خصوصیات اور وعظ و نصیحت سے اصلی غرض و غایت کے بارے میں کچھ بیان کرتے ہیں، نیز اس کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کے دوران کس کس چیز سے مدد لی جائے، یعنی وعظ کا مآخذ کیا ہو، وعظ کن باتوں پر مشتمل ہو اور وعظ سننے والوں کے آداب کیا ہیں اور اس دور کے واعظین کو کون کون سی آزمائش پیش آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست ہے۔

واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ اور متقی ہو اور ان شرائط کا حامل ہو جو راویان حدیث کے لئے ضروری ہے، وہ محدث ہو، مفسر ہو اور مجموعی طور پر سلف صالحین کے حالات اور ان کی زندگیوں سے اچھی طرح باخبر ہو۔

اس کے محدث ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ حدیث کی کتابوں پر عبور رکھتا ہو، یعنی اس نے حدیث کے الفاظ پڑھے ہوں، اس کا معنی و مفہوم سمجھا ہو اور ان کی صحت و سقم کو اچھی طرح جاننا

ہوں چاہے اسے یہ علم کسی حافظ حدیث (محدث) کے ذریعہ حاصل ہوا ہو، چاہے کسی فقیہ کے استنباط سے۔ اس کے مفسر ہونے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ واعظ قرآن مجید کی آیات مشککہ کی توجیہ، تاویل اور اس کی تشریح کے سارے پہلوؤں سے آگاہی رکھتا ہو، نیز اسے سلف کے تفسیری کام سے پوری واقفیت ہو۔

اس کے ساتھ مناسب ہے کہ وہ فصیح اللسان ہو لوگوں کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کرنے کا اسے ملکہ حاصل ہو وہ مہربان صاحب خلق اور صاحب وجاہت ہو۔ جہاں تک وعظ کا تعلق ہے بہتر ہے کہ اس میں مناسب وقدر رکھے (یعنی خاص خیال رہے کہ لوگوں میں اکتاہٹ اور بددنی پیدا نہ ہو، لوگوں کی دلچسپی اور رغبت دیکھ کر وعظ کہے اور ابھی یہ رغبت اور دلچسپی موجود ہو کہ ختم کر دے۔

وعظ و نصیحت کی محفل پاکیزہ اور صاف ستھری جگہ مثلاً مسجد (۱) میں منعقد کی جائے، گفتگو کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام سے کرے اور ختم بھی اسی پر کرے، تمام مسلمانوں بالخصوص حاضرین کے لئے خصوصی دعا کرے۔

وعظ صرف ترغیب و ترہیب (شوق دلانا اور ڈرانا) تک محدود نہ رکھے بلکہ ملاحظہ انداز اپنائے، جیسے اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ ہے کہ وہ وعدے کے ساتھ وعید اور خوشخبری و بشارت کے ساتھ انداز یعنی خوف دلاتا ہے، واعظ کے لئے مناسب ہے کہ وہ آسانی اور نرمی دکھائے نہ کہ سختی اور تنگی، خطاب میں عمومی انداز اپنائے، کسی خاص گروہ، فرقے یا شخص کو نشانہ نہ بنائے، بات کا انداز یہ ہو کہ کچھ لوگ اس طرح کہتے یا کرتے ہیں۔

وعظ میں لغو اور اخلاق سے گری ہوئی بات سے اجتناب کرے، اچھی بات اور عمل کی تحسین کرے اور بری بات کی تحقیر کرے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔

وعظ و نصیحت کے اصل مقاصد حاصل کرنے کے لئے واعظ پہلے اپنے دل میں اعمال، اخلاق، کردار اور زبان پر قابو کے اعتبار سے ایک حقیقی مسلمان کا تصور قائم کرے، یہ تصور قائم کرتے وقت اس کے باطنی احوال اور ذکر و فکر کے ساتھ اس کی دلچسپی اور عمل کو بھی ساتھ ملائے۔

(۱) موجودہ زمانہ میں ہال اور کانفرنس روم وغیرہ میں

پھر اسی جامع اور مکمل انسان کو نشان راو بنا کر آہستہ آہستہ سامعین کے فہم کے مطابق ان کے دلوں میں اسے ثابت اور راسخ کر دے۔ پہلے لباس، نماز اور شکل و صورت وغیرہ کے سلسلے، نیکی اور اچھائی کی خوبیاں اور غلطیاں اور گناہوں کی برائیاں بتائے، ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو انہیں ذکر اذکار کی تلقین کرے، پھر جب ان کے اندر ذکر کا اثر معلوم ہونے لگے تو انہیں دل اور زبان پر قابو رکھنے کی مشق کرائے، ان کے صحیح نتائج حاصل کرنے اور دلوں میں اثرات پیدا کرنے کے لئے گزشتہ واقعات اور ایام اللہ کے تذکرے سے اعانت حاصل کرے اور لوگوں کو بتائے کہ سنت الہیہ کیا ہے؟ انفرادی اور اجتماعی طور پر کامیابی و ناکامی کے پیچھے قدرت کے کون سے عوامل کارفرما ہیں اور اس دنیا میں مختلف قوموں کی تباہی و بربادی کے اسباب کیا تھے۔

اس کے بعد لوگوں کو برائیوں سے بچانے اور بہتر زندگی اپنانے کے لئے موت، عذاب قبر، یوم حساب کی سختی اور عذاب دوزخ سے ڈرائے اور مختلف ترغیبات سے بھی کام لے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

وہ اپنے وعظ کی بنیاد مندرجہ ذیل چیزوں پر رکھے۔

قرآن مجید، جو کچھ اس کی ظاہری عبارت اور تفسیر سے واضح ہو رہا ہے وہ حدیث نبوی، جو محدثین کے ہاں معروف اور رائج ہے، صحابہ کرام، تابعین اور سلف صالحین کے اقوال اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ۔

وعظ میں بے سرو پا قصے بیان نہ کرے، صحابہ کرام نے ایسے قصے کہانیوں کو سخت ناپسند کیا ہے، بلکہ بعض دفعہ ایسے قصہ گو یوں کو مار پیٹ کر مسجدوں سے بھی نکال دیا ہے، اس قسم کے قصے کہانیوں کا تعلق اکثر و بیشتر اسرائیلی روایات سے ہے، ان کے صحیح ہونے کے بارے میں کچھ علم نہیں، سیرت اور شان نزول کے ضمن میں اکثر ان کا بیان ہوا ہے۔

وعظ ترغیب (نیکیوں پر ابھارنا) ترہیب (برائی سے ڈرانا) واضح مثالوں، صحیح اور دل میں رقت پیدا کرنے والی حکایات اور نفع بخش نکات پر مشتمل ہونا چاہئے، یہی وعظ و نصیحت کا صحیح طریقہ ہے۔

وعظ میں جو مسائل بیان ہونے چاہیں ان کا تعلق یا تو حلال و حرام سے ہو، یا مشائخ، صوفیا

کے آداب سے، اسی طرح یا ان کا موضوع دعائیں ہو اور یا عقائد اسلام، اصل بات یہ ہے کہ واعظ جو مسئلہ بیان کرے، وہ اسے اچھی طرح جانتا ہو اور اسے اس کے سکھانے اور تعلیم دینے کا فن بخوبی آتا ہو۔

وعظ کے سامعین کے آداب یہ ہیں کہ وہ واعظ کے سامنے بیٹھیں، کھیل تماشا نہ سمجھیں، شور نہ کریں، آپس میں گفتگو نہ کریں، ہر معاملے میں واعظ سے سوال نہ کریں، اگر کسی کے دل میں کوئی سوال اٹھتا ہے اور اس کا بیان ہونے والے مسئلے سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہے یا مسئلہ اس قدر باریک ہے کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہے تو سائل دوران وعظ خاموش رہے، البتہ علیحدگی میں چاہے تو پوچھ لے، اگر اس مسئلے کا بیان ہونے والے موضوع سے گہرا تعلق ہے مثلاً کسی اجمال کی تفصیل یا مشکل اور نادر بات کی تشریح مقصود ہے تو جس وقت واعظ اپنی گفتگو ختم کرے، آخر میں اس سے دریافت کر لے۔

واعظ کو چاہئے کہ وہ اپنی بات تین دفعہ دہرائے۔

اگر مجلس وعظ میں مختلف زبانیں بولنے والے لوگ موجود ہوں اور واعظ ان زبانوں پر قدرت رکھتا ہو تو انہیں ان کی زبانوں میں سمجھائے، واعظ کو چاہئے کہ وہ مشکل اور بہت مختصر یعنی اجمالی گفتگو سے پرہیز کرے۔

ہمارے زمانے کے واعظین کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ موضوع اور صحیح احادیث کے درمیان فرق سے بے خبر ہیں، بلکہ ان کے وعظ کا زیادہ تر حصہ موضوعات اور محرفات پر مشتمل ہوتا ہے، نمازوں اور دعاؤں کے سلسلے میں وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، محدثین کے نزدیک وہ بیشتر موضوعات (گھڑی ہوئی) پر مشتمل ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ ترغیب و ترہیب کے بیان میں مبالغہ کرتے ہیں، واقعات میں تو خاص طور پر مبالغہ آرائی ہوتی ہے، بالخصوص واقعہ کربلا اور واقعہ وفات وغیرہ۔

باب - ۱۱

مصنف کے سلاسل طریقت

ہماری صحبت اور طریقت و سلوک حاصل کرنے کا سلسلہ صحیح اور متصل و مسلسل سند کے ذریعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ثابت ہے۔ درمیان میں کوئی واسطہ منقطع نہیں ہے، ہر چند طریقت کے مخصوص آداب و اشغال کی شکلیں بعینہ آپ سے ثابت نہیں ہیں، اس بندہ ضعیف ولی اللہ (اللہ اس سے درگزر کرے اور اسے سلف صالحین کے ساتھ شامل کرے) نے ایک لمبا عرصہ اپنے والد گرامی شیخ اجل عبدالرحیم رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل کی، آپ سے علوم ظاہری اور آداب طریقت سیکھے، اور آپ کی کرامات دیکھیں، آپ سے مشکلات کے بارے میں پوچھا اور طریقت و حقیقت کے بے شمار فوائد حاصل کئے ہیں، نیز واردات، احوال اور کرامات، جو آپ کے مشائخ اور آپ سے صادر ہوئیں، دیکھیں اور سنیں، اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور آپ کے مریدین و معتقدین کی طرف سے والد گرامی کو جزائے خیر عطا کرے۔

والد گرامی بہت سارے مشائخ کی صحبت میں رہے، ان میں سے تین انتہائی جلیل القدر ہیں، پہلے خواجہ خورڈ ہیں، انھوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الداد اور خواجہ حسام الدینؒ کی صحبت اٹھائی، جبکہ یہ تینوں حضرات خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے، دوسرے بزرگ سید عبداللہؒ آپ شیخ آدم بنوریؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ شیخ احمد سرہندیؒ کے خلیفہ اور آپ خواجہ محمد باقیؒ کے خلیفہ تھے۔ تیسرے بزرگ خلیفہ ابوالقاسمؒ ہیں، آپ ملا ولی محمدؒ کے فیض یافتہ اور امیر ابوالعلاءؒ کے صحبت یافتہ تھے۔

خواجہ محمد باقیؒ، خواجہ محمد ملکنیؒ کے صحبت یافتہ وہ اپنے والد مولانا درویشؒ کے، وہ مولانا محمد

زائد کے، وہ خواجہ عبید اللہ احرار کے اور امیر ابو العلاء کے صحبت یافتہ تھے، امیر ابو العلاء، امیر عبداللہ کے صحبت یافتہ، وہ امیر یحییٰ کے، وہ خواجہ عبدالحق کے اور وہ خواجہ عبید اللہ احرار کے صحبت یافتہ تھے۔

خواجہ عبید اللہ احرار نے بہت سارے مشائخ کی صحبت اٹھائی، ان میں سے مولانا یعقوب چشتی (چرخ غزنی کا نواحی گاؤں) اور خواجہ علاؤ الدین غجدوائی نمایاں ہیں، یہ دونوں بزرگ بلا واسطہ خواجہ نقشبند سے فیض یافتہ تھے۔ شیخ یعقوب چشتی خواجہ علاؤ الدین عطار کی صحبت میں بھی رہے، اسی طرح خواجہ علاؤ الدین نے خواجہ محمد پارسا کی بھی صحبت اٹھائی، جبکہ یہ دونوں بزرگ خواجہ نقشبند کے بڑے خلفا میں سے تھے۔

خواجہ نقشبند (کتاب باف آپ اور آپ کے والد بھی پیہہ کرتے تھے) نے بہت سے مشائخ کی صحبت پائی، ان میں بزرگ ترین خواجہ محمد بابا ساسی اور ان کے خلیفہ امیر سید کمال ہیں، خواجہ محمد بابا ساسی، خواجہ علی الراحمی کے صحبت یافتہ تھے، وہ خواجہ محمود ابو الخیر حنوی (بخارا کا ایک گاؤں) کے وہ خواجہ عارف ریوکری (بخارا کا ایک قصبہ) کے وہ خواجہ عبدالحق غجدوائی (بخارا کا ایک موضع) وہ خواجہ یوسف ہمدانی کے اور وہ حضرت علی فارمدی (طوس کا قصبہ) کے صحبت یافتہ تھے۔

حضرت علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مشائخ کی صحبت اٹھائی، ان میں دو نمایاں ترین ہیں، ایک امام ابو القاسم قشیری (قشیر قبیلہ کا نام ہے) وہ ابوعلی الدقاق کی صحبت میں رہے، وہ ابو القاسم نصیر آبادی، وہ ابو الحسن انصاری رحمۃ اللہ علیہ، وہ حضرت شبلی اور وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں رہے، حضرت علی فارمدی کے دوسرے شیخ خواجہ ابو القاسم گرگاٹی ہیں، ان کے مرشد ابو عثمان مغربی، ان کے مرشد ابوعلی الکاتب، ان کے مرشد ابوعلی رودباری اور ان کے مرشد حضرت جنید بغدادی ہیں۔

حضرت جنید بغدادی اپنے ماموں سری سقلی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے اور وہ معروف کرفی رحمۃ اللہ علیہ کے، حضرت معروف کرفی نے کئی مشائخ سے فیض حاصل کیا، ان میں دو انتہائی معتبر نام ہیں، پہلے امام علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ اپنے والد موسیٰ کاظم کے، وہ اپنے والد امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کے وہ اپنے والد امام محمد باقر کے، وہ اپنے والد امام زین العابدین کے، وہ اپنے والد امام حسین کے، وہ اپنے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب کے اور وہ سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے۔ معروف کرخیؒ کے دوسرے مرشد حضرت داؤد طائیؒ ہیں، داؤد طائیؒ، فضیل عیاضؒ، حبیب عجمیؒ رحمۃ اللہ اور ذوالنون مصریؒ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے، یہ تینوں حضرات بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی صحبت میں رہے، بالخصوص انھوں نے حضرت حسن بصریؒ کی صحبت اٹھائی۔ ان میں سے تابعین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب سے فیض حاصل کیا ان اصحاب میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آپ کی احادیث کے حافظ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نام نامی نمایاں ہے، یہ ہماری صحبت اور فیض کا سلسلہ ہے جس کے متصل اور صحیح ہونے میں ذرا شک نہیں۔

امام جعفر صادقؒ کو ایک دوسری نسبت اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ سے بھی ہے، یعنی امام جعفر صادقؒ کو نسبت ہے اپنے نانا حضرت قاسم بن محمدؒ سے، انہیں سلمان فارسیؓ سے، انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے۔

ان کے علاوہ ہمارے اور سلاسل بھی ہیں، جن میں بعض صحبت کے سلسلے ہیں اور بعض بیعت اور خرقہ پوشی کے یہ سارے سلسلے ثابت اور متصل ہیں۔

بندہ ضعیف ولی اللہ نے سلسلہ حاصل کیا، (طریقہ لیا) اپنے والد شیخ عبدالرحیمؒ سے، انھوں نے سید عبداللہؒ سے، انھوں نے شیخ آدمؒ سے، انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبدالاحدؒ سے، انھوں نے شاہ کمالؒ سے، شیخ احمد سرہندیؒ کو شیخ سکندرؒ سے اور انہیں اپنے دادا شیخ کمال مذکورؒ سے بھی سلسلہ ملا۔ شیخ کمالؒ نے سید فضیلؒ سے، انھوں نے سید گدار جنؒ سے، انھوں نے سید شمس الدین عارفؒ سے انھوں نے سید گدار جنؒ بن ابوالحسنؒ سے، انھوں نے شمس الدین صحرائیؒ سے، انھوں نے سید عقیلؒ سے، انھوں نے سید بہاء الدینؒ سے، انھوں نے سید عبدالوہابؒ سے انھوں نے سید شرف الدین قتالؒ سے، انھوں نے سید عبدالرزاقؒ سے، انھوں نے اپنے والد بانی سلسلہ الشیخ ابو محمد سید عبدالقادر جیلانیؒ سے، انھوں نے ابوسعید خدریؒ سے، انھوں نے ابوالحسن القرشیؒ سے، انھوں نے ابوالفرح طرطوسیؒ سے، انھوں نے ابوالفضل عبدالواحد التیمیؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبدالعزیز التیمیؒ سے اور انھوں نے ابوبکر شبلیؒ (رحمہم اللہ اجمعین) سے، طریقہ لیا اور نسبت حاصل کی، حضرت شبلیؒ سے آگے سلسلے کی سند بیان ہو چکی ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے مرشد شیخ عبدالرحیمؒ نے اپنا نانا شیخ رفیع الدین محمدؒ کی روح سے بھی آداب طریقت کی تکمیل کی۔ شیخ رفیع الدین محمدؒ نے والد گرامی کی پیدائش سے کئی سال پہلے بطور کرامت انہیں طریقت کی اجازت عطا کی۔ جبکہ انہیں اپنے والد قطب عالم سے اور انہیں نجم الحق چامیلہ سے اور انہیں شیخ عبدالعزیزؒ سے یہ اجازت ملی۔

والد گرامی شیخ عبدالرحیمؒ کے اور بھی کئی طرق اور واسطے ہیں۔ انہیں اجازت عطا کی سید عظمت اللہ اکبر آبادیؒ نے، انہیں اجازت عطا کی اپنے آباء و اجداد نے، انہیں شیخ عبدالعزیزؒ نے، انہیں قاضی خاں یوسف الناصحیؒ نے، انہیں حسن بن طاہرؒ نے، انہیں سید راجی حامد شاہؒ نے، انہیں شیخ حسام الدین مالک پوریؒ نے، انہیں خواجہ نور قطب عالمؒ نے، انہیں اپنے والد علاء الحق بن اسعد لاہوریؒ نے، انہیں افی سرانج عثمان اودھیؒ نے، انہیں شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے، انہیں شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے، انہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے، انہیں خواجہ معین الدین بھریؒ نے، انہیں خواجہ عثمان ہارویؒ نے، انہیں حاجی شریف الزندہؒ نے، انہیں خواجہ مودود چشتیؒ نے، انہیں اپنے والد خواجہ یوسف بن محمد بن سمعان چشتیؒ نے، انہیں اپنے ماموں خواجہ محمد چشتیؒ نے، انہیں اپنے والد خواجہ ابواحمد چشتیؒ نے، انہیں خواجہ ابواسحاق شامیؒ نے، انہیں مشاء علو الدینوریؒ نے، انہیں ابوہمیرۃ المہرئیؒ نے، انہیں حذیفہ المرثیؒ نے، انہیں ابراہیم بن ادہمؒ نے، انہیں فضیل بن عیاضؒ نے، عبدالواحد بن زیدؒ نے، انہیں خواجہ حسن بصریؒ (رحمہم اللہ اجمعین) نے، انہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی۔

اسی طرح میرے والد گرامی نے باطنی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آداب طریقت سیکھے اور وہ اس طرح کہ انھوں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ سے بیعت ہوئے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ذکر نفی و اثبات کی تلقین فرمائی۔ میرے والد گرامی نے حضرت ذکریا علیہ السلام سے بھی طریقت کی تعلیم حاصل کی، انھوں نے والد گرامی کو اہم ذات کی تعلیم دی۔

میرے والد گرامی نے ائمہ طریقت کی ارداح سے بھی فیض حاصل کیا، حضرت شیخ ابو محمد عبدالقادر الجیلانیؒ، خواجہ بہاء الدین محمد نقشبندؒ اور خواجہ معین الدین بن حسن چشتیؒ (رحمۃ اللہ علیہ) کو

انھوں نے خواب میں دیکھا، ان سے اجازتیں حاصل کیں اور ان کے دل پر ان بزرگوں کی اپنی اپنی نسبتوں کا جو فیضان ہوا انھوں نے اسے اچھی طرح معلوم کیا اور جانا، والد گرامی یہ واقعہ ہمیں سنایا کرتے تھے۔

علوم ظاہرہ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، کلام، اصول اور منطق وغیرہ میں نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے، انھوں نے ابتدائی کتابیں اپنے بھائی ابوالرضا محمدؒ سے اور بڑی کتابیں امیرزاہد ہرویؒ سے پڑھیں۔ امیرزاہد ہرویؒ کے دوسری کتابوں پر حواشی مشہور ہیں۔ انھوں نے مرزا فاضلؒ سے انھوں نے ملا یوسف کوچؒ سے، انھوں نے مرزا جانؒ وغیرہ سے، انھوں نے علامہ تفتازانیؒ اور علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ سے یہ علوم پڑھے۔

مشکوٰۃ المصابیح، صحیح بخاری اور باقی صحاح ستہ کی اجازت مجھے، معتمد اور ثقہ عالم حاجی محمد افضلؒ سے ملی، انہیں یہ اجازت شیخ عبدالاحدؒ سے انہیں اپنے والد شیخ محمد سعیدؒ سے اور انہیں اپنے جد امجد شیخ سلسلہ شیخ احمد سرہند رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل سند اپنی جگہ مذکور ہے۔ جو کچھ ہم اس رسالے میں بیان کرنا چاہتے تھے یہ اس کا حرف آخر ہے اور اول و آخر، ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی تعریف و ثنا کا حق وار ہے۔

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

سید عبدالغنی جعفری کلیدی

تحقیق و تعلق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۲۱	مقدمہ	۱
۲۲۳	پہلی فصل	۲
۲۴۰	اشغال نقشبندیہ	۳
۲۴۲	دوسری فصل	۴
۲۴۶	تیسری فصل	۵
۲۴۹	چوتھی فصل	۶
۲۵۳	پانچویں فصل	۷
۲۵۶	چھٹی فصل	۸
۲۵۸	ساتویں فصل	۹
۲۷۳	آٹھویں فصل	۱۰
۲۹۵	نویں فصل	۱۱
۳۰۰	دسویں فصل	۱۲
۳۰۵	گیارہویں فصل	۱۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۰۷	بارہویں فصل	۱۴۔
۳۰۹	تبیح کی سند	۱۵۔
۳۱۰	دلائل الخیرات کی سند	۱۶۔
۳۱۲	حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ و مشائخ حرمین کے مختصر حالات	۱۷۔
۳۱۲	شیخ احمد شاہوی	۱۸۔
۳۱۳	شیخ احمد قشاشی	۱۹۔
۳۱۷	سید عبدالرحمن ادریسی المکوب	۲۰۔
۳۱۹	شمس الدین محمد بن العلا بابلی	۲۱۔
۳۲۰	شیخ عیسیٰ جعفری مغربی	۲۲۔
۳۲۱	محمد بن محمد بن سلیمان مغربی	۲۳۔
۳۲۲	شیخ ابراہیم کردی	۲۴۔
۳۲۵	شیخ حسن عجمی	۲۵۔
۳۲۸	شیخ احمد ضحلی	۲۶۔
۳۲۹	شیخ عبداللہ بن سالم بصری	۲۷۔
۳۳۱	شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنی	۲۸۔
۳۳۵	شیخ تاج الدین قلعی حنفی	۲۹۔
۳۳۷	حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی	۳۰۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب حمد و ثنا خدائے جل شانہ کو ہے جس نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشیر و نذیر کر کے بھیجا یعنی اس کے حکم سے مسلمانوں کو بشارت دینے والے اور کافروں کو ڈرانے اور ان کو سراج منیر یعنی چراغ روشن کیا پھر ان کے اصحاب کو فضیلت بخشی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئے، اور ان کی حدیث شریف سنی اور صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ صحابہ کے بعد تابعین کو فضیلت عطا کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم ظاہر و باطن کی ان سے سند لی جاتی ہے اور ان کے ظاہر و باطن کا اتصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر و مستحکم ہوا سو وہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں، اس کے بندوں پر اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں، اس کی مخلوق ہیں، اور ہدایت کے امام اور تقویٰ کے پیشوا ہیں اور علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اگر روایت اور منقول نہ ہوتا اسناد سے اور اس فہم سے جو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے تو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرتا اور کوئی ہدایت نہ پاتا۔ اور نہ کوئی بشر مقرب ہوتا۔ اللہ جل شانہ کا و صلی اللہ علیہ وسلم خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اس کے بعد کہتا ہے۔ احمد بن عبد الرحیم عمری و ہلوی عرف ”ولی اللہ“ خدا اس کو اور اس کے مشائخ اور والدین کو اپنی رحمت عظمیٰ میں ڈھانک لیوے۔ یہ رسالہ (۱) ہے کہ اس کا نام انتباہ فی سلاسل اونیا، اللہ و اسانید و ارثی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تالیف کیا گیا واسطے تعریف ان سلسلوں مشہورہ کے جن سے یہ فقیر علم ظاہر و باطن میں سند رکھتا ہے، خدا اس تالیف کو خالص ابوہ اللہ کرے اور مجھے اور اور لوگوں کو اس سے نصیب کامل عطا فرماوے۔

(۱) تصوف کے سلاسل میں شاہ صاحب کا یہ ایک اہم رسالہ ہے۔ (قلمی)

مقدمہ: جانتا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس امت محمدیہ پر ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، ان میں سے ایک یہ ہے کہ سلسلوں کا ربط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحیح و ثابت ہے۔ اگرچہ بعض امور میں اوائل امت اور اواخر امت کا اختلاف ہوا ہو تو حضرات صوفیہ صافیہ جو اہل زمانہ میں ہوئے ہیں۔ تو ان کا ارتباط صحبت اور تعلیم اور نفس کی تہذیب کے آداب سے مؤدب ہونے سے تھا۔ اس وقت خرقة اور بیعت نہ تھی اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے زمانہ میں خرقة کی رسم ظاہر ہوئی۔ اور بعد اس کے بیعت کا دستور جاری ہوا۔ اور ارتباط ان امور کے سلسلہ روشن کا متحقق یعنی صحیح و ثابت ہے۔ اور ارتباط یعنی رابطے کی صورتیں جو مختلف ہیں ان سے کچھ ضرر نہیں۔ اور خرقة اور بیعت کی اصل ہے سنت سینہ تو خرقة کی اصل تو الہاس عمامہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو عطا فرمایا تھا۔ جب ان کو امیر لشکر کیا تھا اور بیعت کی اصل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفیض اور متواتر یقینی ہے۔ کچھ پوشیدہ نہیں۔ پس زمانہ اول میں علما کرام کا ارتباط، حدیثیں سننے اور ان کو اپنے دل میں محفوظ کرنا تھا۔ بعد اس کے کتابیں تصنیف ہوئیں اور قرآن اور منادلہ اور اجازت اور وجادت جاری ہوئی اور سلسلوں کا ارتباط ان سب امور میں صحیح ہے۔ اور صورتوں کے اختلاف کا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور ان سب باتوں کی سنت سینہ میں اصل ہے۔

چنانچہ قرآن کی اصل تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور اعرابی کا سوال اور منادلت کی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان لکھنے اطراف بلدان میں اور منادلہ صحیفہ عبداللہ بن جحشؓ اور اسی طور اجازت اور وجادت کے اصلین ہیں جن کا کتب حدیث میں بیان ہے۔ غرض صوفیہ کی رسم قدیم ہے کہ اپنے یاروں کو خرقة پہناتے ہیں خواہ کلاہ، خواہ عمامہ، خواہ قمیص، خواہ قبا، خواہ چار، خواہ ازار جو کچھ میسر ہو۔ اور اس کے تین طریقے ہیں۔ ایک تو خرقة اجازت کہ جب چاہتے ہیں کہ اپنے کسی دوست کو طریقت کی اجازت دیں اور اس کو اپنا نائب کریں۔ تلقین میں اور صحبت میں کہ طالبوں سے بیعت لے اور خرقة عطا کرے تو اس کو خرقة دیتے ہیں۔ سواں کی شرط ان امور کا قبول کرنا ہے۔ دوسری صورت خرقة ارادت ہے کہ جب کوئی عزیز صوفیوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے اور ان کے سے عمل جدوجہد کے کرنے لگتا ہے اس کو خرقة عطا کرتے ہیں کہ اس کی صوفیوں میں

داخل ہونے کی علامت ہو۔ اور اس کی شرط ان امور میں دیکھ لینا ہے کہ وہ جہد و کوشش کرتا ہے۔ ان امور میں اور استقامت رکھتا ہے۔

تیسرا فرقہ تبرک ہے کہ جب کسی پر مہربان ہوتے ہیں کہ صوفیوں کی برکات اس کے شامل حال ہوں اس کو خرقدہ دیتے ہیں، اس میں کچھ شرط نہیں با و شاہ ہو یا امیر یا سوداگر کوئی ہو اور اسی طرح بیعت بھی کئی قسم کی ہے، ایک بیعت تو یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرے سودہ عام ہے ہر مسلمان کے واسطے یعنی جس سے چاہے بیعت کرے اور جو چاہے بیعت لے لیوے اور ایک بیعت تبرک ہے کہ صالحین کے سلسلہ میں داخل ہو سودہ بھی عام ہے اور ایک بیعت تحکیم ہے کہ شیخ کو سلوک طریقہ مجاہدہ میں اپنے پر حاکم کرے اور خوب کوشش سے اس راستے چلے سو یہ خاص ہے۔ ارباب ارادت کے ساتھ بیعت کے طور میں اختلاف ہے، ملک عرب کے کل صوفیوں کی بیعت کی تو یہ صورت ہے کہ شیخ اپنا داہنا ہاتھ مرید کے داہنے ہاتھ پر رکھتا ہے اور انگوٹھے اور انگلیوں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتا ہے اور بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے اور قرآن شریف کی آیتیں پڑھنے کے مرید کہتا ہے۔ اللہم (۱) انی اشہدک واشہد ملائکتک وانبیاءک واولیاءک انی قبلتہ شیخا فی اللہ و مرشدا و داعیا اور شیخ کہتا ہے۔ اللہم (۲) انسی اشہدک واشہد ملائکتک وانبیاءک انسی قبلتہ ولدا فی اللہ۔ اس کے بعد دعا کرے اور ضروری باتوں کی وصیت کرے اور اسی آیت کا اشارہ ہے کہ آیہ کریمہ ید اللہ فوق ید یدیہم میں اور جو طریقہ بیعت اس فقیر کے والد کو خواب میں آنحضرت ﷺ سے بیعت کا معلوم ہوا ہے۔ اور اس فقیر کو بھی آنحضرت ﷺ سے خواب میں معلوم ہوا ہے۔ اس کی صورت مصافحہ کی یہ ہے کہ دو ہاتھ مرید کے شیخ کے دونوں ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور کلمات مبارک جو صحیح حدیث شریف میں وارد ہیں کہتے ہیں۔ اور بعد اس کے کہتے ہیں، اختوت (۳) الطریقة الفلانیة اور اس کا سب ذکر ہم نے کتاب قول الجلیل فی سوانہ السبیل (۴) میں ذکر کر دیا ہے۔ اور اب مقصد کے شروع کا وقت ہے۔

- (۱) اے اللہ میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں اور تیرے ملائکہ اور انبیاء اور اولیاء کو کہ میں نے اس بزرگ کو اپنا شیخ قبول کیا اللہ کی راہ میں اور اپنا مرشد اور اللہ کی طرف چلانے والا قبول کیا۔ (۲) اے اللہ میں بیچک تجھے گواہ کرتا ہوں اور تیرے ملائکہ اور انبیاء اور اولیاء کو کہ میں نے قبول کیا اس کو فرزند اللہ کی راہ میں۔ (۳) میں نے فلاں طریقہ اختیار کیا۔ (۴) یہ سالہ بھی اسی مجموعہ امام شاہ ولی اللہ جلد ششم میں شامل ہے۔ (قاضی)

پہلی فصل (۱)

اس فقیر کو ارتباط بیعت صحبت و خرقہ و فیض توجہ و تلقین عالم باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضور میں حاضر ہوا ہے اور رو برو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھا ہے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مثالیہ و یکمی، اول تو ایک ایسا جسم کہ اس کا اعلیٰ اور اسفل پیرہن رکھتا ہے۔ اور اعلیٰ اسفل سے زیادہ چوڑا ہے اور درمیان اعلیٰ اور اسفل کے تدریج ہے۔ جیسے جسم مخروطی میں ہوتی ہے اور وہ تمثال (صورت) ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص نسبت کی، پھر ایسا معلوم ہوا ایک جسم مدور جیسے ایک طباق زمین پر رکھا ہوا ہے۔ اور اس میں ایک لکڑی گڑھی ہوئی ہو۔ وہ تمثال سالکوں کی نسبت کی ہے، جنھوں نے جذب کا چنداں حصہ نہ پایا ہو، تیسرے ایسی شکل جیسی دوسرے سے مشابہ لیکن وہ اس طرح کہ جیسے لکڑی زمین میں گڑھی ہوئی اور طباق اس کے اوپر ہو۔ وہ تمثال مجذوبوں کی نسبت کی ہے۔ جنھوں نے سلوک کا چنداں حصہ نہیں پایا اور ان تینوں تمثالوں کے دکھانے کے درمیان یہ بات دل میں ڈالی کہ خاص نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ ہے کہ طبقات مجرورہ روحانیہ اور مراتب سفلیہ جسمانیہ سب اپنے اپنے کمالات مناسبہ کے ساتھ متصف ہوں اور مراتب روحانیہ زیادہ قوی ہوں، اور مراتب روحانیہ سے کوئی ایسی چیز نہیں جس کا عالم نسیہ میں خلیفہ اور نمونہ نہیں ہے۔ مثلاً محبت ذاتیہ کا نمونہ کیا ہے۔ محبت افعال اور روح کی اطاعت کا خلیفہ کیا ہے۔ مجددہ ظاہر اور جن لوگوں کو یہ جامعیت نہیں ملی ہے وہ دو

(۱) سلسلہ ولی اللہی

قسم ہیں۔ ایک قسم تو مجذوب ہیں کہ انھوں نے مراتب روحانیہ کی تکمیل کی ہے۔ سوائے مراتب نسبیہ کے ان کی وسعت درجات فقط فوق ہے اور دوسری قسم سالک ہیں کہ مراتب سافلہ کی تکمیل کی ہے، سوائے مراتب روحانیہ کے ان کی وسعت کمالات فقط درجات تحت ہے اور بس جب یہ معرفت جلیلہ میری خاطر میں جے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے سر مبارک گریباں مراقبہ سے اٹھایا۔ اور اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور اشارہ فرمایا بیعت اور مصافحہ کا۔ یہ فقیر اٹھا اور زانو بزا نو متصل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں میں رکھے اور بیعت کی بعد فراغ بیعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک آنکھیں بند کیں، اور اس فقیر نے بھی اپنی آنکھیں ان کے حضور مبارک میں بند کیں۔ اس وقت آپ نے وہی نسبت خاصہ جس کا علم القافر مایا تھا۔ عطا فرمائی تو میں محیط ہو گیا۔ از روئے علم کے اور حاشا للہ کہ اس واقعہ میں کچھ کلمہ و کلام درمیان نہ تھا فقط روحانی فیض تھا۔ یا اشارہ اور فعل تھا اور جب یہ فقیر مدینہ منورہ پہنچا اور ایک مدت تک روضہ انور میں متوجہ رہا۔

سب مراتب جذب و سلوک کے ابتدا سے انتہا تک طے کئے۔ اس وقت اس فقیر کو القاب زکی و حکیم سے ملقب فرمایا اور ایک طریقہ عنایت فرمایا اور جو جو علم میں مشکلات تھیں میں نے پوچھی اور ان کا جواب باصواب پایا۔ ان میں سے اکثر میں نے رسالہ فیوض الحرمین (۱) میں لکھے ہیں اور طریقہ کا بیان رسالہ بمعات (۲) میں میسر ہوا اور ایک ان جوابوں میں سے جو رسالہ فیوض الحرمین میں نہیں لکھا اس میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس فقیر نے ایک وجہ روحانی کلام سے حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا کہ فرقہ شیعہ کے واسطے کیا ارشاد ہے؟ کہ یہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اصحاب رضی اللہ عنہم سے عداوت رکھتے ہیں۔ تو افادہ فرمایا کہ اس جماعت کا مذہب باطل اور ان کے مذہب کا بطلان ظاہر ہو جائے گا جب غور کرو گے لفظ امام کی تعریف میں جو انھوں نے مقرر کی ہے۔ اتنی۔ بعد اس حالت کے افادہ سے میں نے جو غور کی تو معلوم ہوا کہ یہ کہتے ہیں امام معصوم (۳) مفترض (۴) الطاعت ہوتا ہے اور وحی باطنی کی عبارت ہے حکم الہی کے

(۱) فیوض الحرمین جس میں حضرت شاہ صاحب نے اختلافی مسائل اور علمی مشکلات کے جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بیان فرمائے ہیں۔ (۲) یہ رسالہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اول میں شامل ہے جو تصوف پر ایک معرکہ الآراء رسالہ ہے۔ (۳) فاسی (۴) مفترض الطاعت یعنی جس کی تابعداری فرض کی گئی۔

القا ہونے سے باطن میں یا الہام یا امن خطا سے اس مسئلہ میں ثابت کرتے ہیں۔ بطریق اجتہاد کے اور کہتے ہیں کہ اس کو خدا مقرر کرتا ہے لوگوں کے واسطے کہ ان کو احکام الہی پہنچا دے اور فی الحقیقت نبوت کے معنی یہی محصلتیں ہیں، اس واسطے کہ نبی کی تعریف یہی ہے کہ بعثة اللہ لتبلیغ الاحکام یعنی اللہ نے اس کو بھیجا ہے واسطے احکام پہنچانے کے، اس کا حاصل یہی مقرر کرنا۔ اور افترض طاعت ہے تو یہ لوگ درحقیقت ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں (۱) اور اماموں رضی اللہ عنہم کے واسطے نبوت ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ نبوت کا نام نہ لیں اس عقیدہ سے بھی کوئی اور بدرعقیدہ ہے۔ اور عالم ظاہر میں اس فقیر کو وجہ سے بیعت اور صحبت و خرقہ اور اجازت اور تلقین اشغال کے یہ سب امور یا ان میں سے بعضے امور اور سب خانوادوں کے طریقہ سے جو آج کے دن روئے زمین پر مشہور ہیں یا ان میں سے اکثر سے ربط حاصل ہے ان میں سے اس رسالہ میں مشہور خانوادوں کی سند لکھتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ سب طریقوں سے قادر یہ طریقہ عرب اور ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔ اور نقشبند یہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں بہت مشہور ہے اور حرمین میں بھی شائع ہوا ہے اور چشتیہ طریقہ ہندوستان میں بہت مشہور ہے اور سہروردیہ خراسان و کشمیر، سندھ کے نواح میں۔ اور کبریہ طریقہ توران و کشمیر میں اور شطاریہ ہندوستان میں اور شاذلیہ مغرب و مصر اور اس کے نواح اور مدینہ میں فی الجملہ مغرب میں اور عیدر و سیرہ طریقہ حضرموت میں (۲)۔ اس فقیر کا سلسلہ صحبت تہذیب باطن کے طریق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مستفیض متصل یقینی الوقوع ہے کہ ہر ایک رجال سلسلہ نے اپنے شیخ کے ساتھ صحبت رکھی ہے اور آداب طریقہ حاصل کئے ہیں۔ بے شبہ ہر چند تعین ہونا ان آداب و اشغال کا یقینی نہیں ہے۔ پس فقیر ایک مدت حضرت والد بزرگوار کی صحبت میں رہا ہے اور بیعت کی ہے اور آداب طریقہ سے بہت کچھ سیکھا ہے اور طریقوں کے اشغال اخذ کئے ہیں۔ اور خرقہ صوفیان کے ہاتھ سے پہنا ہے اور خلوت میں اس ضعیف پر بہت توجہ فرمائی ہے اور اصل نسبت حضور کی ان کی توجہ سے حاصل کی ہے اور بہت کراہتیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں

(۱) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خاتم المرسلین ہیں، آپ کے بعد سلسلہ نبوت ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہو گیا ہے، یہی صحیح اسلامی عقیدہ ہے اور اسی پر ہمارا ایمان و یقین ہے۔

(۲) یہ مختلف سلاسل صوفیا و مشائخ ہیں، جن میں بعض ہندوستان میں معروف ہیں اور بعض دوسرے ممالک میں

اور واقعات عجیبہ اور اتفاقات غریبہ جو ان کے مشائخ پر واقع ہوئیں ہیں یاد کئے ہیں چنانچہ قسم اول کتاب انفاس العارفین (۱) میں بیان کئے ہیں اور آخر عمر میں اجازت تلقین اور بیعت وصیت و توجہ کی عنایت فرمائی ہیں اور کلمہ یدہ کیدی مکرر فرمایا ہے۔ یعنی اس کا ہاتھ جیسے میرا ہاتھ ہے سوا الحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ اور انھوں نے صحبت رکھی ہے بہت سے شیوخ سے ان میں سے سید عبداللہؒ ہیں۔ کہ انھوں نے صحبت رکھی ہے شیخ آدم بنوریؒ سے انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ سے انھوں نے خولجہ محمد باقیؒ سے انھوں نے خولجہ ملکئیؒ سے انھوں نے مولانا درویش محمدؒ سے انھوں نے مولانا زاہدؒ سے انھوں نے خولجہ عبید اللہ احرارؒ سے اور وہ بہت سے شیوخ کی صحبت میں رہے ہیں کہ ان میں سے مولانا یعقوب چرخیؒ ہیں اور خولجہ علاء الدین غجدوائیؒ ہیں۔ یہ دونوں صحبت میں رہے ہیں۔ خولجہ نقشبندؒ کے بلا واسطہ اور مولانا یعقوب چرخیؒ خولجہ علاء الدین عطارؒ کی صحبت میں بھی رہے ہیں اور خولجہ علاء الدین غجدوائیؒ خولجہ محمد پارساؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔ اور یہ دونوں صاحب بڑے بڑے اصحاب خولجہ نقشبندؒ کی صحبت میں رہے ہیں کہ ان میں بہت بزرگ خولجہ محمد بابا ساسیؒ ہیں اور خلیفہ امیر سید کمالؒ ہیں اور خولجہ محمدؒ کے صحبت میں رہے ہیں۔ خولجہ علی براہمینیؒ کے وہ صحبت میں رہے ہیں خولجہ محمود خیر فغویؒ کے اور خولجہ محمود صحبت میں رہے ہیں خولجہ عارف رپوکریؒ کے، خولجہ عارفؒ رہے ہیں صحبت میں خولجہ عبدالحق غجدوائیؒ کے اور خولجہ عارفؒ رہے ہیں صحبت میں خولجہ عبدالحق غجدوائیؒ کے اور خولجہ عبدالحق صحبت میں رہے ہیں خولجہ یوسف ہمدانیؒ کے خولجہ یوسف صحبت میں رہے ہیں ابوعلی فارمدیؒ کے اور ابوعلیؒ بہت سے شیوخ کی خدمت میں رہے ہیں۔ کہ ان میں دو بہت بزرگ ہیں ایک تو امام ابو القاسم قشیریؒ کہ وہ صحبت میں رہے ہیں ابوعلی دقاقؒ کے اور ابوعلی دقاقؒ ابو القاسم نصیر آبادیؒ کے اور ابو القاسم ابوعلی رودباریؒ کے اور ابو بکر شیلیؒ اور ابو بکر واسطیؒ کے جنھوں نے صحبت پائی ہے سید الطائفہ جنید بغدادیؒ کی اور دوسرے خولجہ ابو القاسم کرگاہیؒ ہیں جو صحبت میں رہے ہیں ابو عثمان مغربیؒ کے اور ابو عثمان ابوعلی کا تبؒ کے اور ابوعلی کا تبؒ ابوعلی رودباریؒ کے اور ابوعلی رودباریؒ جنید بغدادیؒ کے اور جنید بغدادیؒ صحبت میں رہے ہیں اپنے ماموں سری سقطیؒ کے اور سری سقطیؒ معروف کرخیؒ کے اور معروف کرخیؒ صحبت میں

(۱) یہ رسالہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوئم میں شامل ہے۔ (فاکمی)

رہے ہیں بہت سے شیوخ کہ ان میں دو بہت بزرگ ہیں۔

ایک تو امام علی بن موسیٰ رضاؑ وہ اپنے والد امام موسیٰ کی اور وہ اپنے والد امام جعفر صادقؑ کے اور وہ اپنے والد امام محمد باقرؑ اور وہ اپنے والد امام زین العابدینؑ کے اور وہ اپنے والد امام حسینؑ کے اور وہ اپنے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور وہ صحبت میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور دوسرے ان میں کے داؤد طائیؒ کہ وہ صحبت میں رہے حبیب عجمیؒ کی اور وہ حسن بصریؒ کے اور وہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان میں سے انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور سنت رسول اللہ کے حافظ ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جو طریقہ آج کے دن محفوظ ہے۔ اس کا منشاء جنید بغدادیؒ ہیں اور خرقہ بھی محفوظ وہی ہے جو جنید بغدادیؒ کے واسطے سے ہے اور اس سلسلہ سے سید عبداللہؒ حامل تھے اور ان سے اوپر خواجہ محمد باقیؒ تک ہند میں مقتدا صوفیہ کے تھے۔ اور ان کے ارشاد سے ایک عالم منزل مقصود کو پہنچا اور خواجہ امکنہؒ سے خواجہ عبداللہ لائقؒ تک ماوراء النہر کے ملک میں تھے۔ ہر ایک اپنے زمانہ میں صوفیوں کے مرجع اور طالبوں کے مقتدا اور فضل و ارشاد میں مشہور تھے۔ وہ جو حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے کتبوبات میں لکھا ہے اور ان کے پیرواس پر ہیں۔ وہ یہی سلسلہ ہے جو لکھا گیا اور بعض کے شجرہ میں اہل بیت خواجہ محمد امکنہؒ کے لکھا ہے کہ خواجہ محمد امکنہؒ مریدی اور صحبت خفیہ میں خواجہ محمد درویشؒ سے رکھتے تھے اور مولانا زاہدؒ سے بھی ملے ہیں۔ اور یہ دونوں صحبت میں خواجہ عبید اللہ احرار کے رہے ہیں۔ واللہ اعلم

اور خواجہ نقشبندیہؒ سے اوپر طریقہ خواجگان کا کہلاتا تھا اور یہ مل کر ذکر جبر کیا کرتے تھے اور اس طرف خواجہ نقشبند سے طریقہ نقشبندیہ کہلاتا ہے اور انھوں نے خفیہ ذکر پر اکتفا کیا۔ اور خواجہ یوسف ہمدانیؒ سے جنید تک ابوالقاسم قشیریؒ کے طریق سے سب جامع تھے علم ظاہر و علم باطن کے اور محدث تھے اور وعظ کہتے تھے۔ اور ابوالقاسم گرگانیؒ کے طریق سے سب کو مریدوں کے حال کے کشف سے اور ان کے سلوک راہ سے اور ہر ایک کو خصوصیت اپنے شیخ سے اس سلسلہ میں ازراہ صحبت و خرقہ و تلقین کے یقینی ہے کہ اس میں کچھ شک و شبہ کو دخل نہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس سلسلہ میں جو بلا انقطاع پایا جاتا ہے۔ وہ تہذیب قلب و عقل و نفس ہے

لیکن تہذیب لطائف خفیہ کے اور جو حال اس کی تہذیب سے متفرع ہوتے ہیں وہ ثمرات و مواہب (۱) کی قسم سے ہیں اور جاننا چاہئے کہ بفتح موحده و تشدید فون ایک شہر ہے توابع سہرند سے اور سہرند بکسر سین مہملہ و سکون ہا و فتح رائے مہملہ ایک شہر عظیم ہے۔ درمیان لاہور اور دہلی کے اصل میں اس کا نام سہرند ہے۔ یعنی جنگل شیر کا اور فارسی گووں کی زبان پر سہرند مستعمل ہوتا ہے (۲) اور امکانہ ایک موضع کا نام ہے شہر شیراز کے قریب اور اس کو امکانہ بھی کہتے ہیں۔ اور چرخ بنجم فارسی و رای مہملہ اور آخر خائے عجمہ ایک گاؤں کا نام ہے توابع غزنین سے، نقشہ نسبت ہے کم خات بانی کے خرفہ کی طرف کہ یہ اور ان کے والد یہ کام کرتے تھے کذا فی سفینۃ الاولیاء اور نجد وان یغین معجمہ مکسورہ و سکون نیم ایک موضع کا نام ہے۔ توابع بخارا سے یہ یونہی مشہور ہے اور کفوی نے طبقات حنفیہ میں کہا ہے کہ بضم غین عجمہ و سکون نیم و ضم وال مہملہ ایک گاؤں ہے بخارا سے چھ فرسنگ اور لب میں لکھا ہے بفتح دال مہملہ واللہ اعلم الخیر۔

فغنی بفتح قاء سکون غین معجمہ دنون ایک گاؤں ہے بخارا کے توابع سے اور یوکر بکسر راء مہملہ بھی ایک گاؤں ہے۔ توابع بخارا سے راتین بفتح رائے مہملہ و کسر میم و سکون یائے تحتیہ و کسر مشاۃ آخر دنون ایک قصبہ ہے توابع بخارا سے سمای بفتح سین مہملہ کسر سین مہملہ ثانیہ ایک گاؤں ہے توابع شہر طوس سے کہ آج کل اس کو مشہد کہتے ہیں۔ اس گاؤں سے نسبت کر کے سمای کہتے ہیں۔ سین مہملہ ثانیہ کی فتح اور دو یائی سے قشیری نسبت ہے بنی قشیر سے بضم قاف و فتح شین معجمہ عرب کا قبیلہ ہے۔ اور دقاق بفتح یاء قاف اول اور واسطہ ایک شہر ہے درمیان بصرے اور کوفی کے اور رودباری نسبت ہے ایک اطراف کی کہ ان کے اصول کا خشا ہے یعنی آباد اجداد کی پیدائش وہاں ہے کرگان بضم کاف عربی و تشدید مہملہ و کاف عجمیہ ایک گاؤں ہے مشہد کے گاؤں میں سے سری بفتح سین مہملہ و راء مہملہ و تشدید یائی تحتیہ لغت میں بمعنی جوانمرد ہے۔

سقطی نسبت بہ سقط فروشی ہے اور سقط متاع حقیر کو کہتے ہیں۔ اور بعض شجرہ میں سری سقطی مغلس دیکھا ہے مغلس بضم میم و فتح غین معجمہ و تشدید لام و سین مہملہ ساکن لغت میں اسے کہتے ہیں جوج کی نمازرات کی تاریکی میں پڑھے، سلسلہ صوفیہ علما کا سلسلہ بشارت کا لکھنا چاہئے اور طریقہ

(۱) مواہب جمع موبہ بمعنی بخشش۔ (۲) حضرت مہد الف ثانی کا مولود مدفن۔ (قاسمی)

قادریہ کے شعبہ بہت ہیں اور بہت مضبوط اہل حدیث کے نزدیک شعبہ اکبریہ ہے۔ شیخ محی الدین بن عربی کی جہت سے اور بہت مشہور شعبہ جیلانیہ ہے۔ عوام میں سادات جیلانیہ کی جہت سے اور یمن میں بہت مشہور شعبہ مسرعیہ ہے۔

الغرض اس فقیر کو اکثر ان شعبوں سے ارتباط صحیح واقع ہے، پس اس فقیر کو ارتباط بیعت اور صحبت اور خرقہ اور تلقین اور اجازت کی رو سے اپنے والد بزرگوار (۱) سے ہے اور ان کو خرقہ اور تلقین اور صحبت و اجازت کی رو سے سید عبداللہ سے ہے۔ ان کو شیخ آدم بنوری سے ان کو شیخ احمد سہروردی سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالاحد سے ان کو شیخ کمال سے ان کو سید فضیل سے ان کو سید گدارمن سے ان کو سید شمس الدین عارف سے ان کو سید گدارمن بن سید ابوالحسن سے ان کو شمس الدین صحرائی سے ان کو سید عقیل سے، ان کو سید بہاء الدین سے، ان کو سید عبدالوہاب سے، ان کو سید شرف الدین قتال سے، ان کو سید عبدالرزاق سے، ان کو اپنے والد امام الطریقہ ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی سے اور ان کو خرقہ کی جہت سے شیخ عظمت اللہ اکبر آبادی سے بھی ہے ان کو اپنے والد سے اور ان کو اپنے دادا شیخ عبدالعزیز سے ان کو سید ابراہیم ایرجی سے، ان کو شیخ بہاء الدین قادری سے، ان کو حبیبی سید السادات ابوالعباس احمد بن حسن بن موسیٰ بن علی بن محمد بن حسن بن ابوفہر بن ابوصالح بن عبدالرزاق بن قطب ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے والد سے ان کو ان کے دادا سے اسی طور اور پر تک اور اس فقیر کو ارتباط خرقہ کی جہت سے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی سے ہے۔

اور انھوں نے خرقہ پہنا اپنے والد سے اور ان کے والد نے پہنا ہاتھ سے اپنے شیخ احمد قشاشی کے اور ان کو خرقہ قادریہ میں کئی طریقہ ہیں، ایک ان میں سے یہ ہے کہ انھوں نے پہنا ہاتھ سے شیخ احمد شادوی کے ساتھ اس لباس کے جو انھوں نے اپنے والد علی بن القدوس سے پہنا تھا۔ اور علی بن القدوس نے پہنا شیخ عبدالوہاب شعرادی سے انھوں نے جلال الدین سیوطی سے انھوں نے روضہ مصر میں شیخ کمال الدین محمد عرف امام الکاملیہ سے رو بروکعبہ شریف کے انھوں نے شمس الدین محمد بن محمد جزری سے انھوں نے عمر بن حسن بن امیلہ الراغی سے، انھوں نے عز احمد بن

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی

ابراہیم فاروقی سے، انھوں نے امام محی الدین محمد بن علی بن عربی سے قدس سرہ اسراہم اجمعین ورحمنا بہم اور محی الدین عربی نے پہنا جمال الدین یونس بن یحییٰ بن ابوالبرکات ہاشمی عباسی سے، مکہ معظمہ میں سامنے رکن یرمائی کے مسجد الحرام میں اور انھوں نے پہنا شیخ الوقت عبدالقادر جیلانی سے اور ایک اُن طریقوں میں سے یہ ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے پہنا ہاتھ سے اپنے والد اور اپنے شیخ مدنی کے، انھوں نے شیخ امین بن صدیق سے، انھوں نے شیخ سراج الدین عمر جزیکل سے، انھوں نے شیخ عبدالقادر جنید مشرغ سے، انھوں نے اپنے والد جنید بن احمد سے، انھوں نے اپنے والد احمد بن موسیٰ مسرع یمنی سے، انھوں نے شیخ اسماعیل بن صدیق جبرقی سے انھوں نے شیخ محمد مزجاجی سے، انھوں نے شیخ اسماعیل بن ابراہیم جبرقی یمنی سے، انھوں نے شیخ سراج الدین ابوبکر بن محمد سلامی سے، انھوں نے شیخ محی الدین احمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ یوسف اسدی سے، انھوں نے شیخ فخر الدین ابوبکر محمد بن علی بن نعیم سے، انھوں نے شیخ ابواحمد محمد بن احمد بن عبداللہ بن یوسف اسدی سے، انھوں نے اپنے والد ابومحمد احمد بن عبداللہ الاسدی سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبید اللہ بن یوسف اسدی سے، انھوں نے اپنے شیخ عبداللہ بن قاسم بن زریہ سے، انھوں نے شیخ ابومحمد عبداللہ علی اسدی یمنی سے، انھوں نے قطب غوث الفرد الجامع محی الدین ابومحمد عبدالقادر بن ابوصالح جیلانی قدس اللہ روحہ سے پھر شیخ ابومحمد عبدالقادر جیلی نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ ابوسعید مبارک بن علی بن حسین بن بندار بغدادی مخزومی کے، مخزم بکسر رائے مہملہ مشدودہ اور یا نسبت کی ہے اور ایک محلہ کا نام ہے بغداد کے کہ اس کو بزرگی ہوئی وہاں اتری تھی۔

بعض اولاد یزید بن مخزم کی ان سے مشہور ہوا وہ محلہ اس نام سے اس کو ذکر کیا ہے۔ منذری نے ایسا ہی لکھا ہے، طبقات حافظ بن رجب حنبلی میں، اور شیخ ابوسعید نے ہاتھ سے ابوالقرح محمد بن عبداللہ طرطوسی کے ان کو پہنایا ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز بن حارث حمیمی نے ان کو پہنایا ان کے والد عبدالعزیز بن حارث حمیمی اور ان کے استاد ابوبکر بن محمد دلف بن حلف بن محمد بن حنظل شیبی نے ان کو پہنایا سید الطائفہ استاد ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادی نے قدس سرہ و اسرارہم ورحمنا بہم پھر آگے وہی سند مذکور ہے۔ سلسلہ صحبت کی مگر صوفیوں کا اتفاق ہے اس امر پر کہ حسن بصریؒ نے اخذ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ایک گروہ شجرہ لکھنے والوں کے اس مقام پر

سلسلہ نسب کا ثابت کرتے ہیں اور اس میں جائے گفتگو ہے، اس واسطے کہ کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا کہ باطن کی تربیت اس سلسلہ میں ہوئی ہو واللہ اعلم۔

اور وہ سلسلہ یہ ہے کہ سیدی شیخ ابو محمد عبدالقادر جیلانی نے اخذ کیا اپنے والد ابو صالح موسیٰ چنگی دوست سے، انھوں نے اپنے والد سید عبداللہ سے، انھوں نے اپنے والد سید یحییٰ زاہد سے، انھوں نے اپنے والد سید محمد رومی سے، انھوں نے اپنے والد سید داؤد سے، انھوں نے امیر محمد اکبر سے، انھوں نے اپنے والد موسیٰ ثانی سے، انھوں نے اپنے والد سید عبداللہ سے، انھوں نے اپنے والد سید موسیٰ جون سے، انھوں نے اپنے والد سید عبداللہ سے، انھوں نے اپنے والد سید حسن شفی سے، انھوں نے اپنے والد امام حسن بختیاری سے، انھوں نے اپنے والد اور والدہ سید عالمی مرتضیٰ سیدنا فاطمہ الزہراء سے اور ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کتاب غنیۃ الطالبین و فتوح الغیب و مجالس ستین کے جو موقوف ہیں حضرت غوث کے اور اصل طریقہ ان کا ان میں مفصل ہے۔ اس فقیر نے اجازت حاصل کی شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے قشاشی سے، انھوں نے شادوی سے، انھوں نے عبدالرحمن بن عبدالقادر بن عبدالعزیز بن فہد ہاشمی علوی مکی سے، انھوں نے اپنے چچا جبار اللہ بن عبدالعزیز بن فہد مکی سے، انھوں نے ابو الفضل جلال الدین سیوطی سے، انھوں نے کہا مجھے خبر دی شیخ جلال الدین بن ملقن نے کہا مجھے خبر دی ابو اسحاق تنوخی نے، ان کو ابوالعباس حجازی نے، ان کو احمد بن یعقوب مارستانی نے، ان کو قطب الطریقہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی نے اور خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابوطاہر نے ان کو شیخ محمد سعید بن حسن قرشی کو کئی ثم المدنی نے اپنے رسالہ میں جس کا نام ہے۔ ایضا الطہم بالاوراد والاذکار لتعرض نفعات العزیز الغفار شیخ عارف باللہ شیخ ابراہیم کردی سے اور خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابوطاہر نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے۔ کہا خبر دی ہم کو ہمارے شیخ احمد بن محمد قشاشی مدنی نے یہ کہ ذکر طریقہ علیہ قادر یہ کا اس طور پر ہے کہ مریض بیٹھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے کھلا ہوا اور آنکھوں کو بند کر لے اور شروع کرے ذکر کو بائیں طرف سے اور ارادہ کرے کہ اپنے دل سے نکالتا ہے اللہ کے ماسوا کو اور دل کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے ”لا“ سے شروع کرے اور کھینچے اس کو یہاں تک کہ ڈالے اللہ کو حالت نفی میں اوپر داہنے موڑ ہے کے اور اثبات کرے ساتھ لفظ

”الا“ کے داہنے موٹہ ہے کے اوپر سے اللہ کو سچ دل کے جس کے ماسوائے اللہ کو نکال ڈالا تھا۔ بہت شدت اور ضرب کے ساتھ کہ دل میں اثر ہو جائے، اور اس میں ذکر کا نور قرار پکڑے۔ اٹھئی۔

اور اسی سند سے ہے شیخ ابراہیم کروٹی سے کہ انھوں نے کہا ہے سچ ایقظ القواہل (۱) کے حق سبحانہ تعالیٰ کے طالب کو چاہئے بعد اوائے فرائض کے سوال کرے طریقہ اللہ کے تقرب کا اپنے پر لازم کر لینے سے اس وظیفہ کے جس کی طاقت رکھتا ہو افعال و اقوال مستحب سے خالص عبودیت کے ساتھ کہ اس کا نتیجہ محبت الہی ہے نتیجہ دینے والے اس شے کا جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں یعنی نہیں نزدیکی کی طرف میرے بندہ نے میرے ساتھ کسی چیز کے جو محبوب تر ہو طرف میرے فرائض میرے سے اور ہمیشہ میرا بندہ میرا قرب چاہتا ہے ساتھ نوافل کے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے، تو میں ہوتا ہوں اس کے کان جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے، اور بخاری کی اس روایت کے سوا اوروں نے یہ بھی زیادہ روایت کیا ہے کہ اس کا دل جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ اٹھئی۔

تو جو شخص اس پر عمل کرتا چاہے وہ صبح و شام ذکر کیا کرے اور غافلوں میں سے نہ بنے اپنے کاروبار کے شغل میں اور افضل الذکر لا الہ الا اللہ ہے پس اگر مجرد ہے کسی طرح کا بکھیرا نہیں رکھتا تو بس وہ ذکر ہی کیا کرے اور جو دنیا کے کاروبار میں گھرا ہوا ہے تو وہ اپنی فرصت کے موافق درود و وظیفہ مقرر کر لے اور اوسط کا درجہ ہے کہ لا الہ الا اللہ ایک ہزار بار بعد ہر صبح اور عشا اور تہجد کی نماز کے بعد درود کر لے اور عذر کے وقت جس قدر آسان ہو اور ایک سو مرتبہ استغفار انہیں تینوں نمازوں کے بعد اور اس حدیث شریف پر عمل کرے کہ فرمایا آنحضرتؐ نے جو شخص استغفار چاہے مومنوں اور مومنات ہر روز ستائیس دفعہ وہ ہوگا ان میں سے جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور جن کے سبب اہل زمین روزی پاتے ہیں۔ اور یہ بعد نماز صبح کے ہے۔

اور اس حدیث شریف کے مضمون پر عمل کرے یعنی جو شخص مغفرت مانگے اللہ سے بعد ہر نماز کے تین مرتبہ اور کہے استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحي القيوم واتوب اليه تو اس

(۱) لطائف کی بیداری

کے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ جہاد میں سے بھاگا ہو پس کہے بعد صبح کے بعد دس مرتبہ ہر روز لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحییٰ ویمیت یدہ الخیر وهو علی کل شیء قدیر دس مرتبہ اور جو ہر نماز کے بعد کہے تو اولیٰ ہے اور ہر صبح اور عصر کے بعد دس دفعہ یہ پڑھے، اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ عدد خلقک بدوامک اور دسویں دفعہ یہ اور پڑھ لیوے وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی الھم وصحبہم والتابعین وعلی اھل طاعتک اجمعین من اھل السموات و اھل الارضین وعلینا معہم برحمتک یا ارحم الراحمین عدد خلقک رضاء نفسک وزینۃ عرشک ومداد کلماتک کلما ذکرک الذاکرون وغفل عن ذکرک الغافلون اور جو ہر فرضوں کے بعد دس مرتبہ درو کر لے تو اور بہت خوب ہے، اور ہر نماز فرض کے بعد دس دفعہ سورۃ اخلاص پڑھا کرے اور بعد دو رکعتوں چاشت کے سورتم و الشمس وضحہا اور الواعظی پڑھے اس کے بعد یوں کہے۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ عدد خلق اللہ بدوام اللہ دس مرتبہ اور یس اور تبارک ہر صبح و شام پڑھے، اور مغرب کو بعد نماز کے سورۃ المجدہ پڑھے اور جو یس پڑھنے کا وقت نہ پائے رات کو تو المجدہ اور تبارک پڑھے اور بعد نماز مغرب کے چھ رکعتیں نفل او ایمن اور بعد مغرب کے دو رکعتوں کے یہ کہے مرحبا بملائکۃ اللیل مرحبا بالملکین الکریمین الکاتبین اکتبا فی صحیفتی اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدا عبده ورسوله واشہد ان الجنة حق والنار حق والموت حق والقبر حق والسوال حق والحشر حق والحساب حق والشفاعة حق والمصراط حق والمیزان حق واشہد ان الساعة آتیة لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور۔ اللھم انی اودعک هذه الشهادة لیوم حاجتی الیہا اللھم احطط بہا وزری واغفر بہا ذنبی وثقل بہا میزانی واوجب لی بہا امانی وتجاوز بہا عنی برحمتک یا ارحم الراحمین۔ اور بعد دو رکعت مغرب کے نیت کرے اور دو رکعتوں حفظ الایمان کی او ایمن کے ساتھ اور بعد سلام کے یہ کہے اللھم سددنی

بالایمان واحفظہ علی فی حیاتی وعند وفاتی وبعد مماتی۔

اس کی وصیت کی ہے شیخ محی الدین قدس اللہ سرہ نے فتوحات مکیہ کے باب الوصایا میں یوں فرمایا ہے کہ پڑھے اس کو ہر رکعت میں سورۃ اخلاص چھ مرتبہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ایک ایک دفعہ اس کے بعد دو رکعتیں ادا بین کی نیت سے ساتھ استخارہ کے یعنی مطلق جو اولیاء اللہ پڑھا کرتے ہیں، ہر روز اعمال شب و روز کے واسطے شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ہم نے تجربہ کیا ہے تو اس میں سراسر بہتری پائی ہے اور دعا استخارہ کی وہی ہے جو پہلے گذری اور ہر فرضوں کے بعد کہے۔ استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ہو الحی القيوم واتوب الیہ اللہم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت ربنا وتعالیت یا ذا الجلال والا کرام پھر الحمد کی صورت پھر الھکم الہ واحد لا الہ الا ہو الرحمن الرحیم۔ پھر کہے اللہم انی اقدم الیک بین یدی اللہ ذلک کلہ اللہ لا الہ الا ہو الحی القيوم وهو العلی العظیم تک پھر امن الرسول آخر سورہ تک پھر شہد اللہ انہ لا الہ الا ہو ان الدین عند اللہ الاسلام تک پھر کہے وانا اشہد بما شہد اللہ بہ استودع اللہ هذه الشهادة وهي لى عند اللہ ودیعة پھر کہے قل اللہم مالک الملک سے بغیر حساب تک پھر کہے اللہم یا رحمن الدنیا والاخرۃ ورحیمہما رحمانی انت ترحمنی فارحمنی برحمة من عندک تعیننی بہا عن رحمة من سواک پھر سورۃ اخلاص اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پھر کہے سبحان اللہ تینتیس دفعہ اور الحمد للہ تینتیس دفعہ اور اللہ اکبر چونتیس دفعہ، لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ الملک والحمد یحیی ویمیت بیدہ الخیر وهو علی کل شی قدیر اللہم لا مانع لما اعطیت ولا معطى لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الخ آخر آیت تک پھر درود پڑھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھر دعائے جو چاہے پھر کہے سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون آخر آیت تک پھر لا الہ الا اللہ دس مرتبہ یہ بعد ہر فرض نماز کے اور ہر روز بعد صبح کی نماز

کے کہے۔

یا اللہ یا واحد یا احد یا جواد انفعنی منک بشفعة خیر انک علی کل
 ماتشاء قدیر گیارہ دفعہ اور اس کو شروع کرے پنجشنبہ سے اس طور سے کہ پہلے حضرت غوث
 الثقلین قدس سرہ اور سب مشائخ سلسلہ پہلے پچھلے سب کی فاتحہ دے جیسے اس کو شرط کیا ہے مشائخ
 نے اور کہے یا عزیز ہر روز بعد صبح کے اکالیس مرتبہ اور یا اللہ الالہۃ الرافع پندرہ دفعہ اور یا
 قیوم فلا یفوت شی من علمہ ولا یؤدہ ستائیس مرتبہ اور وقت میں گنجائش ہو تو کہے سبحان
 اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم سو مرتبہ اور ہر مہینے میں تین روزہ رکھے اور جو زیادہ رکھے
 اللہ زیادہ کرے اس کو اور جو اپنے نفس میں قوت پائے تو رکھے چھ روزہ عید کے اور بقرعید کے نو
 روزے اول تاریخ سے نویں تک اور ہمارے شیخ امام اپنے اصحاب کو امر کرتے تھے کہ ان دس
 راتوں کو بیدار رہے، اور قرآن شریف پڑھے ہر رات کو دس سیپارے تو تین رات میں ختم کرے
 اور دسویں رات کو ایک ختم پورا کرے اس تقسیم سے اور ایام فاضلہ سے عاشورہ ہے اور پندرہویں
 رات شعبان کی اور رجب کے فضائل وارد ہیں حدیث ضعیف اسناد سے کہ ان پر عمل کرنا مضائقہ
 نہیں اگر آدمی اپنے میں قوت دیکھے، ان پر عمل کرے اور اللہ کے فضل کی امید پر ان میں سے ایک
 روزہ پہلی رجب کا ہے جس کا ثواب تین برس کا کفارہ ہے اور دوسرے کا روزہ دوبرس کا کفارہ ہے
 اور تیسرا روزہ ایک برس کا کفارہ ہے، بعد اس کے پھر ہر روزہ ایک ایک مہینے کا کفارہ ہے اور ایک
 ان میں سے ہے کہ ماہ رجب میں ایک روزہ اور ایک شب ایسی ہے کہ جو اس دن روزہ رکھے اور
 اس رات کو عبادت کرے تو ایسا ہے جیسے برابر سو برس روزہ رکھے پس وہ واسطے تیسری رجب کے
 ہے اور بعض ان میں سے یہ ہے کہ جو سات روزے رکھے اس پر سات دروازے دوزخ کے بند
 ہوتے ہیں۔ اور جو آٹھ روزہ رکھے آٹھوں دروازے جنت کے اس کے واسطے کھل جائیں گے اور
 جو اپنے نفس میں قوت پائے تو حدیث شریف میں آیا ہے افضل روزہ میرے بھائی داؤد تغیر کا ہے
 کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک روز افطار کرتے تھے اس کو روایت کیا ترمذی وغیرہ نے
 ابن عمرؓ سے واسطے شیخ سعید کو کئی کے اور کہا شیخ حسن عجمی کئی نے اور مقدور ہو تو زیادہ کرے اس پر
 سورۃ اخلاص ایک ہزار مرتبہ پڑھے اور ہزار بار ورد پڑھے اور ہر روز ہزار بار پڑھے لا الہ الا

اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدير اور ہر روز صبح کو پڑھے ایک ہزار بار سبحان اللہ وبحمدہ۔ آمین۔

لیکن طریقہ نقشبندیہ کے بہت شعبہ ہیں۔ ملک ہندوستان میں دو جہت سے شائع ہیں تو خواجہ محمد باقی کی جہت سے اور دوسرا میر ابو العلیٰ کی جہت سے اور ملک ماوراء النہر میں مخدوم اعظم مولانا خواجگی کی جہت سے مشہور ہے اور ان سب میں بہت مشہور بموجب تصوف کے رسالوں کے اور اشغال قوم کے بیان کے شعبہ جامیہ ہے اور پھر خواجہ محمد باقی کی جہت سے بہت شعبے ہیں ان میں دو شعبہ بہت مشہور ہیں۔ ایک شعبہ شیخ محمد معصوم کا اور ایک شعبہ شیخ آدم بنوری کا اور ان دونوں میں سے شغل ہیں سوائے اشغال متقدمان طریقہ کے اور اس فقیر کو ان سب شعبوں سے ارتباط صحیح واقع ہے پس ارتباط اس فقیر کو جہت صحبت و بیعت و تلقین اشغال و اجازت خرقہ سے اپنے والد شیخ عبدالرحیم قدس سرہ سے ہے اور ان کو چار مشائخ سے اس طریقہ سے ارتباط واقع ہے۔ پہلے سید عبداللہ سے دوسرے امیر ابوالقاسم اکبر آبادی سے تیسرے خواجہ خورد ولد خواجہ محمد باقی سے چوتھے میر نور العلیٰ خف میر ابو العلیٰ سے تو سید عبداللہ کو شیخ آدم بنوری سے ان کو شیخ احمد سہرندی سے ان کو خواجہ محمد باقی سے اور خواجہ خورد کو شیخ احمد سہرندی سے اور خواجہ حسام الدین سے اور شیخ الہداد اور ان سب کو خواجہ محمد باقی سے اسی سند سے جو مذکور ہو چکی ہے سلسلہ صحبت میں اور میر ابوالقاسم اکبر آبادی الملقب بتلفیہ کو عاویٰ محمد اکبر آبادی سے ان کو میر ابو العلیٰ سے ان کو اپنے چچا امیر عبداللہ سے ان کو اپنے ماموں خواجہ عبدالحمید سے ان کو خواجہ یحییٰ سے اور ان کو اپنے والد خواجہ عبید اللہ احرار سے اور میر نور العلیٰ سے ان کو خرقہ پہنچا ان کو اپنے والد امیر ابو العلیٰ اکبر آبادی سے اور اس فقیر نے اشغال طریقہ احمدیہ کو ملا محمد دلیل گیلانی سے حاصل کیا انھوں نے اپنے شیخ میر موسیٰ بیٹی کوٹی سے انھوں نے شیخ محمد معصوم سے، انھوں نے اپنے والد شیخ احمد سہرندی سے اور اس فقیر کو خرقہ نقشبندیہ حاصل ہوا شیخ ابوطاہر مدنی سے اور ان کو تین مشائخوں سے اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کردی سے اور شیخ احمد نخلی سے اور شیخ عبداللہ بصری کئی سے اور شیخ ابراہیم کوار جہاٹ ہے شیخ احمد قشاشی سے جہت سے تلقین و خرقہ کے ابوالمواہب شیخ احمد شادوی سے ان کو شیخ محمد بن محمد بن عبدالرحمن جنینی سے ان کو مولانا محمد امین ملا جائی کے بھانجے سے ان کو مولانا شیخ غیاث الدین احمد سے ان کو مولانا علماء

الدین محمدؑ سے ان کو مولانا عبدالرحمنؒ جائی سے ان کو مولانا سعید الدینؒ کا شغریٰ سے ان کو مولانا نظام الدینؒ خاموشؒ سے ان کو خولجہ علاء الدینؒ عطارؒ سے ان کو خولجہ بہاء الدینؒ نقشبندیہؒ سے اور شیخ احمد نطنزیؒ نے اشغال اس طریق کے حاصل کئے سید میر کمالؒ بلخیؒ سے انھوں نے ملاکتہ شیرعائیؒ سے انھوں نے ملاخور و عزیزانؒ سے انھوں نے مخدوم الاعظمؒ ملا خواجہؒ سے انھوں نے مولانا محمد قاضیؒ سے انھوں نے خولجہ عبید اللہ احرارؒ سے اور شیخ عبداللہ بصریؒ نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ عبداللہ باقشیرؒ کئی کے ان کو پہنایا تاج الدینؒ سنہلیؒ زبیل مکہؒ نے ان کو خولجہ محمد باقیؒ نے اسی سند مذکور سے پھر خولجہ نقشبندیہؒ نے حاصل کی، خولجہ عبدالخالق غجدوائیؒ کی روح سے اور خولجہ محمد بابا ساسیؒ اور خلیفہ امیر سید کمالؒ سے اور خولجہ محمد بابا ساسیؒ نے خولجہ عزیزانؒ سے جیسا ہم نے سلسلہ صحبت میں ذکر کیا ہے۔

مگر یہاں ایک اور نکتہ ہے اس سے آگاہ ہو پس شیخ ابوعلی فارمدیؒ نے بھی حاصل کیا ہے خولجہ ابوالحسن خرقائیؒ سے انھوں نے شیخ ابو یزید بسطامیؒ سے باطن کے طور پر ظاہر کے طور پر نہیں کیونکہ ولادت شیخ ابو یزیدؒ کی خولجہ ابوالحسنؒ کی ولادت سے بہت مدت پہلے ہوئی ہے اور شیخ ابو یزیدؒ نے سیدنا امام جعفر صادقؒ سے باطن کے طریق سے ظاہر کے طریق سے نہیں اس واسطے کہ ولادت شیخ ابو یزیدؒ کی بہت مدت کے بعد ہوئی ہے۔ وفات امام جعفر صادقؒ سے اور امام جعفر صادقؒ نے حاصل کیا دو طریق سے ایک تو اپنے آباؤ اجداد رضی اللہ عنہم کے طریق سے اور وہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور دوسرے اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؒ سے اور قاسم نے حاصل کیا سلمان فارسیؒ سے اور انھوں نے سیدنا ابوبکر صدیقؒ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ میں کہتا قاسم کا سلمان سے حاصل کرنا ممکن نہیں، مگر باطن کی جہت سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے اسماء الرجال کے تتبع سے۔ واللہ اعلم۔

اور حسن بصریؒ نسبت کئے گئے ہیں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اہل سلوک کے نزدیک یقیناً اگرچہ اہل حدیث اسے ثابت نہیں کرتے اور تحقیق بہت تائید کی ہے شیخ احمد قحاشیؒ نے اہل سلوک کے کلام دانی و دشانی سے اپنی کتاب ”عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید“ میں واللہ اعلم۔

جاننا چاہئے کہ گھلانی بفتح کاف فارسیہ اول و تشدید دوم یا نسبت کی ہے قبیلہ افغانوں میں سے جو پشاور کے دوآبہ میں رہتے ہیں۔ اور قوم یوسف زئی کے چچا زادوں میں ہیں، بنی کوٹ

دونوں تاحند یہ ایک گاؤں ہے توابع جلال آباد سے اور جلال آباد ایک شہر ہے درمیان کاٹل اور پشاور کے بھنسی بفتح موحده والنون اور سین مہملہ بالقصر اور یاء نسبت کی ایک شہر ہے صید مصر اونی میں، ملا اکہد بفتح الف وتشدید کاف عربی وہائی فارسی ابن یمین تخلص کرتے ہیں اور ان کا دیوان مشہور ہے چیرغان بنجم فارسی مضمومہ اور ہاء موحده اور راء مہملہ ساکن اور غین معجمہ ایک شہر ہے بلخ سے دو منزل شیرغان اس کی تعریف ہے۔ اور چیرغان لفظ ترکی میں اسے کہتے ہیں جو چیز ایک بعد ایک کے ہو، طول میں مانند قطار کی عزیزان لفظ تعظیم ہے جیسے میران دسیدی وغیرہ کے باقیث باللفظ یمن میں حرف نسبت کا ہے کہ کلمہ کے اول آتا ہے جیسے یاء نسبت کی آخر میں آتی ہے۔ سنجل ہاء ہند یہ کہ ہا کے شامل ایک شہر ہے گنگا جمتا کے اس طرف قریب جبال شرقی دارالخلافہ دہلی کے کاتب حروف کہتا ہے کہ جب حضرت خلیفہ ابوالقاسم نے مجھے اجازت دی۔ فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں فرمان نہیں ہوتا اور وصیتیں نہیں لکھتے ہمارے طریق میں عمدہ کتاب فقرات ہے وہ ہم نے بھی مشائخ سے بطریق عصمن کے حاصل کی ہے اور ہمارے مشائخ اس کے حفظ اور عمل کرنے پر وصیت کرتے آئے ہیں۔ تم وہ میری کتاب سے نقل کر لو پس حضرت والد نے وہ نقل کر لی اور ان کی اجازت اس فقیر کو ہوئی اور اس میں بعض مقام مشکل اس فقیر نے ان سے دریافت کئے اور اس کے اشغال بہت اچھی طرح سیکھ لئے۔ والحمد للہ کاتب حروف کہتا ہے کہ شیخ تاج الدین سنجل خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشمی کا ایک رسالہ ہے مختصر اشغال نقشبندیہ میں والد بزرگوار اس کو بہت پسند فرماتے تھے اور اسے شیخ تاج الدین کے بعض اصحاب سے لیکر اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا اور اسی طور طالبوں کو ارشاد فرماتے تھے۔ اس فقیر نے وہ رسالہ ان سے بحثاً درایت پڑھا ہے۔ میں نے چاہا اس کو بعینہ نقل کر دوں اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔

اشغال نقشبندیہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ جان تو تجھ کو توفیق عطا کرے اللہ تعالیٰ کہ عقیدہ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کا وہ ہی ہے جو عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے اور طریقہ ہے دوام عبودیت کا جو بغیر ادائے عبادت کے متصور نہیں، اور وہ عبارت ہے اس سے کہ ہمیشہ مع الحق ہو سبحانہ تعالیٰ کہ شعور بالغیر اس کے مزاحم نہ ہو ساتھ فراموشی کے صفت حضور بوجود الحق کے سبحانہ تعالیٰ اور یہ سعادت عظمیٰ بغیر جذبہ الہی کے نہیں حاصل ہو سکتی اور طریق جذبہ میں کوئی بہت قوی سبب نہیں سوائے صحبت ایسے شخص کی جس کا سلوک بطریق جذبہ کے ہوشیار ابوعلی دقاق قدس سرہ نے کہا ہے کہ جو درخت خود بخود اگتا ہے اس کا شکر نہیں ہوتا اور جو اس میں شکر لگا بھی تو اس میں لذت نہیں ہوتی اور سنت الہی جاری ہے اس پر کہ کوئی سبب ہو تو جیسے ظاہری توالد و تناسل بے ماں اور باپ کے نہیں حاصل ہوتا اسی طرح توالد معنوی کا حاصل ہونا بغیر مرشد کے مشکل ہے رسالہ مکیدہ (۱) میں لکھا ہے من لا شیخ لہ فالشیطان شیخہ، یعنی جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا شیطان پیر ہے اور یہ طریقہ علیہ نقشبندیہ حاصل کیا ہے اس فقیر نے جو نقصان میں کامل ہے اور معرفت رحمٰن میں عاجز ہے تاج الدین سنہلی کہ حاصل کیا ہے مہدی زمان خواجہ محمد باقی سے اور انھوں نے ملا خواجگی المکنئی سے، انھوں نے ملا درویش محمد سے، انھوں نے ملا محمد زاہد سے، انھوں نے غوث الاعظم خواجہ عبید اللہ احرار سے، انھوں نے شیخ اشيوخ یعقوب چرخی سے، انھوں

(۱) رسالہ مکیدہ غائب ابوعلی دقاق مرحوم کی تصنیف ہے۔ فتوحات مکیدہ تو شیخ بن عربی کی تصنیف ہے جیسا کہ اہل علم و اہل فن ہیں (قاضی)

نے حضرت خولجہ کبیر خولجہ بہاء الحق والدین معروف بہ نقشبند سے، انھوں نے سید کلال سے، انھوں نے خولجہ محمد بابا ساسی سے، انھوں نے حضرت عزیزان سے، انھوں نے خولجہ علی راحتمی سے، انھوں نے خولجہ محمود خیر فقوی سے، انھوں نے خولجہ عارف ریوگری سے، انھوں نے خولجہ عبدالحق غجدوائی سے، انھوں نے شیخ یوسف بن یعقوب بن ایوب ہمدانی سے، انھوں نے ابوبلی فارمدی سے، انھوں نے ابوالحسن خرقائی سے اور شیخ ابوبلی کو نسبت جذبہ و محبت اور استفاضہ کی ہے شیخ ابوالقاسم گرگانی سے بھی اور اس سبب سے محققین کے نزدیک شیخ تین ہوئے ہیں۔

ایک شیخ خرقہ اور ایک شیخ ذکر اور ایک شیخ صحبت اور شیخ صحبت ارتباط میں اکمل اور اتم ہے اور وہ ہی شیخ حقیقی ہے ہم نے ذکر کیا اسی وجہ ضروری سے شیخ ابوالقاسم کو کہ وہاں جا کر سلوک تمام ہوا شیخ ابوبلی کا اور شیخ ابوالقاسم سے امام علی بن موسیٰ رضا تک درمیان میں واسطے ہیں۔ شیخ ابو عثمان مغربی اور ابوبلی کا تب اور ابوبلی رودباری اور سید الطائفہ جنید بغدادی اور سری سقطیؒ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور معروف کرخی قدس اللہ سرہ کو ایک اور نسبت ہے جو ابوداؤد طائی کو جالمی ہے حبیب عجی سے ان کو حسن بصری سے قدس اللہ اسرارہم اور معروف کرخی کی نسبت حضرت باب مدینہ علم یعنی علی تک معروف اور مشہور ہے اور اب میں رجوع ہوتا ہوں آغاز کلام سے۔

پس جاننا چاہئے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی نے حاصل کیا ابویزید بسطامی کی روح سے جیسے حضرت اولیس قدس اللہ سرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اسی طرح سلطان العارفین کی نسبت ہے، روحانیت امام جعفر صادقؑ سے اور وہ جو مشہور خدمت و محبت ہے، وہ صحیح نہیں ہے اور امام جعفر صادقؑ نے باوجود اپنے آبا کی وراثت کے انوار اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا اور ساتویں فقہا سے ہیں۔ تابعین میں علم ظاہر اور علم باطن دونوں میں کامل اور ان کو نسبت ہے، سلمان فارسی سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ کو باوجود شرف محبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبت طریقہ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور دوسرا طریقہ امام جعفر کو باپ دادا سے وہ مشہور ہے درود رواہ شہر علم یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک۔

دوسری فصل (۱)

طریق وصول الی اللہ بطور حضرات نقشبندیہ کے یافتہ صحبت سے ہے یا ذکر سے یا مراقبہ سے اور طریق ذکر اس سلسلہ کا یوں ہے کہ ذکر کرے کلمہ طیبہ کا یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس نفس سے اور گفتی میں طاق عدد کی رعایت رکھے اور جب ذکر اکیس مرتبہ سے گزر جائے اور اس کا کچھ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ دلیل ہے اس کے قبول نہ ہونے کی۔ پھر نئے سرے سے ذکر شروع کرے اور ذکر کا اثر یہ ہے کہ جب کہ لا الہ تو وجود بشریہ کی نفی ہو جائے اور جب کہ لا اللہ تو ظاہر ہوں آثار تصرفات جذبہ الہیہ کے اور اثر اپنی اپنی استعداد کے موافق ظاہر ہوتا ہے بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو پہلے غیبت ماسوائے حق سے حاصل ہوتی ہے اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو پہلے مکر اور غیبت اور اس کے بعد عدم کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اس کے بعد فنا جیسے شیخ عبداللہ انصاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ واذکروہک اذا نسیت کہ جب بھول جائے تو ماسوائے حق کے پھر بھول جائے تو اپنے ذکر کو پھر بھول جائے تو حق کے ذکر میں اپنے تئیں تو تیرا ذکر کامل ہو گیا اور اعلیٰ اور اتم درجہ ذکر کا فنا ہے یعنی تیری زبان کو خبر نہ رہے ماسوا اللہ کے اور کیفیت ذکر کی یہ ہے کہ زبان کو تالو سے نگائے اور لب کو لب سے اور دانتوں کو دانتوں سے اور جس دم کرے اور شروع کرے کلمہ لفظ لا کو ناف سے دماغ کی طرف لے جائے اور جب دماغ کو پہنچے تو کہے اللہ کو داہنے مونڈھے کی طرف الا اللہ کو بائیں مونڈھے کی طرف پھر اسے قلب صوبہ پر مارے ایسے زور سے کہ اس کا اثر اور حرارت سارے جسم میں معلوم ہو۔

(۱) سلسلہ نقشبندیہ

اور لفظ محمد رسول اللہ کو بائیں طرف سے واپسی طرف کو یعنی ان کے درمیان اور اس کے بعد دل سے یوں کہے الہی انت مقصودی و رضاک مطلوبی یعنی اس ذکر سے تو ہی میرا مقصود ہے ہر تیرا ہر غرض مجھے مطلوب ہے، قلسہ کر توجہ سے ایسا طرح کہ دل میں اثر معلوم ہو اور دل

اس سے متاثر ہو اور یہ سب اس طرح سے ہو کہ ظاہر میں حرکت نہ معلوم ہو جو کوئی پاس بیٹھا ہو وہ بھی نہ جانے اور جس نفس کرے ایک بار ذکر کرے یا تین بار طاق عدد کی رعایت کرے اور حضرت خواجہ قدس سرہ نے کلمہ طیبہ کے معنی یوں فرمائے ہیں لا الہ نفی ہے آلبوں کی طبیعت سے اور لا اللہ اثبات ہے معبود کی محمد رسول اللہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو نے اپنے تئیں داخل کیا مقام فاسد معنوی بالحق میں اور اس سلسلہ کے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ معنی کلمہ طیبہ کے یہ ہیں کہ مبتدی تصور کرے لا الہ یعنی لا معبود اور جو متوسط ہوں خیال کرے لا مقصود اور مفتی سمجھے کہ لا موجود الا اللہ کا ملاحظہ ہوئے اور بزرگوں نے کہا ہے کہ جب مفتی میرا لی اللہ اور قدم رکھے بیچ سیر فی اللہ کے اور ملاحظہ کرے لا موجود الا اللہ کا تو یہ کفر ہے اور بعضوں نے اس کے معنی کہے ہیں لا متصرف فی الملک والملکوت الا اللہ اور ضرور مناسب ہے کوشش کرنی ذکر کی مداومت کی کسی حال اور کسی وقت نہ ترک کرے۔

کھڑے نہ بیٹھے نہ باتیں کرتے، نہ سوتے۔ اور جو ذکر میں یا شیخ کی مجلس میں کچھ کیفیت حاصل ہو تو اس کو فرضی کرے جیسے ایک خط مستقیم۔ اور جب یہ معنی خیال میں بس جاوے اور خیال اسی ایک امر میں مشغول ہو جاوے تو یہ جمعیت کے واسطے بہت مدد کرتا ہے اور بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جب ایک بال بھی بدن سے متغیر ہو جائے خیال کے واسطے اور اثر معلوم ہو تو چاہئے کہ اس کو چھوڑے نہیں یہاں تک کہ حاصل ہو جائے تعطیل جیسے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ الشغل هو عدم الشغل، وعدم الشغل هو الشغل اور ملا سعد الدین کا شغری رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے کہا ہے کہ شیخ عبدالکبیر یمنیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ ذکر کیا ہے میں نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہا یہ تو عبارت ہے ذکر نہیں ہے۔ پھر میں نے کہا کہ آپ فرمائیے تو کہا ذکر یہ ہے کہ تم جانو یہ کہ تم اس کے وجدان پر قادر نہیں ہو اور سید الطائفہ جنید نے فرمایا ہے کہ تصوف یہ ہے کہ ایک ساعت معطل بیٹھے کل شی

(۱) کا شغری ایک ثقافتی شہر تھا جواب چین میں واقع ہے۔ (قاسمی)

کے ملاحظہ سے اور شیخ الاسلام نے کہا کہ اس کے ملاحظہ میں حاصل ہوتا ہے۔ وصال بغیر جستجو کے اور دیدار بے نظیر کے اور مقصود صوفیہ کے طریقہ علیہ کا حصول ہے مشاہدہ حق کا کسانک نہراہ اور اس حضور کا نام انھوں نے مشاہدہ بالقلب رکھا ہے اور دیکھنا جو ہوتا ہے وہ سر کی آنکھوں سے ہوتا ہے اور فرق روایت اور مشاہدہ میں یہ ہے کہ رویت میں قادر نہیں ہوتا کہ اسے اپنے سے دور کرے اور مشاہدہ میں اختیار ہے۔

دوسرا طریق حضرات نقشبندیہ کا وصول کے سبب اور معرفت کے حصول میں اور وہ بہت آسان اور بہت قریب ہے سو وہ کیا ہے توجہ اور مراقبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ معنی مقدس جو بغیر کیف اور ان کی مثال نہیں منہوم ہے، اللہ کے نام مبارک کا بے واسطہ عبارت عربیہ یا عبریہ یا فارسیہ وغیرہ اس کا لحاظ اور اس کی حفاظت کرے اپنے خیال میں اور متوجہ ہو تمام قوتوں اور مددوں سے قلب صنوبری کی طرف اور اس پر مداومت کرے اور تکلف کرے اس کے لازم کر لینے کو یہاں تک کہ کلفت درمیان سے جاتی رہے اور اس امر کا ملکہ ہو جائے اور بعض بزرگوں نے نقشبندیہ کے کہا ہے کہ معنی مقصود کے یہ ہیں کہ بنجودی ہو جائے پھر خیال کرے اس کو ایک نور بسیط کی صورت میں جو احاطہ کئے ہوئے ہے سب موجودات علمیہ و غیبیہ کو اور اس کو بصیرت کے مقابلہ کرے اور باوجود اس کی حفاظت کے قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہوا اپنے تمام قوتوں سے اور مدارک کرے اس امر کا کہ بصیرت قوی ہو جائے اور صورت جاتی رہے اور مرتب اس امر پر ظہور معنی مقصود کا حضرت خولجہ عبید اللہ احرار نے فرمایا ہے کہ مراقبہ باب مفاعلہ ہے تو ضرور ہے تراقب دونوں طرف سے تو بس مراقبہ کرنے والے کو ضرور چاہئے یہ کہ ہو مراقب اپنی اطلاع کا حق سبحانہ کے مطلع ہونے سے اس کے حال پر اور اس کی مداومت کرے اور یا مراقب ہو اپنی اطلاع کا اپنے موجد پر بلافتور اور پریشان خاطری کے اور ایک اور یہ طریق ہے کہ اپنے قلب صنوبری کا مراقب ہو اور اس میں کوئی خطرہ نہ آنے دے یہاں تک کہ اس کو اپنے قلب حقیقی سے ربط آسان ہو جائے بدون ملاحظہ معنی مفاعلہ کے اور مراقبہ کا طریق بہت اعلیٰ ہے۔ نفی اثبات کے طریق سے اور بہت قریب ہے جذب الہیہ سے اور مراقبہ کے طریق سے ممکن ہے وصول وزارت کا اور ملک و ملکوت میں تصرف کا اور ممکن ہے معلوم کر لینا لوگوں کی دل کی باتوں کا اور دوسرے کی طرف بخشش کی نظر کرنے کا اور اس کے

باطن کو منور کرنے کا اور مراقبہ کے ملکہ سے جمعیت دائمی حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کے دل کا ہمیشہ مقبول ہوتا ہے اور اسی بات کو کہتے جمع و قبول۔

اور تیسرا طریق رابطہ ہے اس شیخ سے جو مشاہدہ کے مقام کو پہنچا ہوا ہے اور تجلیات ذاتیہ سے متحقق ہوا ہے اس واسطے کہ اس کی رویت بموجب اس کے کہ اذاراوا ذکر اللہ ذکر کا فائدہ دیتی ہے اور اس کی صحبت بموجب اس کے کہ ہم جلساء اللہ اس صحبت مذکور کا فائدہ دیتی ہے اور جب ایسے عزیز کی صحبت میسر ہو جائے اور اپنے نفس میں اس کا اثر معلوم ہو تو چاہئے کہ اس کی حفاظت کرے جو اثر مشاہدہ کیا ہے جہاں تک کہ تجھ سے ممکن ہو اور جو اس میں فتور آجائے تو اس شیخ کی مصاحبت کی طرف رجوع ہو کہ پھر تجھ کو حاصل ہو اس کی برکت سے وہ اثر اور اسی طور کیا کرتا کہ وہ کیفیت ملکہ ہو جائے اور جو اس عزیز کی صحبت سے یہ اثر ظاہر نہ ہو لیکن اس سے محبت اور انجذاب حاصل ہو۔

تو چاہئے کہ اس کی صورت خیال میں رکھے اور قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہوتا کہ حاصل ہو غیبت اور فنا نفس سے اور اگر وقفہ ہو جائے ترقی میں تو چاہئے کہ صورت شیخ کی اپنے اپنے موٹھ سے کی طرف خیال کرے اور اپنے قلب کو ایک امر متحد اعتبار کرے اپنے موٹھ سے تک اور شیخ کو اس امر متحد کے ساتھ اپنے قلب میں لائے اور امید ہے کہ اس سے حضور غیبت اور فنا کی (۱)۔

(۱) یہ صوفیا کا طریقہ ہے صوفیا کا بعض طریقہ عام انسانوں اور تصوف سے تعلق نہ رکھنے والوں کے لئے ناقابل فہم ہوتا ہے اور بظاہر غیر اسلامی محسوس ہوتا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب اس کو قرآن و حدیث سے مستحکم کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ (قاضی)

تیسری فصل (۱)

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدائی کے کلمات قدسیہ ماثورہ کے بیان میں، آوردہ گیارہ کلمے ہیں جن پر نقشہ بند یہ کے طریقہ کی بنا ہے، سو وہ یہ ہیں۔ یاد کرد، بازگشت، نگاہ داشت، یادداشت، ہوش دردم، سفر در وطن، نظر بر قدم، خلوت در انجمن، وقوف زمانی، وقوف عددی، وقوف قلبی، اور چونکہ خواجہ عبدالخالق اس طریقہ کے سرحلقہ ہیں تو ان کے الفاظ مصطلح کا بیان ضرور ہے ہم ان کی شرح کرتے ہیں۔ اجمال و تفصیل کے درمیان وہ یہ ہے۔

یاد کرد: کہتے ہیں، ذکر زبان یا ذکر قلب کو یعنی ہمیشہ وہ ذکر کیا کرے، جو شیخ نے بتایا ہے تاکہ حضور حق حاصل ہو، اور طریقہ تعلیم ذکر کا یہ ہے کہ پہلے شیخ آپ کلمہ طیبہ کا ذکر کرے اور مرید اپنے قلب کو شیخ کے قلب کے مقابل کرے اور کھلی رکھے دونوں آنکھیں اپنی اور منہ بند کر لے جیسے ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ مقصد ذکر ت یہ ہے کہ ہمیشہ قلب حاضر مع الحق ہو محبت اور تعظیم کے ساتھ، اس لئے کہ غفلت کو دفع کرتا ہے۔

بازگشت: یعنی ذا کر جب قلب سے ذکر کرے کلمہ طیبہ کا اس کے بعد زبان سے کہا، الہی انت مقصودی و رضاک مطلوبی یعنی اس ذکر سے الہی تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری ہی رضا مطلوب ہے اس واسطے کہ یہ کلمہ فائدہ دیتا ہے ہر خطرہ اچھے اور برے کی نفی کا تاکہ ذکر خالص ہو جائے اور سرفارغ ہو جائے ماسوائے حق سے اور جوذا کر اخلاص نہ پائے اس کلام میں تو مرشد کی تقلید کی رو سے کہے تو اس کی برکت سے اخلاص ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) کلمات قدسیہ کی شرح دیان میں

نگاہداشت: اور یہ عبارت ہے، خطروں کے مراقبہ کا یعنی جب دل میں کلمہ کی تکرار کرے تو اس کی رعایت کرے کہ کوئی خطرہ دل میں نہ آئے، اور اس میں کوشش کرے کہ اس کے دل میں کوئی خطرہ نہ آئے غیر کا ایک ساعت یا دو ساعت کیونکہ یہ امر بہت ضرور ہے بزرگوں کے نزدیک اور بعض کامل اولیا کبھی کبھی یہ بات حاصل ہوتی ہے۔

یادداشت: دوام حضور مع الحق کو بطریق ذوق کے اور بعض بزرگوں نے ان چار کلموں کی یوں شرح کی ہے، یاد کرو یعنی ذکر میں تکلف۔ بازگشت یعنی اللہ سے رجوع از راہ معجز کے نگاہداشت یعنی اس رجوع کی حفاظت، یادداشت یعنی سرگورائے کرے۔

ہوش دردم: یعنی اس طریقہ کی بنا اس امر پر ہے، اس کی حفاظت کرے درمیان دونوں نفسوں کے نہ غفلت سے داخل ہو کوئی نفس نہ نکلے غفلت سے کوئی سانس۔

سفر در وطن: یعنی سالک کا سفر طبیعت بشریہ میں ہے یعنی بری صفتوں کو چھوڑ کر اچھی طرح اختیار کرے جیسا کہ کہا ہے۔ بعض بزرگوں نے یعنی آدمی کسی مکان کو جائے اس کی صفتیں بری اس کے ساتھ ہوتی ہیں جب تک ان سے نہ نقل کرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ عیب کو دیکھے شہادت میں۔

نظر بر قدم: یعنی سالک کو چاہئے کہ اس کی نظر قدم پر ہوشہر میں چلے پھرے یا جنگل میں اس لئے کہ اس کی نظر متفرق نہ ہو جائے اور جس نے دیکھنا چاہئے اسے نہ دیکھے اور اس کا قلب متفرق ہو جائے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ سالک کی نظر اول ہی مرتبہ سلوک کے نہایت پر ہو یعنی فقط حضرت ذات کی طرف جیسا فارس بن عیسیٰ بغدادی کا قول ہے کہ میں نے علاج سے سوال کیا میں نے کہا میرے کون ہے انھوں نے کہا ہو الرامی باول قصده الی اللہ فلا یعرج علی الشئ حتی یصل۔ اور احتمال ہے کہ ہومر اس سے وہ معنی جو شرجیہ رویم نے فرمایا ہے۔ ادب المسافر ان لایجادزہمتہ قدمہ یعنی مسافر کا ادب یہ ہے کہ اس کی ہمت کا قدم پیچھے نہ پڑے۔

خلوت در انجمن: یعنی سالک کو چاہئے کہ بظاہر خلقت کے ساتھ ہو اور باطن میں خالق کے ساتھ ساتھ کام میں اور دل حق سے رجوع اور کیا خوب کہا اس معنی میں یہ شعر

فمن داخل کن صاحباً غیر غافل

ومن خارج خالط کبعض الاجانب

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اس طریقہ میں کہ جمعیت ہے اور تفرقہ ہے خلوت میں۔
 وقوف زمانی: کہ اپنے اوقات کا حساب رکھے اگر اعمال خیر میں گزرے اس کا شکر کرے اور
 جو اعمال بد میں گزرے استغفار کرے اپنے اپنے مرتبہ کے موافق کیونکہ ان حسنات الابوار
 سیئات المقربین یعنی نیکیاں ابرار کے مقربین کے برائیاں ہیں۔

وقوف عدوی: یعنی رعایت عدو کے ذکر قلبی میں جمعیت کے ساتھ متفرق خطرے نہ آئیں
 وقوف قلبی: یعنی ہوشیاری اور حضور قلب کا اللہ جل شانہ کے ساتھ ایسی وجہ سے کہ قلب کو غیر
 حق سے کچھ غرض نہ ہو اور یوں بھی کہا ہے کہ ذکر اپنے قلب سے واقف ہو یعنی ذکر کے درمیان
 قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو جس کو مجازاً قلب کہتے ہیں، وہ بائیں طرف ہے پستان کے مقابل
 اس کو ذکر میں مشغول کرے، ذکر سے غافل نہ ہونے دے اور اس کے معنی سے اور حضرت خواجہ
 نقشبند نے جس دم نہیں لازم کیا اور نہ رعایت عدو کے ذکر میں لیکن وقوف قلبی ان کے نزدیک لازم
 ہے ذکر ہے یا رابطہ وغیرہما میں اور مقصود ذکر سے وقوف قلبی ہے اور کیا اچھا کہا کسی نے یہ شعر اس
 معنی میں۔

علی بیض قلبک کن کانک طائر

ممن ذلک الاحوال فیک تولد

(اپنے دل کے بیض پر رہ ایسا جیسا پرند اس امر سے تجھ میں حال پیدا ہوں گے)۔

چوتھی فصل (۱)

جب ذکر اور اشغال کے درمیان تفرقہ یا وسوسا یا قبض معلوم ہو تو چاہئے کہ سرد پانی سے غسل کر ڈالے اور جو شہدے پانی پر قدرت نہ رکھے اپنے مزاج کے سبب تو گرم پانی سے نہا ڈالے اس کے بعد خلوت میں داخل ہو اور دو رکعتیں پڑھے اور بہت گریہ و زاری و عاجزی سے استغفار کرے اور اپنے حال اور وقت کی طرف متوجہ ہو، اور جو اپنا وقت نہ پائے اور وہی تفرقہ رہے تو تصور باندھ اپنے شیخ کا اپنے خیال میں جو تیرا مربی ہے کیونکہ امید ہے کہ اس کی برکت سے تفرقہ جاتا رہے اور جمعیت حاصل ہو، اور جو اس پر بھی تفرقہ نہ جائے تو کہے یا فعال تشدید کے ساتھ اور جو اس سے بھی تفرقہ نہ جائے تو کہے کہ یہ تفرقہ خدا کی طرف سے ہے اس سے موافقت کرے تو آپ عین جمعیت میں ہو جائے اور ایسا بہت کم ہے کہ تفرقہ اس لحاظ سے بھی رہے اور جو ایسا خطرہ آئے کہ متعلق اعمال سے ہے جیسے رغبت گھوڑے خریدنے کی یا اور کچھ جو شرع میں مباح ہے تو وہ کام کرے یا اسے اپنے قلب سے نکال ڈالے یہاں تک کہ اس خطرہ کو دشمن جان لے، اور کوشش کرے اس کے دفع کی اور تین خطروں کی نفی کرنی مرید کو لازم ہے خطرہ نفسیہ و خطرہ شیطانیہ و خطرہ ملکیہ اور خطرہ حقانیت کو قائم رکھے اور خطروں کو پہچاننا اور تمیز کرنا بہت مشکل ہے اور بعض بیان کرتے ہیں کہ خطرہ نفسی ارض قلب سے پیدا ہوتا ہے یعنی قلب کے نیچے سے اور خطرہ شیطانی قلب کے بائیں طرف سے اور خطرہ شیطانی قلب کے بائیں طرف سے اور خطرہ ملکیہ قلب کے دائیں طرف سے اور جو خطرہ حقانی ہوتا ہے وہ فوق قلب سے یعنی اوپر کی جانب سے ہوتا ہے اور

(۱) در بیان دفع و وسوسہ

اسے وہ جان لیتا ہے جو صاحب تقویٰ اور زاہد اور پرہیزگار اور حلال طیب کھاتا ہو اور ہمیشہ خطروں کی نگہبانی کرتا ہو اپنے دل میں خطرہ کو آنے نہ دیتا ہو اور مقصود یہ ہے کہ وقت کی رعایت رکھے کیونکہ کوئی شے وقت سے زیادہ عزیز نہیں ہے کیونکہ وقت سیف قاطع ہے جب وقت گیا تو پھر ہاتھ نہیں آتا اور ممکن ہے حفظ اوقات ذکر اور مراقبہ اور نماز اور تلاوت قرآن شریف سے اور نقشبندیہ بزرگوں نے سب وظیفوں میں تلاوت قرآن شریف سے اختیار کیا ہے رات کو الحمد اور قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ اور قل اعوذ بر الفلق اور قل اعوذ بر بالناس اور سورہ حشر کا خاتمہ اور سورہ بقرہ کا خاتمہ اور دن کا وظیفہ تلاوت قرآن شریف کا سورہ یٰسین اور حضرت خواجہ علی رامیتھی نے فرمایا ہے کہ جب تین قلب کسی مراد کے واسطے متفق ہو جائیں تو وہ مومن بندہ کے مراد حاصل کرنے کو کافی ہیں، قلب بندہ اور قلب رات کا اور قلب قرآن مجید کا یعنی تہجد کی نماز میں سورہ یٰسین کو اخلاص دلی سے پڑھا مراد حاصل ہوئے اور نماز نوافل میں سے ایک تہجد اور نماز اشراق اور نماز استسارہ اور نماز چاشت اور تہجد کی بارہ رکعتیں ہیں۔

اگر ممکن ہو تو ہر رکعت میں سورہ یٰسین پڑھے اور نہیں تو سورہ یٰسین کو آٹھ رکعتوں میں اس ترتیب سے پورا کرے کہ پہلی رکعت میں واجر کریم تک اور دوسری میں وہم مہندون تک اور تیسری میں جمیع الدنیا محضرون تک اور چوتھی میں فلک یسبحون تک اور پانچویں میں ولا لی اہلہم یرجعون تک اور چھٹی میں ہذا صراط مستقیم تک اور ساتویں میں فہم لہا مالکون تک اور آٹھویں میں سورہ کے آخر تک اور باقی رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین مرتبہ اور جو سورہ یٰسین حفظ نہ ہو تو سورہ فاتحہ کے بعد ساری نماز میں تین تین یا سورہ اخلاص پڑھے اور نماز تہجد چار رکعت سے کم نہ پڑھے اور نماز تہجد کا وقت اخیر تہائی رات ہے جیسا خدا تعالیٰ فرماتا ہے قم (۱) اللیل الا قلیلا نصفہ او نقص منه قلیلا اوزد علیہ اور صاحب قوتہ القلوب (۲) نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فتہجد بہ نافلہ لک اور فرمایا کسانوا قلیلا من اللیل ما یہجعون اور بجوع نیند کو کہتے ہیں اور تہجد قیام کو تو تہجد

(۱) کھڑا رات کو مگر کسی رات آدمی رات یا اس سے کم کر تھوڑا سا یا زیادہ اس پر۔

(۲) ”قوت القلوب“ کس بزرگ کی کتاب ہے، اس کا علم نہ ہو سکا ہے اس کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ (قاضی)

جب تک سوئے نہیں جائز نہیں اور کتاب شعی میں ہے کہ تہجد نہیں ہوتی مگر بعد سونے کے اور تہجد صلوٰۃ النوم ہے۔ اور روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قسم من اللیل قدر حلبة شاة (۱) اور جب نماز مذکور پڑھ لے تو بیٹھے جلسۃ التحیات کا قبلہ رو ہو کر صبح تک اور مشغول رہے توجہ میں مراقبہ میں یا ذکر میں اور جو نیند غلبہ کرے، تو سو رہے مگر صبح سے پہلے اٹھ کھڑا ہو اور وضو کرے اور سنتیں صبح کی نماز کی، اپنے گھر میں پڑھے اور مشغول ہو استغفار میں بطریق خفیہ کے جیسا اس سلسلہ کا طریقہ ہے اور مسجد کو استغفار پڑھتا ہوا جائے رستے میں اور جب نماز صبح جماعت سے پڑھ چکے تو اپنی جگہ میں بیٹھا رہے مشغول وظیفہ باطن میں جو جمعیت پائے اور نہیں تو اپنے گھر آجائے اور مشغول ہو اپنے وظیفہ میں یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو اور اس کے بعد دو رکعت نماز اشراق پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین بار پھر اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ پھر اس کے بعد دعائے استخارہ اور وہ یہ ہے اللھم خیر لى واخیر لى ولا تکلنى الی اختیاری اللھم اجعل الخیرة فی کل قول وعمل اریده فی ہذا الیوم واللیلۃ اللھم وفقنی لما تحب وترضی من القول والعمل فی عافیۃ ویسر اس کے بعد جو اس کو کوئی کام ضروری دینے کا ہو جیسے معاش کے لئے اس کے لئے چائے ساتھ حضور اور ہوشیاری کے اور یہ دعا پڑھے اللھم کن وجہتی فی کل جهة ومقصدی فی کل قصد وغایتی فی کل سعی وملجائی وملادی فی کل قصدة وهم ووکیلی فی کل امر وتولی تسلی مسجدة وعنایۃ فی کل حال اور ہمیشہ قلب صنوبری سے متوجہ رہے جیسا خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ رجال لا تلہیہم تجارة ولا بیع عن ذکر اللہ اور جب دنیاوی کاموں سے فارغ ہو وضو کرے تازہ اور خلوت میں داخل ہو اور پہلے جب بیٹھے اپنے شیخ کی رویت حاضر کرے، پھر مشغول ہو اپنے وظیفہ سے مراقبہ سے یا ذکر سے اور نماز چاشت کی بارہ رکعتیں ہیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین تین بار سورہ اخلاص اور دو رکعت سے کم نہ پڑھے اور اوّل وقت چاشت میں نہ چاہئے پڑھنی بلکہ تاخیر کرے اتنی کہ پھر بھر دن پڑھ جائے اس واسطے کہ مشکوٰۃ شریف میں زیہ بن ارقم سے ہے تحقیق دیکھا انھوں نے ایک قوم کو کہ وہ نماز چاشت پڑھتے تھے، پس کہا اور لوگوں

(۱) اٹھ تو رات کو بستر بکری کے دودھ دھونے کے۔

نے جانا ہے کہ تحقیق نماز اس وقت میں اس سے بہتر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز اوائین جس وقت کہ گرم ہو فصال پڑھنی چاہئے۔

روایت کی مسلم نے اور رمض کے معنی ہیں شدت گرمی کی تاب آفتاب سے ریت وغیرہ پر یعنی جس وقت پائے فصیل گرمی آفتاب کی اور فصیل اونٹ کے بچہ کو کہتے ہیں اور بعد نماز کے جو موجود ہو کھانا کھاوے جو یاروں کے ساتھ مل کے کھائے تو بہت اچھا ہے اور نہیں اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے، بیوی بچوں کے ساتھ اور حتی المقدور اکیلا نہ کھائے پھر اس کے بعد قیلولہ کرے یعنی سو رہے پھر مسجد میں حاضر ہو۔

اول وقت اور عصر کو بھی اول وقت حاضر ہو مسجد میں اور نماز عصر کے بعد اپنے مکان میں بیٹھے اور شغل کرے وظیفہ باطنی کا اور حتی الامکان اس وقت کو ضائع نہ کرے اور اس میں اپنے نفس سے محاسبہ کرے اور مغرب اور عشا کے درمیان کے وقت کی حفاظت اولیا کے نزدیک سب سے زیادہ ضروری ہے اور عشا کے بعد اپنے سر میں پڑھے، قل یا ایہا الکفرون اور سورہ اخلاص اور معوقین اور آخر سورہ حشر اور آخر سورہ بقرہ کا ساتھ حضور کے اور سورہ شغل کرتا ہوا ذکر کا اور سونے پہلے یہ استغفار تین بار پڑھے، استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہوالحی القیوم واتوب الیہ اور یہ حال ہے ایسے صوفی کا جو کاروبار میں رہتا ہو اس صوفی کا نہیں جو فارغ البال ہو کہ اس کو چاہئے کہ وہ رات دن مستغرق و مستحکم حق میں رہے جیسا کہا ہے شیخ ابوالعباس قصابؒ نے کہ میرے نزدیک نہ شام ہے نہ صبح کا اس کا باطن غرق ہوتا ہے دریائے فنا میں اور اس کا ظاہر حاضر ہے واسطے صادر ہونے احوال و افعال کے اور اہل فنا و بقا بعد طلب و مجاہدہ کے مشرف ہیں وصول سے طمانیت دل اور سرور اور مشاہدہ کے اور وہ اپنی عین مراد ہیں اور مراد سے پھر گئے ہیں بغیر مراد کے اور انھوں نے مقامات و کرامات کو حجاب سمجھا ہے اور اپنے مشرب کو بہت دور کر دیا ہے تمام خط جسمانی اور روحانی سے اور فنا کا وصول علامت ہے حقیقت محبت ذات کے وصول کی اور مقام فنا محض بخشش اور اختصاص الہی میں اور سنت الہی اس طرح جاری ہے اور عطا محض کہ بخشش کی حقیقت وہی ہے عاریت نہیں ہوتی تو ایسے سب سے اس میں رجوع نہیں ہے اور اسی واسطے کہا ہے اولیائے کہ الفاسی لا یزد انسی اوصافہ اور کہا کہ ہے ذو النون مصری قدس سرہ، ما رجع من رجع الامن الطريق

وما وصل الیہ احد فرجع عنه۔ ذونون مصری نے کہا: نہیں لوٹا جو لوٹا مگر راستہ سے اور نہیں پہنچا
اس کی طرف کوئی پس وہ اس سے واپس آیا ہو۔

www.KitaboSunnat.com

پانچویں فصل (۱)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ فنا کتنی وجہ پر ہے تو فرمایا دو وجہ پر ہے اگرچہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اس سے زیادہ وجہوں پر ہے لیکن جس کا مرجع ان دو وجہوں پر ہے ازل تو فنا وجود و ظلماتی طبعی سے اور دوسری فنا وجود نورانی وحی سے اور حدیث شریف نبویؐ ان دو وجہوں پر ناطق ہے کہ ان اللہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ پس فنا پہلے تو بواسطہ ظہور حق سبحانہ کے ہے اور دوسری یہ کہ فنا بھی جاتی رہی یعنی باقی نہ رہی وجود نورانی کے لئے کچھ شعور اس لئے کہ شعور تو وجود روحانی کی صفتوں میں سے ہے اور اس کو لازم ہے کہ جس وقت شعور کا شعور جاتا رہا تو لازم آیا وجود روحانی کا جانا اس مقام میں روح ذکر ہے اور قلب سا جہ ہے اور اس مقام میں سالک کی صحبت صحیح ہے لیکن اس کی ترتیب اور مرید کو اس کی طلب صحیح نہیں ہے اور ذکر قلب یہ ہے کہ جو حضور حق سبحانہ کا اور حضور خلق کا اس کی نسبت برابر یعنی اس میں اس کے ساتھ وہ ہوا اور ذکر زبان کے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں اور ذکر روح یہ ہے کہ جو حضور حق سبحانہ کا غالب اوپر اس حضور کے جو خلق کے ساتھ ہے اور ذکر سر یہ ہے کہ اس کو حضور غیر حق سبحانہ کے ہودے ہی نہیں اور کچھ زمانہ سے خبر نہ ہوا اور ذکر خفی یہ ہے کہ چھپ جاوے روح کا جو جیسے سر میں موجودات تو باقی نہ رہے سوائے مذکور کے اور حاصل یہ ہے کہ غیر بالکل جاتا رہے ہر وجہ سے خفا میں تو اس مقام میں تحقیق ہوتی ہے سیر فی اللہ تو تحقیق بندہ کو بعد فنا مطلق کے جو ایسی ہے کہ فنا ذات و فنا صفات سے خلعت ہوتا ہے وجود حقانی یہاں تک کہ شرف ہوتا ہے۔

(۱) فنا اور جہ میں

اس وجود سے اوصاف الہیہ کے ساتھ اور مخلیق ہوتا ہے اخلاق ربانیہ کے ساتھ اور اس مقام میں متحقق ہوتا ہے ہی یسمع (۱) کو ہی بصر وہی یطش وہی یعقل کا کیونکہ ذات و صفات قانیہ اس مقام میں بدل جاتی ہے لباس وجود باقی سے خارج ہوتی ہیں قبر پوشیدگی سے ظہور کے محشر میں اور جذبات حق کے تصرف اس وقت برابر ہوتے ہیں بندہ کے باطن پر اور اس کے باطن سے جاتی رہتی ہیں سب وسوسے اور برے خطرے اور اس وقت اس میں حق تصرف کرتا ہے اپنی صفاتوں سے اور معزول کر دیتا ہے اس کو بالکل اس کے تصرف سے کہ وہ اپنے میں آپ تصرف نہیں کرتا اور اس وقت ہو جاتا ہے بندہ محفوظ و خائف شرعیہ امر و نہی کے مجاوزت سے اور یہ دلیل ہے صحت حال فنا و بقا کی۔ شیخ ابوسعید خراڑؒ نے کہا ہے اسی معنی میں کمال باطن (۲) :
 یخالفہ الظہور فہو باطل اور بعد تحقیق فنا و بقا کے یعنی سیر الی اللہ و سیر فی اللہ کے جو فنا کے بعد ہے متحقق ہوتی ہے سیر عن اللہ کے جو فنا کے بعد ہے متحقق ہوتی ہے سیر عن اللہ اور سیر باللہ کہ وہ مقام تنزل ہے خلق کی عقلوں کی رسائی کا کہ وہ دعوت کرتے ہیں حق کی طرف اور یہ مقام ہے خواص انبیاء اور مرسلین کا اور مقام تنزل میں یہ رجوع ہوئے ہیں ہر امر میں حق کی طرف زاری اور استغفار کرتے ہوئے اور اولیا کو اس مقام میں انبیاء کی متابعت میں حصہ ملا ہے جیسا خدا فرماتا ہے
 قل (۳) ہذہ سبیلی اذعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی اس واسطے کہ شیخ ایسا ہوتا ہے جیسے نبی اپنی قوم میں اور اس مقام میں مرید کی طلب اور تربیت صحیح ہے بشرط اجازت شیخ کے اور اس مقام میں ہر تصرف اس کے فعل کا اگرچہ اس کی طرف منسوب ہے، لیکن وہ اس کا نہیں اس واسطے کہ وہ تو تصرفات بشریہ سے بالکل معزول ہے۔ و صامیت (۴) اذ رمیت ولكن اللہ رمی ممکن ہے کہ اسی معنی میں ہو۔

(۱) مجھ سے ہی سنا ہے مجھ سے ہی دیکھتا ہے مجھ سے ہی حملہ کرتا ہے مجھ سے ہی چلتا ہے مجھ سے ہی بگھتا ہے۔

(۲) جو باطن ظاہر کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔

(۳) کہہ دو کہ میں اور میرے پیرو اللہ کی طرف بلا تے ہیں بصیرت کے واسطے اور یہ میرا طریقہ ہے۔

(۴) اور نہیں پھینکا تو نے جبکہ پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

چھٹی فصل (۱)

مرید کے باطن میں تصرفات کرنے کے طریق میں اور دفع مرض میں ایسا مرض کہ واقع ہوا ہے لوگوں پر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس وقت کسی کو بیماری ہو یا کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے اور اللہ سے بہت عجز و انکسار کے ساتھ رجوع ہو اور اس میں طلب کرے اللہ سے کہ اس شخص کو پاک کر دے اس سے جو اسے عارض ہوئی ہے اور دور کروے اس سے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ اپنے تئیں صاحب مرض و معصیت بنائے اور اس کی جگہ آپ ہو اور مشغول ہو اس قدر اور متوجہ ہو اس سے اس کے دفع کا پہلے نزول حضرت عزرائیلؑ کے کیونکہ جب وہ نازل ہوئے تو ان کا خالی جانا محال ہے اور ضرور ہے بدل اور اس وقت مریض ثابت کرے اپنے اعضا کی جگہ اور متوجہ اپنی ہمت کے ساتھ اور بیماری میں مدد بہت طرح ہے اول تو یہ کہ متوجہ ہو ہمت کے ساتھ واسطے اس بیماری کے زائل ہونے کی دوسری طرح یہ ہے کہ اٹھائے ہو اس سے بیماری اپنے اوپر تیسری یہ کہ متوجہ ہو متفرق خطروں کے دفع کرنے کو اور مرض کے دفع سے کچھ معرض نہ ہو اس لئے کہ بیماری میں درجے بلند ہوتے ہیں اس واسطے کہ بیماری سبب ہے تنہیہ و تنفیہ کا تو اے دماغی کے اور جس وقت پاک اور صاف ہو گیا دماغ تو اس قوت دماغیہ سے متعلق ہو گا نور مطلق بسیط محیط جمیع موجودات ایسا کہ وہی مقصود ہے تمام کائنات کا اور خطرے مانع ہیں اس امر کے حصول کی اور تصرف کے طالب حقیقی میں اس طرح اسے اپنے سامنے بٹھائے اور اس سے کہے کہ کل خطروں سے اپنے نفس کو خالی کر لے پھر متوجہ ہو ہمت کے ساتھ واسطے اٹھائے

(۱) چھٹی فصل مرید کے باطن میں تصرف کرنے اور دفع مرض میں

حجاب ظلماتی کے پھر حجاب نورانی کے۔

اور جب اسے غیبت حاصل ہو جائے تو اس کے واسطے توجہ نہ کرے مگر جو کوئی گرہ پڑ جائے تو اسے کھول دے اور وہ نسبت کی جاتی ہے کسی شخص کی طرف احوال آنے والے سے وہ یہ ہے کہ جس وقت حاضر ہو کوئی اجنبی اور خاطر میں حاصل ہو ایک چمک ایمان یا نماز یا روزہ یا تحصیل علم دین کی تو کہتے ہیں۔ اس سے نسبت اسلام اور دیانت و علم کی حاصل ہوئی اور حاصل یہ ہے کہ ظاہر ہوا بسبب اس وصل کے یہ معنی اور ہے وجود اس کا خاطر میں اس کے انہاس کی مقتضیات سے اور جو اس کے ملنے سے محبت و عشق ظاہر ہو سکتے ہیں نسبت جذبہ اس سے ظاہر ہوئے اور میت کے حال کی معرفت کے واسطے یوں ہے کہ مقابل قبر کے بیٹھے اور آئینہ الکرسی ایک بار اور سورۃ اخلاص بارہ دفعہ پڑھے اور اپنے نفس کو سب خطروں سے خالی کرے تو پھر جو کچھ دل میں چمکے گا تو وہ اسی سے ہے اور جب مرید سے کوئی بے ادبی ہو جائے تو شیخ کو نہیں مناسب کہ اس کے سلب حال کے واسطے کوشش کرے لیکن متوجہ ہو اپنی ہمت سے طریق معلوم کے موافق دفع کرنے میں اس کی ظلمت اور کدورت کے یا اس کو امر کرے کہ نفی اور اثبات کا ذکر کرے تو اس سے اس کی ظلمت جاتی رہے گی اس طرح سے کہ ملاحظہ کرے جانب نفی میں تمام محدثات کا فنا کی نظر سے اور جانب اثبات میں تصور کرے ذات معبود بحق کو ساتھ بھاگے۔

ساتویں فصل (۱)

آداب ظاہرہ حق سبحانہ کے ساتھ یہ ہیں کہ قائم ہوئی امر و نہی شریعت پر اور ہمیشہ طہارت سے رہے اور استغفار پڑھتا رہے اور سب امروں میں احتیاط کرتا رہے اور آثار سلف صالح کا پیرو اور تابع رہے اور اس پر عمل کرے اور باطن کا ادب یہ ہے کہ اپنے قلب کی حفاظت کرے کہ اس میں غیر کا خطرہ نہ آئے خواہ نیک ہو وہ یا بد ہو اس لئے کہ حجاب ہونے میں دونوں برابر ہیں اور آداب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی قیاس پر ہیں اور اولیا کا ادب یہ ہے کہ ان کی مجلس میں اپنے خطروں کی حفاظت کرے اور ان کے حضور میں بلند آواز سے نہ بولے اور ان کے حضور میں نماز نوافل نہ پڑھے اور ان کے ساتھ اگر پڑھے تو بہت اچھا ہے اور ان کے کلام کے درمیان بول نہ اٹھے بلکہ جب تک وہ خود نہ پوچھیں کچھ نہ کہے اور جس کو وہ مکروہ جانیں اسے آپ بھی مکروہ سمجھے اور ان کے گھر میں ان کے اسباب اور اخراجات کی طرف نظر نہ کرے اور دل میں یہ خطرہ نہ لاوے اور شیخ کی خدمت میں جاوے اور اس سے فیض حاصل کرے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ یہ تیرا پیر تجھ کو پہنچا دے گا، تیرے مولا کے پاس اور اپنے پیر کے سوا اور سے تعلق نہ کر کیونکہ یہ موجب تیرے تفرقہ کا ہوگا، الحاصل یہ ہے کہ جس کو طبیعت انسانی مکروہ جانے اس سے الگ رہے اور بچے اس سے کیونکہ بے ادبی خصوصاً مشائخ کی راہ خدا کی مانع ہے اور اس کے سبب فیض سے محروم رہتا ہے۔ اور تجھے چاہئے کہ تیرے دل میں اور نظر میں غیر حق اور اس کے نام کی نہ ہو اور ہمیشہ رہو باخدا کہ غفلت راہ نہ پائے اور کیا خوب کہا ہے یہ

(۱) آداب میں

شعر

اذا كنت (۱) فى الوقت عن الحق غافلا

فانت فى الكفر لكن بخفية

فان دمت فى ذى الحال صاحب غفلة

فانك لاسلام سد بحفوة

اور غیروں کے خطرہ دیکھنے سے رنگ اور شکلیں مختلف اور نیز ہوتا ہے کتابوں کے مطالعہ سے اور ایسی صحبت سے جو تفرقہ ڈالے تو سالک کو چاہئے کہ کچھ دنوں بے ملاحظہ اغیار کے رہے کسی ایسے صاحب دولت کی صحبت میں جس کو پوری پوری سعادت ہو جمعیت کی کہ اس کی برکت سے سالک کو ملکہ حضور اور جمعیت کا حاصل ہو کیونکہ ملکہ حضور سے حاصل ہوتا ہے رضا و تسلیم جو کہ نہایت عبودیت کے ہیں اور عبادت کی اور اسلام کا کمال تسلیم میں ہے اور تقویٰ میں کیونکہ صاحب تسلیم کے اگر گلے میں لعنت کا طوق بھی ڈالا جاوے جیسے پلیس کے تو وہ راضی ہوگا اس سے اس حیثیت سے کہ وہ قضا ہے حق کی اور تقدیر الہی ہے ایسا جیسے ایمان و اسلام سے راضی ہے اس لئے کہ طالب صادق راضی ہے قضا و قدر سے اس کا نفس کچھ نہیں کرتا اور جب طلب کو مکروہ پہنچے اور اس کا تفاوت ہو تو وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور جو تفاوت نہ ہو تو وہ اس کا بندہ ہے۔ ہر امر کی اصل اور بنیاد یہ ہے۔ تو اے سالک تجھے چاہئے کہ تو ہمیشہ بندہ ہو اس کا جیسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ رب ہے اور جب مدح اور مذمت میں فرق ہو تو عبادت اپنے دل کے بتوں کی کرتا ہے۔ سب سر خواص و عوام کا ذکر کر دیا گیا۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ الحمد لله رب العالمین والصلوة والتسلیم علی سیدنا محمد سید الاولین والاخرین وعلی آلہ واصحابہ والتابعین لہم باحسان الی یوم الدین انتہی۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد بن سعید بن شیخ احمد سمرندی کے طریقہ احمدیہ کے اشتغال کے بہت عمدہ مکتوب ہیں ان میں سے تین مکتوب جو انھوں نے لکھا کر حضرت والد بزرگوار کو بھیجے تھے اور ان کے آخر اپنے ہاتھ سے یہ عبارت لکھی تھی کہ

(۱) جس وقت کہ ہو تو حق سے غافل پس تو کافر ہو گیا لیکن خفیہ طور پر پس اگر تو ہمیشہ رہا اس حال میں اسے غفلت والے پس تحقیق تو نے اسلام کے واسطے ایک دیوار بنائی یعنی تجھ کو اسلام نہیں حاصل ہوگا۔

”مخدوماعرفاں پناہا“ اس خاکسار کے تینوں مکتوب اپنے مطالعہ سے مشرف کرنا۔ وہ مکتوب اس رسالہ میں بعینہ نقل کئے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ علی کل حال

ہمشیرہ عزیزہ خدا پرست نے لطیفہ انسانی پوچھے تھے۔ سو معلوم کریں، کہ پانچ لطیفہ انسانی کہ قلب و روح و سرو خفی و اخفی ہیں عالم امر سے ہیں ان کا مقام فوق العرش ہے، جسے لامکان کہتے ہیں اور عالم ارواح بھی اسے کہتے ہیں حق جل و علی کمال قدرت سے اپنے ان لطائف کو بدن انسانی سے تعلق اور تعلق دیکر وہاں سے نیچے اتار کر ہر ایک کو ایک خاص جگہ میں انسان کے بدن میں جو اس کے مناسب تھا جگہ دی ہے قلب کو سینہ کے بائیں طرف پستان میں جگہ دی ہے۔ روح کو جو قلب سے زیادہ لطیف ہے، اس کے مقابل دائیں جانب اخفی کہ لطیف اور احسن لطائف ہے، درمیان حقیقی سینہ کے سر کو درمیان قلب اور اخفی کے خفی کو درمیان روح اور اخفی کے اور ولایت اس میں سے ہر ایک لطیفہ کے زیر قدم ایک اور العزم بغیر کے ہے چنانچہ قلب کی ولایت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے، اور روح کی ولایت حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اور سر کی ولایت حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اور خفی کی ولایت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اور اخفی کی ولایت حضرت خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے زیر قدم ہے۔

جاننا چاہئے کہ اولیا کے قدموں کے تفاوت انہیں لطیفوں کی راہ سے ہے تو جو زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت، ولایت قلب ہے اور وہ صاحب استعداد ولایت کے ایک درجہ کا ہے، پانچ درجوں میں سے اور جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اس کی ولایت، ولایت روحی ہے اور اس کو دو درجوں کی ولایت کی استعداد ہے پانچوں درجوں میں سے۔ اور جو زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت ولایت سری ہے وہ ولایت کے تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے درجات خمسہ سے اور جو زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت ولایت خفی ہے اور وہ چار درجہ ولایت کی استعداد رکھتا ہے ان درجوں میں سے اور جو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قدم ہے اس کی ولایت ولایت اخفی ہے اعظم

والعلیٰ اور احسن سب درجوں کی اور اس ولایت کے صاحب کو قابلیت پانچوں درجوں کی ولایت کی ہے، اور جانتا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کے قدموں کی تفاوت ان کے آپس میں اس راہ سے نہیں ہے بلکہ نبوت کی راہ سے ہے پس جو ان بزرگواروں میں سے اس راہ میں پیش قدم ہوگا وہی دوسروں سے افضل ہوگا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مقام نبوت میں پیش قدم ہیں، اس لئے حضرت عیسیٰ سے افضل ہیں اگرچہ مقام ولایت میں حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ سے غالب ہیں جیسا اوپر لکھا گیا۔

دوسرے یہ امر جانتا چاہئے کہ اگر مرشد و مربی طالب کا صادق المشرب ہوگا تو اس سے ہو سکتا ہے کہ جس راستے آپ قطع منازل کئے ہیں اسی راہ طالب کو بھی چلائے اور ولایت محمدی کے کمالات کو پہنچائے اور وہ مرید اگرچہ خود اپنی استعداد کمتر رکھتا ہو یہاں سخن بہت طول و عرض رکھتا ہے کہ حد سے زیادہ ہے معذور رکھیں اور پھر کسی وقت پر موقوف فرمائیں اور انوار لطائف کے رنگ پوچھتے تھے سو معلوم کریں کہ ہر شخص نے اپنے کشف و نظر کے موافق کچھ کہا اور لکھا ہے اور اس کے اوپر بتا تعبیر و واقعات اور تفسیر محاملات کی رکھی ہے مگر میں نے اب جو حضرت عالی درجات سے سمجھا ہے مگر میں نے اب جو حضرت عالی درجات سے سمجھا ہے لکھتا ہوں۔

جاننا چاہئے کہ قلب کا نور زرد ہے اور روح کا نور سرخ ہے اور سر کا نور سفید ہے۔ اور خفی کا نور سیاہ ہے اور اخفی کا نور سبز۔ ظاہر حقیقت و مائیت نفس جو دریافت کی تھی آپ کو معلوم ہو کہ نفس خبیثہ ہے عالم خلق سے اور اس کا محل دماغ ہے بالذات شرارت و خباثت سے متصف ہے اور اپنے تئیں لطائف کی طرح لطیفہ نفیسہ ظاہر کیا ہے اور ریاست و ذاتی کا دعویٰ کر کے تمام اجزا و لطائف پر تصرفات فاسد کر کے شیطان علیہ اللعن کے بہکانے سے تمام لطائف و اجزا کو اپنے اوصاف ذمیسہ سے متصف کر دیا ہے اور درگاہ پاک خداوندی کی طرف متوجہ ہونے سے محروم رکھ کر نقصان ابدی کو پہنچایا ہے عزایت اذلی نے جس کی دہگیری و رہنمائی کی اس نے اس کی شرارت و خباثت پر اطلاع پائی اور اس کے فریبوں اور مفسدوں سے مومن پھیر کر متوجہ اس درگاہ پاک کا ہوا اور سعادت ابدی کو پہنچایا اور جب نفس پاک و مطہر ہو جاتا ہے اور اپنے سب وصف و اہل بالکل چھوڑ دیتا ہے۔

البتہ اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے بڑے مرتبہ سے ولایت کے اور قرب اور مشاہدہ اور مقام رضا کے

مشرف ہوتا ہے اور سب لطائف انسانی سے بالادست ہو جاتا ہے اور اس کی سیر سب سے بلند ہوتی ہے اس کو حصول کمال کے بعد تخت صدر پر اجلاس فرماتے ہیں اور ریاست و کیاست سب لطائف کی اس کو ملتی ہے عجب مجید ہے کہ جو سب سے خبیث زیادہ ہے بعد پاک اور منور ہونے کے اشرف سب سے ہو جاتا ہے اولنک (۱) یدل اللہ سیاتہم حسنات فرمایا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیار کم (۲) فی الجاہلیۃ خیار کم فی الاسلام اذا فقهوا والسلام علی من اتبع الهدی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !
اس کے بعد بعد جاننا چاہئے کہ جب سالک اپنی ہستی اور خود پرستی سے نکل آتا ہے اور اس کے باطن کی آنکھ معرفت کے کل الجواہر سے سرمہ سا ہو جاتی ہے تو ضرور آیتیں اور کراتیں جو اس کے نفس میں چشم بصیرت میں امانت رکھی ہوئی ہے ہو جب وہ فی انفسکم افلا تبصرون ای فی انفسکم آیات عظیمۃ افلا تبصرون کی وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے بعد مقتضائے من عرف نفسه فقد عرفہ وہ کے بارگاہ قدس میں دخل پاتا ہے قالب انسانی میں جو حقائق اور آیتیں تعبیر میں کچھ ان میں سے مذکور ہوتی ہیں بگوش ہوش سے سنو جان لو کہ انسان کہ اس کو عالم صغیر کہتے ہیں ان اجزا سے مرکب ہے جن کی اصلیں عالم کبیر میں ہے اور عالم کبیر مجموعہ کائنات ہے خلق ہو خواد امر ہو ان دس میں پانچ تو عالم خلق سے ہے ایک تو نفس اور چار عنصر اور ان میں پانچ عالم امر سے ہیں جس طور چار عناصر کی اصلیں عالم خلق میں موجود ہیں اس طور لطائف خمسہ مذکور کی اصلیں عالم امر میں جو عرش کے اوپر لامکان مشہور ہے متحقق ہیں اور فوق عرش مجید اور تحت اور اصول کے قلب ہے اور اسی سبب قلب کو برزخ درمیان عالم خلق و عالم امر کے فرمایا ہے اس واسطے کہ عالم خلق کی انتہا عرش مجید ہے اور اس وجہ سے کہ عرش مجید عالم خلق کی نہایت دہشتی ہے اور امر کی طرف منہ رکھتا ہے اسے بھی برزخ کہتے ہیں اور اصل قلب کی فوق اصل روح ہے اور اس کے فوق اصل سر اور اس کے فوق اصل خفی اور اس کی فوق اصل اخفی جب تعالیٰ شانہ نے چاہا کہ انسان کو اپنی

(۱) وہ لوگ ہیں کہ بدلتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی بدیوں کو نیکیوں سے۔

(۲) جو جاہلیت میں پہلے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں۔

حکمت بالغہ کے متقہنی سے اس نوع سے ترکیب دے تو بعد قالب کے تسویہ کے ان لطائف خسرہ سے ہر ایک کو اس عنصر جسمانی سے تعلق اور تعشق دے کر فوق العرش سے اوتار کر مقام خاص میں جس کو جس مقام سے مناسبت تھی متمکن کیا لطیفہ قلب کو اس مضغہ میں جو زیر پستان چپ ہے اور اسے قلب صنوبری کہتے ہیں جگہ دی اور اسے صنوبری اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ مانند صنوبر کے پھل کے ہے جو الٹا ہوا ہو۔ اور اصل الاصل اس لطیفہ کے صفت انضانی حق کی ہے کہ اسے فعل اور نگوین کہتے ہیں اس کا کمال یہ ہے کہ حق جل وعلیٰ کے فعل میں فانی و نیست ہو جائے اور اسی فعل سے بچا پائے اس وقت سالک اپنے تئیں مسلوب الفعل پائے گا اور اپنے افعال حق و جل وعلیٰ سے درست نسبت کرے گا، فنا قلب و تجلی فعلی اسی سے کنایہ ہے اور اس کا نشان یہ ہے کہ علمی و حسی تعلق اس کو غیر حق سے نہ ہوگا یعنی قلب ماسوئی کو بالکل فراموش کر دے گا یہاں تک کہ اگر برسوں تکلف کرے تو بھی ایک لحظہ ماسوا کو یاد نہ کرے گا۔ اس وقت جیسا علم اشیا اس سے زائل ہو گیا ہے۔ محبت اشیا بطریق اولی جاتی رہے گی اور جب سالک فنا قلب سے مشرف ہوا۔ اولیا کی جماعت میں داخل ہو گیا اور یہ فنا قلب بدون طے کرنے تمام دائرہ امکان کے جو مرکز فرش سے عرش تک اور عرش سے تمام عالم امر تک ہے۔ اور بغیر طے کرنے مراتب عشرہ کے یعنی زہد، صبر، توکل، رضا، تسلیم، قناعت، یاس لوگوں سے، فقر، فراغ، ریاضت جو صوفیہ علیہ نے ان کا بیان کیا ہے حاصل نہیں ہوتے اور نور قلب کو نور روز فرمایا ہے اس لطیفہ کی ولایت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔

اور جو آدمی المشرب ہے اس کا وصول درگاہ قدس کی طرف اسی لطیفہ کی راہ سے ہوئے گا مگر زبردستی و کشش پیر کامل سے اور اس مشرب کے صاحب کو استعداد حصول ایک درجہ کی پانچوں درجوں ولایت میں سے ہوگی۔ مگر زبردستی سے کسی زبردست کے اور لطیفہ روح جو بہت لطیف ہے، قلب سے اس کو مناسبت راستوں سے زیادہ تھی اس واسطے اس کو سینہ کے راستہ کی طرف زیر پستان جگہ دی اور اصل الاصل اس لطیفہ کی صفات ثبوتیہ حق ہے اور ایک قدم حضرت ذات کی طرف فعل سے نزدیک تر ہے، سالک بعد حصول فنا اس لطیفہ کے ساتھ تجلی و مصفا کی اپنی صفات کو اپنے سے مسلوب پائے گا۔ اور اس لطیفہ کا نور سرخ فرمایا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت ابراہیم علی نبینا

وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور جو کوئی ابراہیم المشرّب ہوگا اس کی سیر جناب قدس کی طرف اسی لطیفہ سے ہوگی بعد از قطع مراتب قلب کے اور اس مشرب والے کو استعداد حصول دودرجہ کی پہنچ گانہ مراتب ولایت سے ہوگی مگر زبردستی سے کسی زبردست کے اور سر کا لطیفہ کہ روح کے لطیفہ سے بہت لطیف تھا اس کو نزدیک وسط سینہ کے قلب کی جانب جگہ دی اور اصل الاصول شیونات ذاتیہ ہے کہ ایک قدم صفات سے حضرت ذات کی طرف نزدیک ہے، اور حاصل ہونا اس لطیفہ کی فنا کا شیونات کی تجلی سے ربط رکھتا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور جو موسیٰ مشرب ہوگا اس کا وصول جناب قدس میں اسی لطیفہ کی راہ سے ہوگا مگر بعد قطع پہلے لطیفوں کے اور اس مرتبہ والے کو استعداد تین مرتبہ کی ہوگی مراتب پہنچ گانہ ولایت میں سے لیکن زبردستی سے کسی زبردست کی اور اس لطیفہ کا نور سفید تعین فرمایا ہے اور لطیفہ خفی کو کہ سر سے بہت لطیف ہے درمیان روح اور وسط کی جگہ دی ہے۔

اور اصل الاصول اس لطیفہ کے صفات سلبیہ تزیہیہ ہے کہ شیونات ذاتیہ کے فوق میں اور حصول اس لطیفہ کی فنا کا اسی صفت کا وصول ہے اس لطیفہ کا نور سیاہ تعین کیا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اور جو زیر قدم حضرت عیسیٰ کے ہے اس کو راہ جناب قدس میں اسی لطیفہ سے ہوگی بعد قطع لطائف سابق کے مگر بھروسہ قاسم اور اس مشرب کے صاحب کو استعداد حصول چار مرتبہ کے ہے پہنچ گانہ مراتب ولایت میں سے اور لطیفہ خفی کہ بہت لطیف اور احسن اور اتمل سب لطائف عالم امر سے ہے اور بہت قریب ہے، حضرت اطلاق سے اس کو سینہ کے وسط حقیقی میں مرکز ہے اور بہت مناسبت رکھتا ہے حضرت اجمال سے جگہ دی ہے اور اصل الاصل اس لطیفہ کی ایک مرتبہ ہے، مثل برزخ کے درمیان تزیہیہ اور درمیان احدیت مجرّدہ کے اور اس لطیفہ کی فنا بھی مربوط اسی مرتبہ مقدسہ کے تحت سے ہے اور اس لطیفہ کے نفیسہ کا نور ہبز نور بیان فرمایا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قدم ہے اور اس بلند مرتبہ والے کو بالذات استعداد حصول تمامی مراتب پہنچ گانہ ولایت کے ہے حضرت قطب الاقطاب سلمہ ربہ کے زبان الہام بیان سے میں نے سنا ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانی نے ایسا فرمایا کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھے تو فنا خفی حاصل ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ لطائف خمسہ عالم امر کا عروج دائرہ اولیٰ ولایت کبریٰ تک جو مضمین تین دائرہ اور ایک قوس کا ہے، ہوگا جب اس دائرہ سے معاملہ ترقی کرے اور دائرہ اصل اور اصل الاصل میں سیر کرے، نفس سے معاملہ پڑے گا اور نفس کو پوری فنا کامل بقا حاصل ہونے سے کشادگی سیدہ اور اسلام حقیقی کا حصول اور اطمینان کے مقام رضا کی ترقی سے مشرف ہوگا اس کے بعد جب ولایت علیا میں سیر ہوگی تین عنصر سے معاملہ پڑے گا یعنی ناری و آبی و ہوائی سے اور اگر وہاں سے خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی ہوئی تو کمالات نبوت میں سیر واقع ہوگی معاملہ اجزائے ارضی سے پڑے گا اور جو وہاں سے ترقی واقع ہوئی تو خواہ کمالات رسالت خواہ حقائق مثلث میں یعنی حقیقت کعبہ و حقیقت قرآن و حقیقت صلوٰۃ میں معاملہ ہیئت و جدائی سے جو مجموع اجزاء عشرہ عالم خلق اور امر سے ہے بعد ہونے کمالات جدا جدا ہر ایک کے پڑے گا۔

بعد ازاں ہماری تمہاری عقل و فہم سے معاملہ برتر ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ محض عنایت بے نہایت سے اپنے ان کمالات سے بھرپور عنایت فرمائے۔ انہ قریب عجیب اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ بظہل حضرات عالی درجات قدس اللہ اسرار ہم کے ان مراتب مذکورہ اور معاملات سے جن میں ان کی نسبت زمین و آسمان کا فرق ہے اپنی استعداد کے لائق بلکہ استعداد سے زیادہ بہرہ کرامت فرمایا ہے اور اس ذرہ کو خاک مذلت سے اٹھا کر آفتاب کی برابر کر دیا ہے اس مرتبہ کا شکر اگر ہزار سال، سو ہزار زبان سے ہزاروں طرح سے ظاہر کرے تو ہزار میں سے ایک بھی نہ کر سکے فلسفہ الحمد و المنة لله کما یلیق بشانہ و بحری و السلام علی رسولہ و آلہ و صحبہ البردة النقی اس قسم کی باتوں کو ظاہر کرنے سے اگر فخر و بڑائی کا وہم ہوتا ہے لیکن اظہار الصعۃ من الشکر کے خصوصاً ایسے دوستوں سے جو مخلص اور محرم اسرار اور اس کے مشاق ہوں ان آثار و اخبار کے مذکور کیا گیا۔ ربنا (۱) لا تسواخذنا ان نسینا او اخطانا بحرمة سیدنا محمد النبی الامی العربی صلی اللہ علیہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ میرے بھائی شیخ محمد کبیر معلوم کریں کہ قرب نوافل اسے کہتے ہیں کہ سالک اپنے تئیں فاعل پائے اور حق کو اپنے اعضا چنانچہ بھی

(۱) اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چھوکیں بحرمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بسمع وہی بصر اس کا اشارہ ہے۔ اور قرب فرائض اسے کہتے ہیں کہ سالک اپنے تئیں اعضا پائے اور حق کو قائل جیسے الحق ينطق على لسان عمر اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ قرب شمرہ دیتا ہے فنا و جو سالک کا بخلاف پہلے قرب کے اور جمع بین القرین یہ ہے کہ سالک اپنے تئیں درمیان میں کچھ نہ پائے نہ قائل نہ اعضا چنانچہ بعض اہل دل نے اس مقام سے ایسا اشارہ کیا ہے

مصرعہ

عشق ست درمیانہ برمانہد بہانہ

اور یہ آیت کریمہ و ما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى گویا تینوں مقام کی خبر دیتا ہے کیونکہ ما رمیت قرب فرائض سے ہے اور اذ رمیت کنایہ قرب نوافل سے ہے ولكن الله رمى اشارہ جمع بین القرین سے ہے والسلام على من اتبع الهدى والتزم متابعة المصطفى عليه وآله الصلوات والتسليمات العلی۔ وہ تینوں مکتوب ہو چکے اور آخر میں ان ورقوں کے شیخ عبدالاحد نے اپنے ہاتھ سے یہ فائدہ تحریر فرمایا کہ مشائخ کرام کی عادت ہے کہ سالک مبتدی کو اوّل ذکر قلب سے مشغول کرتے ہیں تا جو ہر اور ملکہ ہو جائے اس کے بعد ذکر روح فرماتے ہیں بعد ازاں ذکر اخفی بعد ازاں ذکر نفس اور اس کی جائے دماغ ہے اس کے بعد اگر چاہیں ذکر سر اور خفی فرمائیں بعد ازاں سریان تمام اعضا میں تا حصول ملکہ و سلطان ذکر ہو جائے اور اکثر ایسا ہے کہ ذکر قلب و روح و اخفی پر اکتفا کرتے ہیں، اور کبھی ذکر قلب پر اکتفا کرتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ ذکر قلب کا جو ہر ہو جائے اور اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ فقط ذکر قلب کہنے سے سلطان ذکر اور سریان تمام اجزا و اعضا میں تحقیق ہوا ہے حاصل یہ کہ بقدر استعداد مبتدی کے سلوک چاہئے کرنا، والسلام على من اتبع الهدى تمام ہوا وہ جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا شیخ عبدالاحد قدس سرہ کے کلام سے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ ملا محمد ویل نے ذکر کیا ہے کہ امیر موسیٰ بیٹی کوئی کو ایک نے بزرگوں میں سے احمد یہ خانوادہ کے یہ مکتوب لکھا تھا اور امیر موسیٰ نے اس کی بہت سی تعریف کی اور اپنے یاروں سے کہا اس کی نقل لکھ لو۔ باسمہ سبحانہ و تعالیٰ و نسلم خدام ولایت پناہ ہدایت و ستگاہ سیادت مرتبت نجابت منزلت میر محمد موسیٰ سلمہ رہہ سلام دوستانہ اور تحیہ مخلصانہ اس فقیر حقیر محمد ہادی

عفی اللہ عنہ کا مطالعہ فرمائیں اور مانگئے والا دعاء سلامتی خاتمہ اور غفور و عافیت دنیا و آخرت کا گنیمت فقیر کو جو ضعف بدن بہت تھا اس سبب جس کا امر ہوا تھا وہ نہ بجالا سکا اب کچھ تخفیف پائی ہے تو لکھتا ہے کہ جب طالب صادق شیخ کامل و مکمل کے رو برو جائے اول ذکر دل کا کہ اس کا ٹھکانا بائیں ہاتھ کی طرف ہے، امر فرمائیں جب اس کا ملکہ ہو جائے تو ذکر روح کہ اس کی دائیں طرف ہے ارشاد کریں جب اس ذکر کا بھی ملکہ ہو جائے تو ذکر سر جو دل کے متصل ہے لیکن دائیں طرف بتائیں اور جب اس کا بھی ملکہ ہو جائے تو ذکر خفی کا جو روح کے پہلو میں ہے مگر بائیں طرف روح کے ہے مامور فرمائیں اور جب وہ بھی ملکہ ہو جائے ذکر اخفی کا کہ سب کے درمیان ہے اور وسط سینہ میں اس کی جگہ ہے اسے حکم کریں اور یہ جو ہر اخفی تمام جوہروں سے عالم امر کے اعلیٰ ہے چنانچہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور جب اخفی کا بھی ذکر ہو جائے تو ذکر نفس کا حکم کریں کہ نفس کا مقام دماغ ہے اور یہ اٹھائے ستہ ذکر سے متحرک ہو جائے تو ذکر نفی و اثبات فرمائیں بطریق معلوم اور جب عدد اکیس تک پہنچے اس کے نصاب پورے ہو گئے اور فنا قلب جو اطوار ولایت میں اول قدم ہے ظہور فرمائے اور فنا قلب اس بجلی افعال کا اثر ہے جو اس کی اصل ہے کیونکہ قلب افعال الہی ہے اور وہ ربی ولایت حضرت آدم کا ہے علیٰ نبینا و علیہ السلام اس کے بعد بقا قلب ایک تھوڑا افعال ایزدی ہے جل شانہ اس کے لئے کہ ہر ظل کو اپنی اصل کے راستہ ہی اس میں فنا ہونے کا اور اس سے باقی ہونے کا اس کے بعد معاملہ فنا روح ہے اور اس کے بقا اپنی اصل سے کہ حق کے صفات ہیں اور صفات ربی ولایت نوحی ولایت ابراہیمی ہے علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کہ دونوں ولایتیں مربوط روح سے ہیں اور اس کی اصل سے کہ صفتیں ہیں باعتبار ارات مختلفہ کہ ولایت ابراہیمی تفصیلی ہے اور ولایت نوحی اس سے مجمل ہے اس کے بعد معاملہ سر سے ہے اور فنا و بقا اس کی اصل ہے کہ شیون ایزدی ہے تعالیٰ شانہ اور شیون ہماری اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو عبارتیں حضرت ذات واجب تعالیٰ میں مندرج ہوں کہ معانی زائد بر ذات نہ ہو اور صفات ہے اور جو معانی زائد بر ذات سبحانہ ہو دیں، اور خارج میں موجود ہو دیں، اور ولایت سر ولایت موسوی ہے علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام پھر معاملہ خفی سے ہے اور اس کے بعد فنا و بقا اس کی اصل سے ہے اور وہ تقدیس و تزیینات سبحانیہ ہے اور یہ ولایت ولایت یحسوی ہے علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

پھر معاملہ انہی سے ہے اور اس کی فنا و بقا اس کی اصل سے ہے کہ وہ شان جامع اسماء و صفات اور شیون اور اشارات اور تقدیسات و تنزیہات ہے اور یہ ولایت ولایت محمدیہ ہے ان پر ہزار ہزار درود و سلام اور مری اس ولایت کا حقیقۃً الحقائق اور اقرب الولایت اور اجمع الولایات ہے اور اعلیٰ اور اشرف اور افضل ولایات ہے اور مستحق ولایت خمسہ ہے اور تقاضا کرنے والی ہے زوال بین کا اور اثر معرفتوں کا پہنچانے والی ہے اور وہی محبوبیت ہے پھر معاملہ نفس سے پڑتا ہے اور اس کی فنا تمام اور اس کی بقا بہت کامل ہے پھر معاملہ ان کی اصولوں سے اور اصولوں کی اصولوں سے پڑتا ہے یہاں تک کہ مثنوی ہوتا ہے ذات حق تعالیٰ تک اور وہاں ترقی فنا سے نہیں بلکہ ایک اور امر سے ہے کہ وہ اپنے مقام میں ظاہر ہوگی والسلام والا کرام۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ سلوک طریقہ اختیار یہ کا ان تحریروں میں فی الجملہ واضح ہو گیا اب تھوڑی روش طریقہ احمدیہ کی جو منسوب ہے، شیخ آدم بنوری سے ذکر کرتا ہے اس ضمن میں مکتوب شیخ عبدالنبی سیام چوراسی (۱) کا کہ جو اس زمانہ میں احمدیہ طریقہ کے مقتدا تھے اور سب اس طریقہ والوں کی کیا خاص اور کیا عام ان کی طرف توجہ تھی اور جمہور اس طریقہ کے متفق ہیں اس امر پر کہ ان کو سالکوں کی ترتیب میں اس طریقہ کی روش میں قدم راسخ تھا ایک عزیز صالح نے مکہ معظمہ میں ذکر کیا یہ مکتوب شیخ عبدالنبی کا ہے اور ان کے کام کی بنا اس پر تھی۔ ہم نے ان کے پاس سے لکھ لیا۔ واللہ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی نبیہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ جان خدا تجھ کو رہنمائی کرے کہ طریقہ احمدیہ نقشہ بند یہ طریقہ میں بہت قریب ہے وصول سے اور سالکوں کے لئے اس کی تفصیل ضروری ہے تھوڑی سی بطریق اجمال ان سطروں میں لکھے جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جب کوئی طالب صادق اللہ سبحانہ کی توفیق سے کسی عزیز کا اس طریق کے بزرگوں میں سے متوسل ہوتا ہے پہلے اسے استخارہ فرماتے ہیں اور استخارہ کا طریق یہ ہے کہ بعد

(۱) یہ شیخ عبدالنبی سیام چوراسی ہیں۔ شیخ عبدالنبی مگنکووی دوسرے بزرگ ہیں جو اکبر بادشاہ کے اتالیق رہے ہیں۔ (قامی)

نماز عشا جب سونے کا وقت ہوا اور کچھ دنیا کا ذکر نہ ہوتا زہ وضو کرے، وضو کے بعد ایک سو ایک دفعہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ بہت صدق سے پڑھے اس نیت سے کہ تمام تقصیروں بدنی اور روحی سے جو مجھ سے ہوئی ہیں میں نے توبہ کی اور نئے سرے سے میں مسلمان ہوا پھر اٹھ کر دو رکعت نماز استخارہ اس نیت سے کہ پڑھتا ہوں دو رکعت نماز استخارہ کہ حق تعالیٰ مجھ کو متابعت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بواسطہ حصول رضا اپنے پیر کے مضبوط رکھے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد آیت الکرسی ایک بار اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایہا الکافرون ایک بار خوب خشوع کے ساتھ اپنے تئیں حاضر کرے اور گریہ و زاری کرے بعد از نماز ایک سو ایک بار درود شریف پڑھے اور ایک سو ایک بار کلمہ تجید پڑھے پھر خوب عجز و انکسار سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے بعد اس کے جب نیند غلبہ کرے زمین پر سو رہے اور جو معذور ہو تو اختیار ہے یعنی زمین پر نہ سوئے بعد اس کے جو خواب میں بشارت ہو، اپنے مرشد سے ظاہر کرے اور جو پہلے روز بشارت نہ ہو تو تین دن تک استخارہ کرتا رہے یا یہ کہ استخارہ کے بعد اپنے قلب پر نظر کرے اگر اپنے قلب کو استخارہ کے بعد اعتقاد میں ویسا ہی مضبوط پاتا ہے جیسے پہلے تھا تو یہی بشارت ہے پھر مرشد کو چاہئے کہ خلوت میں اللہ کا نام تعلیم کرے جو کہ اسم ذاتی ہے اس طریقہ سے کہ اپنی زبان کو تالو سے لگائے اور نظر خیالی کو قلب صنوبری پر ڈالے اور نظر ظاہری کو بند کرے اور قلب صنوبری کا مقام زیر پستان چپ ہے قدر دو انگشت کے اور یقین کر لے کہ اسے قلب کہتے ہیں پھر اپنے تئیں مضغہ سے متوجہ کرے اور مضغہ کے باطن سے اسم اللہ جل شانہ کہوائے اس طرح سے کہ اس کو سوائے ذات کے نہ جانے اور اس ہیئت کو حتی المقدور اٹھتے بیٹھتے چھوڑے نہیں پھر مرشد کو چاہئے کہ خود متوجہ اس کے قلب کا ہو۔

توجہ کے یہ معنی ہیں کہ اپنی ہمت مرید کے قلب کی طرف لگائے اور اپنے قلب کا وہن مرید کے قلب کے وہن پر تصور کرے اس طرح سے کہ اور کوئی خطرہ اپنے قلب میں نہ آنے دے اور خوب خشوع سے جناب سبحانہ تعالیٰ سے التجا کرے کہ نور سالک کے دل میں قوت پیدا کرے اور جذبہ قلبی اور ہمت باطنی سے مرید کے قلب کو اپنی طرف کھینچے ایک ساعت کم و بیش اسی طور مرید کے حال پر متوجہ رہے اور اس طریقہ کے بزرگوں کی ارواح مبارک کو اپنے شامل حال سمجھے اس تصرف

کو ان کی امداد جانے اب بھی اور آئندہ بھی پھر مرید سے دریافت کرے اگر خوب سمجھ گیا ہے اور آرام پایا ہے فاتحہ پڑھے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے بیعت کرے اور اسے خدا کو سونپے اور آگاہ کر دے کہ یہ طریقہ احسنیہ نقشبندیہ بہ طریق میں حضرت خلیفہ وقت سیدی شیخ آدم بنوری کا ہے قدس اللہ سرہ العزیز اس کے بعد جب مرید نے اسم ذات کے ذکر میں لذت پیدا کی تعلیم نفی و اثبات کو بطریق مشہور اکیس تک پہنچائی اور اثر دل میں اپنے پائے شکر حق بجالائے پھر لطیفہ روحی کے ذکر کی تعلیم فرمائے اور اس کی جگہ زیر پستان راست ہے اور لطیفہ روحی کا نور سفید جیسے گھر سفید تصور کر کے اسم ذات کے ذکر کو جیسا لطیفہ قلبی میں کہا گیا ہے خوب خشوع کیساتھ کرتا رہے اور ہر وقت اس سبق کو پڑھتا رہے یہاں تک کہ ذکر قلبی کے مانند جمعیت و لذت یہاں بھی حاصل کرے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو ان دو لطیفوں میں تجلیات ظاہر ہوتے ہیں مگر چاہئے کہ تادمہ و ران تجلیوں کا مغلوب نہ ہو جائے بلکہ حق تعالیٰ کے تزیینہ کو نظر قلبی سے یقین کرے اس کے بعد تعلیم لطیفہ سری کی کرے اور مکان خاص اس لطیفہ کا وسط سینہ ہے دونوں پستان کے بیچ میں اور فرما دے کہ ذکر اسم ذات جس طور مذکور ہو چکا ہے، کرتا رہے اور بالکل اپنے تئیں ہر وقت ایسے ذکر میں رکھے یہاں تک کہ لذت و جمعیت خوب پیدا ہو جائے پھر تعلیم لطیفہ خفی کی کرے اسی طور سے اور اس کا خاص مکان پیشانی میں ہے اور اسم ذات کا اسی طرح سے ذکر یہاں بھی کرے بعد جمعیت اس لطیفہ کے لطیفہ خفی کی تعلیم کرے اور اس لطیفہ کا مقام سر کے اوپر تالو میں ہے بطریق مذکور یہاں بھی اسی طرح ذکر کرے یہاں بھی لذت حاصل کرے یہیں بیان ہے حدیث قدسی کا جو یہ ہے۔

ان (۱) فی جسد بنی آدم لمضغة وفي المضغة قلب وفي القلب فواد وفي الفواد سر وفي السر خفی وفي الخفی اخفی وفي اخفی انا۔ اے عزیز ان کی اصطلاح میں اس سیر کو سیر لطائف کہتے ہیں مگر جب تکرار سے یہ سیر تمام ہو جائے اور سالک کو اپنی استعداد کے موافق اجمال بالتفصیل اس سیر کی حاصل ہو جائے تو چاہئے کہ پھر اس لطیفہ قلبی پر لائیں اور تعلیم یادداشت اس میں کریں اس واسطے کہ پہلے اس سے تکرار اسی نہ تھی۔

(۱) تحقیق جسد نبی آدم میں مضغہ ہے اور مضغہ میں قلب اور قلب میں فواد اور فواد میں سر اور سر میں خفی اور خفی میں خفی اور اخفی میں، میں یعنی اللہ تعالیٰ۔

اور یادداشت اسی کا طریقہ یہ ہے کہ اسم اللہ کو قلب اندرونی سے جو ایک نور محض ہے کہے اس طور کہ قصد تکرار کا نہ کرے بلکہ اسم اللہ پر مدد را ز کھینچے مانند ایک تانبے کے برتن کی آواز کے اور اسی ایک آواز کو جہاں تک ہو سکے محافظت سے نگاہ رکھے اور قطع نہ ہونے دے اور جو قطع ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے اور یادداشت اسی کی قوت کے واسطے نفی و اثبات بھی دراز مد کے ساتھ جس دم کے ساتھ یا بے جس دم کے اختیار کرتے ہیں جب یہ نسبت ایسی قوت پڑے کہ اپنے قلب میں بلکہ جمیع لطائف میں بلکہ تمام بدن میں جو نورانیت کے ساتھ اس آواز محض کو یکساں پائے تو ذکر لطائف جو بواسطہ جسم کے تھا، تمام ہوا۔

اب لطائف کے ذکر میں جو بے واسطے لفظوں کے بھی کوشش کرنی چاہئے بعد یادداشت اسی کے یادداشت مسمیٰ کے تعلیم کرنی چاہئے یعنی مکان خاص قلب کو نظر میں رکھ کر لطیفہ کے اندروں کہ ایک امر نورانی ہے جیسا اوپر بیان ہوا نظر ڈال کر ایمان محض سے حق سبحانہ تعالیٰ کو حاضر بے پردہ یقین کرے مگر بے کفی اور بے جہتی اور جہات سے کو نظر سے گرا دے اور جانے کہ حق تعالیٰ حاضر ہے بے کیف و بے جہت پس اس جاننے کو کسی وقت اپنی دید و دانش سے نہ چھوڑے اگر غفلت ہو جائے تو پھر اس امر کو حاضر کرے یہاں تک کہ مشاہدہ سر سے پاؤں تک گھیرے اور پورا استغراق پیدا ہو ایسا کہ سوائے نور حق کے اپنے تئیں اور اپنے غیر کے تئیں کچھ نہ پائے وہی ایک نور حق ہی پائے اس نسبت میں اگر حق تعالیٰ کا احاطہ اور معیت کے شہود کے غلبہ کے سبب اشیا کو عین حق پائے تو اس کو ان کی اصطلاح میں توحید و جود کہتے ہیں اور جو اشیا کو گم کیا اور جمال و الجلال کا مشاہدہ ورائے حاصل کیا اور اشیا کو نظر سے گرا دیا تو توحید شہودی کہتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ یہ دونوں مرتبہ ولایت خاصہ ہیں جو کہ ولایت امت ہی ظاہر ہوتی ہے اور اس سے پہلے جو تجلیات وغیرہیر لطائف سے یادداشت اسی تک پیش آتی ہیں اولیا کے ظل ولایت میں ہیں اگر چہ اہل ولایت اولیا بہ نسبت اس ولایت کے اہل ظل کے کمال تمام رکھتا ہے لیکن ابھی تک وصول مطلوب حقیقی بے تلبیس اشیا ہے سالک کو چاہئے کہ ان تجلیات و مشاہدات سے لذت پا کر بے پروا نہ ہو جائے بلکہ ترقی کا طالب ہو اس کے بعد اگر پیر کامل ہوگا تو ان غلبات کے بخنور سے محض اپنی توجہ سے مرید کو نکال لے گا اور ذہن کو ان تجلیوں اور مشاہدوں اور توجہات سے خالی

کردے گا اور تعلیم اس کے نایافت کی جو ذہن میں حق اور غیر حق کے قرار پکڑتی ہے اور تصور میں آتی ہے اگرچہ لطیف و الطف ہی ہو۔ اس کے دفع کے درپے ہو اور آئینہ سری کو ان کے تاریکی سے خالی کرے اور بالکل ہر وقت سب کے فقدان میں توجہ سابقہ کے مقرر کرے تاکہ اس کے باطن میں توجہ الی المطلوب اور غیر مطلوب سے کچھ نہ ہو بلکہ بے توجہی سے یقین صاف مطلوب کا کرے یہاں تک کہ معلوم کچھ نہ رہے بجز نور یقین کے اس معاملہ میں سالک جب تک کہ توجہات کے دفع کرنے میں ہی سالک مرتبہ ولایت اخس کا ہے اور جب حاجت نفی کی نہ رہے اور آئینہ آمد و رفت توجہات و تصورات سے صاف ہو گیا اور بے توجہی و بے تکلفی حاصل ہوئی واصل کمالات ولایت اخس کا ہو گیا مگر ابھی توجہ و تصور اس واصل کا معلوم نہیں ہوا بلکہ مقصود ہے جیسے ذکر ہوا پہلے مکتوب میں وہ ولایت بالا صالت خاصہ چار ملائک مقربین علیہم السلام کا ہے اور اولیا امت کو جعاً نصیب ہے اگر مناسبت استعدادی پیدا ہو جائے۔ اور جاننا چاہئے کہ ولایت خاصہ کے مرتبہ میں توحید و جود و توحید شہودی کا جو ہم نے بیان کیا ہے توحید و جود لطیف قلبی کے نفس سے پیدا ہوتی ہے اور توحید شہودی لطیف روحی کے نفس سے ظاہر ہوتی ہے اور نسبت نایافت خاصہ لطیفہ سری کا ہے واللہ اعلم کہ کس کو ہزاروں میں سے وہ عنایت ہو ذلک فضل اللہ یوقیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

جاننا چاہئے کہ بعد مرتبہ نایافت کے حقیقت نایافت پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سالک نے لطیفہ سری کو تظلیات سے خالی کیا اگرچہ مشاہدہ کا ہی تخیل ہو دائرہ حقیقی میں داخل ہوا لیکن اس نسبت کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے اسی سبب سے ہے کہ وہ ار باب جہل سے ہے پس اگر فضل الہی نے اس کی دہگیری کی ایک بارگی اپنے تئیں تمام مراتب معصری و نوری سے فوق پاتا ہے اور چاہئے کہ اس نسبت کا واصل حقیقت ہو جائے اور وہ ایک قابلیت ہے نور اول کی قابلیت میں سے اور نور اول نور محمدی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسے شہود اول بھی کہتے ہیں اور مرشد کی تعلیم سے بھی پایا ہے یا کوئی کوئی تعلیم نہیں ہے کہ میرا اصول مطلوب سے جو ولایت خاصہ میں تھا اپنے علم سے تھا اور اپنے علم کی خصوصیات سے۔

ان دنوں جو مجھے اس علم سے نوازا ہے اس نعمت کا حصول خدا تعالیٰ کے علم اور خصوصیات سے ہے اب میرے علم کو اپنی خصوصیات توقف اور محض بیکاری ہے جو کچھ میرا علم جانتا ہے ساتھ کسی

خصوصیت کے حصہ خصوصیات علم حق تعالیٰ کا جاننا ہے جب سمجھ کر ہر وقت اپنے تمام مراتب ذاتیہ و صفاتیہ و کمالاتیہ کی ذات و صفات و کمالات حق تعالیٰ کا مظہر دیکھتا ہے اور سوا مظہریت محض کے کچھ نہیں پاتا من لم یصدق ولم یدر قضیہ مقرر و مشہور ہے جو کہ ہر مرتبہ ولایت کا ابتدا اور وسط اور انتہا رکھتا ہے۔ تو سچ مرتبہ ابتدا بلند اخیرہ کے جس کا نام ولایت انبیاء ہے علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات فقہ کو شش باطن کے خالی کرنے میں ہے حقیقت کی رو سے یافت حق اور غیر حق کے اور وسط میں اس مرتبہ کے غلو سیر ہے اور اطلاع حقیقت خلو پر اور حقیقت اطلاع ہے اور حقیقت اپنی مظہریت صفات کے صفات حق تعالیٰ کے واسطے اس مرتبہ میں اگر جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے میں عالم ہوں اور اس کے بصر سے بصیر ہوں اور اس کی قدرت سے قادر ہوں علیٰ ہذا القیاس مگر ابھی تک حقیقت نسبت صفات کے ساتھ ذات حق تعالیٰ کے کما حقہ اس عارف کو مقصلا اور علما ظاہر نہیں ہوئی پس جب جانے گا کہ صفات حق تعالیٰ کے ذات پر زائد نہیں ہیں کہ عالم یہ علم اور بصیر بہ بصر وغیرہ علیٰ ہذا القیاس کہہ سکے بلکہ ذات بذاتہ علیم ہے اور علم قابلیت ذاتیہ ذات کے ہے اور ذات بذاتہ بصیر ہے اور بصر قابلیت ذاتیہ اس کی ہے کذا الک فی جمیع الصفات بی اطلاق عینیت وغیریت ساتھ اطلاق محض کے پس عالم حق ہے خود بخود سبحانہ با صرح حق ہے سبحانہ اور اس عارف کے واسطے بجز مظہریت ذاتیہ و صفاتیہ کمالاتیہ کے اور کوئی دوسرا امر نہیں ہے اور بجز یقین صرف کے اس مرتبہ کے نہایت سے اس وقت مشرف ہوگا مگر اجمالاً اور اس مرتبہ کی تفصیل سے جس کو چاہئے نوازیں ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم اسی برادر نسبت خلو کے جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس ولایت کے دائرہ میں دخل زیادہ ہوگا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے نبوت کے کمالات کیا بیان کروں کہ تقریر و تحریر سے اس مرتبہ کی حقیقت زیادہ ہے مگر اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے اگرچہ ولایت انبیاء اور اس کی نبوت علیہم الصلوٰۃ و دونوں دائرہ اصالت میں ہیں اور دونوں ظلیت سے مبرا میں مگر اتنا ہے کہ ولایت میں وصول حقیقت صفات عز شانہ کا ہے اور نبوت میں وصول حقیقت ذات جل برہانہ کا ہے استعداد کے درجوں کے تفاوت کے موافق جیسا خدا فرماتا ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض الحمد للہ الذی ہدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان ہدانا اللہ لقد جاء ت رسل ربنا بالحق۔

آٹھویں فصل (۱)

اور طریقہ چشتیہ کے شعبے بہت ہیں ان میں تین بہت مشہور ہیں۔ نصیریہ، سراجیہ اور صابریہ اور اس فقیر کو ان تینوں سے ارتباط ہے پس اس فقیر کو ارتباط بیعت اور تلقین و اجازت و خرقہ و صحبت کی حیثیت سے اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم قدس سرہ سے ہے اور ان کو خرقہ و اجازت شیخ عظمت اللہ اکبر آبادی اور ان کو اپنے والد سے اور ان کو اپنے والد سے ان کو شیخ عبدالعزیز سے اور نیز وصیت، اجازت اشغال اپنے ناناشیخ رفیع الدین محمد سے ان کو اپنے والد شیخ قطب العالم سے ان کو شیخ عبدالعزیز سے ان کو شیخ نجم الحق سیہوی سے ان کو شیخ عبدالعزیز سے، پھر شیخ عبدالعزیز کو دو جہت سے ہے ایک شیخ یوسف قاضی خان سے ان کو شیخ حسن بن طاہر سے ان کو سید راجی حامد شاہ سے ان کو شیخ حسام الدین ماکہ پوری سے ان کو شیخ نور قطب العالم سے ان کو اپنے والد شیخ علاء الحق سے ان کو شیخ سراج الدین عثمان اودھی سے ان کو شیخ نظام الدین اولیا سے اور دوسری جہت سے سید عبدالوہاب بخاری سے ان کو اپنے والد سید محمود سے ان کو اپنے والد راجو قتال سے ان کو سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے ان کو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے ان کو شیخ نظام الدین اولیا سے اور نیز حضرت والد کو خرقہ و اجازت و صحبت سید عبداللہ سے متصل ہے شیخ آدم بنوری سے ان کو شیخ احمد سہرندی سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالاحد سے ان کو شیخ رکن الدین سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالقدوس سے ان کو شیخ محمد بن عارف سے ان کو اپنے والد شیخ عارف سے ان کو اپنے والد شیخ احمد عبدالحق سے ان کو شیخ جلال الدین پانی پتی سے ان کو شیخ شمس الدین ترک سے ان کو مخدوم علی صابر

(۱) طریقہ چشتیہ

سے ان کو اپنے شیخ اور ماموں شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر سے۔

اور اس فقیر کو ایک اور بھی ارتباط ہے کہ فقیر کے بڑے ماموں نے اس فقیر کو ثرقہ دیا اور فاتحہ پڑھی اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے شیخ نظام الدین نارنولی سے ان کو خواجہ خانو گویاری سے ان کو خواجہ اسماعیل بن حسین سے ان کو اپنے والد خواجہ حسن سرمست سے ان کو اپنے والد خواجہ سالار فاروقی سے ان کو اپنے شیخ خواجہ احتیار الدین عمر سے ان کو خواجہ محمد رساوی سے ان کو خواجہ نصیر الدین سے اور کتاب اخبار الاخیار میں یوں مذکور ہے کہ خواجہ خانو نے اخذ طریقہ کیا خواجہ شہاب الدین ناگوری سے اور کہتے ہیں خواجہ شہاب الدین ان کے شیخ صحبت ہیں اور پہلے شیخ بیعت ہیں واللہ اعلم۔

پھر شیخ نظام الدین کو اخذ طریقہ ہے شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر سے ان کو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے ان کو خواجہ معین الدین حسن بخاری سے ان کو خواجہ عثمان ہارونی سے ان کو حاجی شریف زندگی سے ان کو خواجہ قطب الدین مودود چشتی سے ان کو اپنے والد خواجہ ابوالاحمد چشتی سے ان کو ابوالسحاق شامی سے ان کو شیخ علودینوری سے ان کو خواجہ ہمیرۃ البصری سے ان کو خواجہ حدیفہ مرغشی سے ان کو سلطان ابراہیم بن ادہم بلخی سے ان کو شیخ فضیل بن عیاض سے ان کو شیخ عبدالواحد بن زید سے ان کو حسن بصری سے ان کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے سیدہ بکسر سین و سکون تحستہ و فتح ہا اور آخر اس کے نون ایک شہر ہے دار الخلافہ دہلی کے مضافات سے راجا ہندی زبان میں بادشاہ کو کہتے ہیں۔

اور سید حامد شاہ کوراجہ کہتے تھے بطریق تعظیم کے اس لحاظ سے کہ ان کے آباکرام مانک پور کی ریاست رکھتے تھے مانک پور ایک شہر ہے پورب میں اس کو کڑا مانک پور بھی کہتے ہیں او وہ فتح الف و فتح واو و سکون دال ہندی ہا سے ملی ہوئی ایک برا شہر ہے پورب میں سادات بخاریہ ایک قبیلہ ہے بڑا حضرت جعفر بن علی بن رضارضوان اللہ علیہم کی اولاد سے چونکہ ان کے جد سید جلال الدین کچھ مدت بخارا میں رہے ہیں۔ ان کو جلال الدین بخاری کہتے ہیں اور سادات بخاریہ نسبت ہے جلال الدین بخاری سے راجو ہندی نام ہے مشتق راج سے بمعنی بادشاہی کے اور قتال بسبب نفس کے ریاضت کے کہتے تھے چراغ دہلی لقب ہے شیخ نصیر الدین کا اس لئے کہ دہلی میں صاحب ارشاد تھے پانی پت ایک شہر ہے تین منزل دہلی سے لاہور کی طرف نارنول ایک شہر ہے دہلی کے

مضافات سے گوالیار ایک شہر ہے مضافات اکبر آباد سے اوش فرغانہ ایک قصبہ ہے توابع اندجان سے بخاری بکسر سین و سکون جیم و کسر رائے معجمہ نسبت بہ سیستان اور سیستان کو عربی زبان میں بھستان و خجرات کہتے ہیں اور یہ قریب ہے اور بدلتا سین کا را سے قریب کی تغیرات سے ہے۔

ہارونی فقیر کے نزدیک خواجہ عثمان کے وطن کا نام ہرنو ہے اور ہارونی نسبت اس سے ہے بخلاف قیاس لوگوں کے زبان میں مشہور چشتی بکسر جیم فارسی ملا عبد الغفور لاری نے بفتح جیم فارسی لکھا ہے۔ سمعان بکسر سین مہملہ و سکون میم و سین مہملہ مشائخ چشتیہ کے شجروں میں شیخ علو مشاد وینوری لکھتے ہیں اور اس کا متقاضی یہ ہے کہ شیخ مشاد شیخ علو ایک شخص ہو اور بعضوں کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں شیخ علو ہے اور وہ غیر مشاد ہے علو بکسر سین مہملہ و سکون لام ہمیرہ بضم ہا و فتح موحده و سکون تحستہ و فتح رائے مہملہ مرثی بفتح میم و سکون رائے مہملہ و فتح سین مہملہ و کسر شین معجمہ نسبت ہے مرعش سے کہ ایک شہر ہے توابع شام سے۔

اور اس فقیر نے نقل کیا ہے کتاب عزیز یہ کو جو تصنیف شیخ عبدالعزیز کی ہے اور اشغال و اوراد و صبح و شام کے اور اوراد و موسم کے اور تعویذ اور دعائیں اس میں لکھی ہیں ملا محمد شاکر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جو اپنے شہر کے بڑے فضلاء میں تھے اپنے زمانہ میں اور سب فرزندوں سے شیخ عبدالعزیز کثرت تدریس میں زیادہ اور ممتاز تھے اور عزیز یہ کا مطالعہ کیا ہے اس نسخہ میں جو شیخ یحییٰ جنیدی نے اپنے ہاتھ سے شیخ عبدالعزیز کے نسخہ سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت والد بزرگوار قدس سرہ نے اس سب کی اجازت دی ہے اور میں نے لکھا ہے کہ کتاب مفتاح الفیض کو جو تالیف شیخ حسن طاہر کی ہے علم سلوک میں اور وہ اس باب میں بہت نفیس کتاب ہے، اس نسخہ سے جو شاہ محمد خیالی کی اولاد کے پاس پایا میں نے تبرکات اجداد سے ان سے کہا ہے شیخ عبدالعزیز نے عزیز یہ میں کہ جب کوئی چاہے کہ کسی کو ذکر تلقین کرے تو چاہئے کہ اس کو فرمائے کہ روزہ رکھے اگر روزہ پنجشنبہ ہو تو بہت اچھا ہے اس کے بعد اس سے دس دفعہ استغفار اور دس دفعہ درود شریف پڑھوائے اور کہے جو عبادت کہ ہے سب کے واسطے وقت مقرر ہے مگر ذکر کہ ہمیشہ رات دن یا وقت تعالیٰ فرض عین ہے کہ العطلة حرام

یک لحظہ زکوئے یار و درے

در مذہب عاشقان حرام است

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ یدکرون اللہ قیاما وقعوداً وعلیٰ جنوبہم یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے تو آدمی ان تین حال سے خالی نہیں یا دل سے یا زبان سے حق کی یاد لازم ہے تو جب ذکر ایسی عبادت اور حُرُفَت ہے کہ ہرگز ساقط نہیں ہوتی استاد کو چاہئے کہ اس کو سکھائے اور بتائے کہ دل سینہ کے پائیں طرف ہے صنوبر کی صورت اور اس کے دو دروازہ ہیں ایک اوپر کو ایک نیچے کو اور دونوں دروازہ بند ہیں اوپر کا دروازہ کھلنے کا ذکر جہر فرماتے ہیں اور نیچے کے دروازہ کھلنے کا ذکر خفی یا جس نفس فرماتے ہیں اور دل کی مثال مثل اس آئینہ کے ہے جسے زنگ لگ گیا ہے اس کے واسطے مصلحت کرنے والا چاہئے کہ اس کو دھو سکھائے اور نہیں تو آئینہ خراب ہو جائے گا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکل شیء مصقلة و مصقلة القلب ذکر اللہ تعالیٰ یا دل کی مثال حق حق کی ہے جس سے آگ نکالتے ہیں تو جب لوہا پتھری پر مارتا دیکھے اور آگ نکالنی دیکھے اور آگ نکلے اور نہیں تو توڑ ڈالے اور مطلب برن آئے غرضیکہ مرشد بغیر گزارہ نہیں چنانچہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ دلنی (۱) الی اقرب الطریق الی اللہ و افضلہا عند اللہ و اسہلہا بعبادہ (۲) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیک بملازمة الذکر فی الخلو فقال علی کرم اللہ وجہہ کیف اذکر یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمض عینک و اسمع منی ثلاث مرات بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا الہ الا اللہ ثلاث مرات وعلی یسمع ثم قال علی کرم اللہ وجہہ لا الہ الا اللہ ثلاث مرات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یسمع ثم لقن علی کرم اللہ وجہہ الحسن البصری رضی اللہ عنہ حتی وصل الی یومنا هذا، پس کہے اسے کہ چار زانو بیٹھے اس طور کہ رگ کیماس پکڑے دو انگلیوں سے یعنی

(۱) سکھاؤ مجھ کو بہت نزدیک اللہ کا راستہ اور بہت افضل اللہ کے نزدیک، بہت آسان ہو۔

(۲) اس کے بندوں کو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملازمہ کو کہ تو خلوت میں ذکر کریں کہا علی کرم اللہ وجہہ نے کہ کیسے ذکر کروں یا رسول اللہ فرمایا کہ آنکھیں بند کر اور مجھ سے سنو اسی طرح تین دفعہ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ لا الہ الا اللہ کہا اور علی کرم اللہ وجہہ سنتے تھے پھر حضرت علیؑ نے تین دفعہ کہا اور حضرت سنتے تھے کہا پھر سکھایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسن بصری کو یہاں تک کہ ہمارے زمانہ تک پہنچا۔

دائیں پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے برابر کی انگلی..... اس واسطے کہ اس طور پکڑنے میں دو فائدے ہیں ایک خطرہ دل کی نفی دوسرے دل کی حرارت اور یہ دونوں مطلوب ہیں اور یا اس طرح بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھے ہیں اور خود کعبہ کی طرف پیٹھ کرے اور اس کو اپنے سامنے بٹھائے اور کہے کہ نکالے زیر ناف سے لا الہ الا اللہ مدد را کے ساتھ اور نفی ماسوی اللہ کرے کہ نہیں ہے کوئی معبود و مقصود موجود مگر حق تعالیٰ مبتدی کو ارادہ عوام بتائے کہ نہیں ہے کوئی معبود اور متوسط کو ارادہ خاص کہ نہیں ہے کوئی مقصود اور منتہی کو ارادہ انخاص الخواص کہ نہیں ہے کوئی موجود یہاں تک کہ اپنی بھی نفی کرے اور دائیں موٹہ سے تک پہنچائے اور وہ ارادہ کرے کہ غیر حق تعالیٰ کو میں نے دل سے نکال دیا اور پس پشت پھینکا پھر م نیالے الا اللہ کی ضرب سخت زور سے دل پر لگائے کہ بت باطن کا ٹوٹ جائے اور وقت اثبات کے مطلوب کو اپنے ساتھ جائے بلکہ پالیا تصور کرے بلکہ یقین جانے کہ وہی اثبات کرتا ہے اور اپنے تئیں درمیان سے نکال دے۔

یار آمد در میان ما از میان برخاستیم

مگر مقصود کلی یہ ہے کہ کلمہ کے معنی دل میں ضرور ہوں تا اس وعید میں نہ آجائے کہ من (۱)

ذکر نی بالغسل ذکرتہ باللعة و اذا ذکر عبدی عبثا اهتز عرشى غضبا اور یہ مطلوب ہے کہ مرشد کی صورت اپنے سامنے تصور کرے اس کے بعد ذکر کرے السرفیق ثم الطریق انہیں کے حق میں ہے اور نفی خطرات کے لئے بہت اثر رکھتی ہے بلکہ حضرت سلطان الموحدين و برہان العاشقين حمزة التوکلین شیخ جلال الحق والشرع والدین مخدوم مولانا قاضی خان یوسف نامی قدس اللہ سرہ العزیز ایسا فرماتے تھے کہ صورت مرشد کہ ظاہر دیکھی جاتی ہے مشاہدہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ہے آب و گل کے پردے میں اور جو صورت مرشد کہ خلوت میں نمودار ہوتی ہے وہ مشاہدہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ہے بے پردہ آب و گل کے ان (۲) اللہ خلق آدم علی صورۃ الرحمن و (۳) من رانی فقد رانی الحق اس کے حق میں درست ہوا ہے۔

(۱) جو مجھ کو غفلت سے یاد کرے میں اس کو اعنت سے یاد کرتا ہوں اور جب میرا بندہ ولہب سے مجھے یاد کرتا ہے تو عقب سے عرش مل جاتا ہے۔ (۲) تحقیق اللہ نے پیدا کیا آدم کو زمین کی صورت پر اور (۳) جس شخص نے مجھ کو دیکھا حق کو دیکھا۔

شعر

گر تجلی ذات خوائی صورت انسان ہمیں

ذات حق را آشکارا اندر و خندان ہمیں

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ چار ہزار پیران طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے اس پر کہ وصول حق تعالیٰ کا دو چیز سے ہوتا ہے ایک ذکر دوسرے بھوکے رہنا پھر فرمایا جو شخص ذکر جلی کرتا ہے اس کو بہت بھوکے رہنے کی حاجت نہیں ہے بلکہ چوتھائی پیٹ خالی رکھے اور گھی کھائے کہ مغز خشک نہ ہو جائے اور دماغ میں خلل نہ آجائے اور جب ذکر جلی سے فارغ ہو یا کوئی مانع پیش آئے تو ذکر خفی سے کہ وہ پاس انفاس ہے مشغول ہو اور دوام شغل مبتدی کو بھی ذکر خفی سے کہ پاس انفاس ہے میسر ہوتا ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ جودم کہ خارج ہو لا الہ کہے اور جودم داخل ہو لا اللہ تصور کرے اور اس دم کو دل سے ربط ہے اور اس کے سبب دل ذاکر ہو جاتا ہے فردا کے قیامت کو پوچھا جائے گا کہ اپنے دم کہاں صرف کئے تو جو یاد حق تعالیٰ میں صرف کئے ہوں گے خلاصی پائے گا۔

شعر

ہر یک نفس کہ میرد دراز عمر گوہری است

کان را خراج ملک دو عالم بود بہا

مہند کاین خزانہ دہی رازیگاں بہاد

آنگہ روی بخاک حمید ست وینوا

ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ذکر منشور ولایت ہے جس کو ذکر کی توفیق ملے اس کو منشور ولایت مل گیا یعنی خلعت ولایت انعم اولیاء حق سے مشرف ہو گیا اور جس سے توفیق ذکر کی سلب کرے بیشک اسے مقام ولایت سے معزول کیا ایسا ذکر کے باب میں فرمایا ہے کہ ذکر خدا تعالیٰ مریدوں کی تیغ ہے جب دشمن کی ہلاکت کی ہمت کریں یا دفع بلا چاہیں اور اس طرف دل لگائیں دشمن ہلاک ہو جائے گا۔ اور دفع بلا ہو جائی گی۔ قال اللہ تعالیٰ واذکرو رب اذا نسیت یعنی یاد کر اپنے پروردگار کو جس وقت کہ فراموش کرے تو اپنے نفس کو اور نفس کی فراموشی اس کی مخالفت میں ہے چاہئے کہ اپنے نفس سے مخالفت کرے کہ سب عبادتوں کی سردار ہے اس واسطے

کہ کوئی دشمن اس سے زیادہ قوی نہیں ہے جیسا فرمایا ہے مشائخ رحمہم اللہ نے مخالفة (۱) النفس
راس العبادۃ و موافقة النفس راس الکفر

مگر حیات (۲) خوب خوانی نفس را گردن بزن
زانکہ از نفست قوی تر، پیچ دشمن دار نیست

اسی سبب سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ سو ہزار بھوکے بھیڑیوں کا ریوڑ بکریوں میں ایسا نقصان
نہیں کرتا جیسا کہ ایک شیطان کرتا ہے اور سو ہزار شیطان ایسا نہیں کرتے جیسا ایک براہم نشین کرتا
ہے اور سو ہزار برے ہم نشین ایسا نہیں کرتے جیسا ایک نفس آدمی کے جسم میں قال (۳) المشائخ
رحمہم اللہ النفس ہی الصنم الاکبر اسی معنی میں کسی بزرگ نے بھی فرمایا ہے۔

تا یک (۴) نفس از نفس تو پیدا ست ہنوز
بر در گہ دل زد یوغو غنا ست ہنوز

فرمایا اللہ تعالیٰ نے فا ذکرہ اللہ ذکر اکثیر یعنی اللہ کو یاد کرو، یاد کرنا بہت پس ذکر کے
خصائص میں سے ہے یہ بھی کہ کسی وقت منع نہیں بلکہ سب وقت ثواب پاتا ہے نقل ہے حضرت
بندگی شیخ عبد اللہ قدس سرہ العزیز سے کہ مجھ سے فرمایا پیر و پیکر بندگی حضرت شیخ قطب الدین حاجی
قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ ذکر جہر بارہ برس صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کیا میں نے
جو فائدہ ذکر میں پایا وہ کسی عبادت میں نہیں پایا جب میں ختم قرآن شریف کرتا تھا تو تین سے کم نہ
کرتا تھا اور نماز پڑھتا تھا ہزار رکعت سے کم نہیں پڑھتا تھا اور جب دعوات اسما کرتا تھا تو ایک لاکھ
بار سے کم نہ کرتا تھا مگر جو شمرہ اور فائدہ ذکر میں دیکھا ایسا ان میں کسی میں نہ دیکھا اور چاہئے کہ ذکر
گناہوں سے توبہ کرے تاکہ زبان اور دل آلودہ سے حق تعالیٰ کا نام نہ لے اس لئے کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ اپنی امت کے گناہگاروں سے کہو کہ مجھے آلودگی سے نہ یاد کریں میں نے

(۱) نفس کی مخالفت عبادت کا سر ہے اور نفس کی موافقت کفر کی بنیاد ہے۔ (۲) اگر تو اچھی زندگی چاہتا ہے تو نفس
کی گردن مار کس سبب سے کہ تجھ کو دشمن رکھنے والا نفس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ (۳) مشائخ رحمہم اللہ علیم نے
کہا ہے کہ نفس بھی ایک بڑا بت ہے۔ (۴) جب تک تیرے نفس سے ایک سانس بھی باقی ہے دل کی درگاہ پر دُپ
سے ایک غوغا ہے۔

اپنی ذات کی قسم کھائی ہے تحقیق جو مجھے غفلت سے یاد کرے میں اس کو لعنت سے یاد کروں تو جو گناہگار مجھے غفلت سے یاد کریں گے میں ان کو لعنت سے یاد کروں گا یہ وعید ہے ان گناہگاروں کے حق میں جو غافل نہیں تو کیا حال ہوگا ان کا جو غافل بھی ہوں اور گناہگار بھی ہوں کذافی احياء العلوم ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز اپنے یاروں سے کہا کہ آج شب کو میں نے صبح تک کوشش کی کہ لا الہ الا اللہ کہوں میں مگر مجھے قدرت نہ ہوئی یاروں نے کہا کیوں، کہا میں نے لڑکپن میں تو ایک کلمہ کہا تھا وہ یاد آ گیا۔ اس سے وحشت ہوئی اور اس نے نہ کہنے دیا لا الہ الا اللہ اور کیا تعجب ہے اس شخص سے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور حالانکہ موصوف ہو کسی صفات بشریہ سے کذافی العوارف۔

ہزار بار ہشتم دہن زمٹک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

بعدہ اسے مراقبہ فرمائیں اس سے کہیں کہ مراقبہ مشتق رقیب سے ہے رقیب کے معنی نگہبان ہے یعنی دل کی پاسبانی کرے کہ دل میں غیر حق کو جانے نہ دے۔

رباعی

پاسبان (۱) دل شو اندر کل حال

تا نیابد پہچ دزد آنجا مجال

ہر خیال غیر حق را دزد دان

این ریاضت سالکان را فرض دان

پس دل میں خیال کر لے اور اللہ حاضر ہے اللہ ناظر ہے اور اللہ شاہد ہے اللہ ساتھی ہے ہمیشہ حق تعالیٰ کو ساتھ اپنے اور اپنے تئیں ساتھ حق تعالیٰ کے جانے جدائی خدا سے محال ہے کہا اللہ تعالیٰ نے وفی انفسکم افلا تبصرون یعنی تمہارے دلوں میں ہے کیوں نہیں دیکھتے اس لئے کہ حق تعالیٰ لطیف مطلق ہے جس قدر لطافت زیادہ اسی قدر احاطت زیادہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الا انہ بسکل شئی محیط یعنی آگاہ ہو کہ تحقیق حق تعالیٰ ہر شے کا محیط ہے جیسے روح کا احاطہ جسم کے

(۱) ہر حال میں تو دل کا نگہبان رہ۔ تاکہ کوئی چور وہاں مجال نہ پاوے۔ خدا کے غیر کے ہر خیال کو چور خیال کر۔ سالکوں کے واسطے اس ریاضت کو فرض جان۔

ساتھ ہے کہ جسم کا کوئی جزو ایسا نہیں کہ روح ساتھ اس کے نہیں ہے باوجود اس کے نہ متصل ہے نہ منفصل ہے نہ خارج ہے نہ داخل ہے۔

فائدہ جب چاہے کہ چلہ میں بیٹھے تو چاہئے کہ پہلے دایاں پاؤں حجرہ میں رکھے اعوذ اور بسم اللہ پڑھے اور قل اعوذ برب الناس تین دفعہ پڑھے پھر بایاں پاؤں حجرہ میں رکھے اور کہے انست و لیس فی الدنیا والاخرۃ کن لی کما کنت لمحمد علیہ السلام وارزقنی محبتک اللہم ارزقنی حبک فی شغفی واجذبنی بجلالک وجمالک واجعلنی من المخلصین اللہم امح نفسی بجلدات ذاتک یا انیس من لا انیس لہ رب لا تدرنی فردا وانت خیر الوارثین پھر مصلیٰ پر قبلہ رو کھڑا ہوا اور اکیس بار پڑھے انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین پھر دو رکعت نماز اجال اللہ تعالیٰ پڑھے پہلی رکعت میں بعد الحمد کے آیتہ الکرسی اور دوسری میں الحمد کے بعد امن الرسول آخر سورۃ تک بعد فراغ سجدے میں جائے اور یہ دعا پڑھے اللہم کن لی انیسا فی خلوتی ومعینا فی وحدتی اللہم اجعل خلوتی ہذہ موجبة لمشاهدتک ووفقی لما تحب وترضی اللہم اعوذ بک من مستطک واسالک رضاک اللہم جنبنی ان اعبد الهوی اللہم اکشف الغطاء عن عینی وارفع الغبن عن قلبی حتی اشاہد جمال لا الہ الا اللہ پھر دو گانہ جن کا ذکر ہو چکا ہے پڑھے اور ایک دو گانہ ماں باپ کی روح کو، اگر وفات پا گئے ہوں پڑھے اور نہیں تو ان کی سلامتی کے واسطے پڑھے اور چار رکعت ایک سلام سے اور پڑھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے پچاس بار سورۃ اخلاص اور پانچ پانچ دفعہ معوذتین پڑھے تاکہ خدا تعالیٰ کی پناہ میں رہے اور پانسو بار یا فاتح کہے بعدہ ذکر نفی واثبات ساتھ ارادہ خاص الخاص یعنی لا موجود کے مشغول ہو اور کبھی ذکر اسم ذات کرے ساتھ ملاحظہ اور مفہوم ملاحظہ کے اور واسطے کے مشغول رہے چنانچہ ایک لکھ ذکر نفی واثبات سے خالی نہ رہے یہاں تک کہ وضو کے وقت اور کھانے کے وقت اس کے تصور میں رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جل جلالہ میں مناجات کی کہ ایلہی میں سب وقت تجھ کو یاد کر سکتا ہوں مگر دو وقت ایک تو پاخانہ کے وقت اور ایک جب غسل کی حاجت ہوگا وہاں ذکر نفسی فی کل حال

یعنی مجھے یاد کر ہر حال میں تو اس وقت بھی تصور سے خالی نہ ہو جیسا کہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یذکر اللہ علی کل حال احیان یعنی ذکر دو قسم ہے ایک دل سے دوسرا زبان سے اور پہلا اعلیٰ ہے اور حدیث شریف میں بھی اسی سے مراد ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ اذکروا اللہ ذکراً کثیراً اور وہ یہ ہے کہ فراموش نہ کرے خدا تعالیٰ کو کسی جائے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں قسم میں کمال تھا مگر حالت جنابت اور داخل ہونے بیت الخلا کے جو ان لیا تم نے کہا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قسم پر اختصار کرتے تھے ایسی قسم پر جس میں جنابت کو دخل ہی نہیں یعنی ذکر دل اور اسی سبب سے جب بیت الخلا سے باہر آتے تو فرماتے۔ غفرانک پس حالت خلا میں یہی فکر و خیال کہ شکستگی و آسودگی اپنی اور پاک حق تعالیٰ کے کافی ہے اور یہ عین ذکر ہے۔

ذکر کشف قبور جان کہ ذکر کشف قبور کے واسطے ازل جب مقبرہ میں آئے دو گنا نہ ان بزرگ کی روح کے واسطے پڑھے اگر سورہ فتح یاد ہو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری میں سورہ اخلاص اور نہیں تو ہر رکعت میں پانچ پانچ بار اخلاص پڑھے اور پھر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے اور ایک بار آیۃ الکرسی اور بعض سورتیں جو زیارت کے وقت پڑھتے ہیں۔ جیسے سورہ ملک اور اس کے سوا بعدہ قل کہے بعد فاتحہ کے گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے اور ختم کرے اور تکبیر کہے بعد سات دفعہ طواف کرے اور اس میں تکبیر پڑھے اور شروع دائیں طرف سے کرے پھر پاؤں کی طرف رخسار رکھے اور نزدیک میت کے منہ کے بیٹھے اور کہے یا رب اکیس دفعہ بعدہ اول طرف آسمان کے کہے یا روح اور دل میں ضرب کرے یا روح الروح جب تک کہ انشراح پائے یہ ذکر کرے انشاء اللہ تعالیٰ کشف قبور و کشف ارواح حاصل ہوگا۔

اور طریقہ ختم خواجگان چشت قدس اللہ اسرارہم کہ بعض اولاد شیخ نظام الدین تارنولی سے اس طرح پہنچا ہے کہ جب کوئی حاجت پیش آئے وضو کرے رو بہ قبلہ بیٹھے اول دس مرتبہ درود شریف پڑھے اس کے بعد تین سو ساٹھ بار یہ دعا پڑھے لا ملحجا ولا یصلحی من اللہ الا الیہ بعد اس کے تین سو ساٹھ بار الم نشرح پڑھے پھر تین سو ساٹھ دفعہ وہی دعا مذکور پڑھے پھر دس دفعہ درود شریف پڑھے اور ختم تمام کرے اور تھوڑی شیرینی پر فاتحہ عام خواجگان چشت کے نام سے

پڑھے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کرے اسی طرح روز کرے انشاء اللہ چند یوم میں مقصد حاصل ہوگا۔

بیان طریقہ سہروردیہ، یہ طریقہ ملک ہندوستان میں مخدوم بہاء الدین زکریا کی جہت سے شائع ہوا ہے اور خراسان میں شیخ نجیب الدین بزرگش کی جہت سے اور اس فقیر کو ان دونوں شعبوں سے ارتباط ہے پس ارتباط اس فقیر کو اپنے والد شیخ عبدالرحیم قدس سرہ سے ان کو شیخ عظمت اللہ اکبر آبادی سے ان کو اپنے والد سے ان کو اپنے دادا شیخ عبدالعزیز سے ان کو سید عبدالوہاب بخاری سے ان کو سید صدر الدین راجو قال سے ان کو اپنے بھائی سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے ان کو شیخ رکن الدین ابوالفتح سے ان کو اپنے والد شیخ صدر الدین سے ان کو اپنے والد شیخ بہاء الدین زکریا سے ان کو شیخ اشيوخ شہاب الدین سہروردی سے اور ایضاً اس فقیر نے خرقہ شیخ ابوطاہر مدنی کے ہاتھ سے پہنا ہے۔

انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے شیخ احمد ثناوی سے انھوں نے اپنے والد ان کے دادا شیخ عبدالوہاب شعرادی سے اور انھوں نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری کے روحی لہ الغد ویہ بلباسہا شہاب احمد کے ہاتھ سے فقیہ علی بن محمد ومیاطی عرف زلیانی سے انھوں نے ہاتھ سے ابوبکر بن محمد خوانی صاحب الوصایا القدسیہ کے انھوں نے ہاتھ سے شیخ نور الدین عبدالرحمن مصری سے انھوں نے شیخ جمال الدین یوسف کورانی کے انھوں نے شیخ حسام الدین شمشیری اور نجم الدین اصفہانی کے ہاتھ سے انھوں نے شیخ نور الدین عبدالصمد طبری کے انھوں نے شیخ نجیب الدین علی بن بزرگش سے انھوں نے عارف باللہ شیخ شہاب عمر سہروردی روح اللہ روحہ دار و اہم و رحما بہم پس تحقیق حاصل ہونے خرقہ سہروردیہ کی تیسری وجہ واللہ اعلم۔

اور شیخ عارف باللہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے لئے دو جہتیں ہیں ایک تو انہوں نے پہنا خرقہ اپنے چچا قاضی وجیہ الدین عمر بن محمد عرف عمویہ سے انھوں نے اپنے والد معمر محمد عمویہ بن عبداللہ سعد سے اور شیخ اخفی فرج زنجانی دونوں کے ہاتھ مشارکت میں انھوں نے اپنے والد شیخ احمد اسود دینوری سے انھوں نے مشاد دینوری سے اور اخوالفرج زنجانی سے انھوں نے ابوالعباس نہاوندی سے انھوں نے ابو عبداللہ محمد بن حنیف شیرازی سے انھوں نے ابو محمد رویم بن احمد بغدادی

سے اور مشاء اور رویم نے سید الطائفہ القاسم جنید بغدادی سے اور دوسری جہت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی یہ ہے کہ انھوں نے تلقین پائی اپنے چچا ابو نجیب سہروردی سے انھوں نے شیخ احمد غزالی سے انھوں نے شیخ ابو بکر نساج سے انھوں نے شیخ ابو القاسم گرگانی سے انھوں نے شیخ ابو عثمان مغربی سے انھوں نے ابو علی کاتب سے انھوں نے ابو علی رودباری سے انھوں نے ابو القاسم جنید بغدادی سے نجات میں فرغانی سے نقل ہے کہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی نے نسبت خرقہ ابو القاسم جنید تک کی ہے آگے نہیں کی اور جنید سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحبت سے نسبت دی ہے خرقہ سے نہیں دی مگر شیخ مجد الدین بغدادی نے کتاب تحفۃ البرہ میں لکھا ہے کہ نسبت خرقہ متصل ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حدیث درست متصل مفیض سے اتھی۔

میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو سہروردی نے کہا ہے اور اس فقیر نے درود و نطق و شغل و اعمال طریقہ سہروردیہ کے اخذ کئے ضمن میں عوارف المعارف کے شیخ ابوطاہر سے انھوں نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے احمد قشاشی سے انھوں نے احمد شادوی سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے ان کے دادا سے انھوں نے شیخ عبدالوہاب شعراوی سے انھوں نے زین زکریا سے انھوں نے حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی سے انھوں نے ابوالحسن بن ابوالمجد دمشقی سے انھوں نے تقی سلیمان بن حمزہ مقدسی سے انھوں نے شیخ پیشوا شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے اور وصایا قدسیہ کے ضمن میں رسالہ شیخ زین خوانی کا سند مذکور ہے شیخ زین الدین تک و میاط بکسر دال مہملہ اور بعضوں نے کہا ذال معجمہ اور سکون میم اور تخفیف یای تحستہ ایک شہر مشہور ہے گوران بفتح کاف عجیہ ایک قبیلہ ہے کردوں میں سے نظری بفتح نون و طائے مہملہ و سکون د کسر زای معجمہ بڑغش بضم یائے موحده و سکون زای معجمہ و ضم غین معجمہ و شین معجمہ و ضم غین مہملہ و ضم میم مشدودہ و سکون واد و تشدید یای تحستہ ایسا کہا ہے۔

ملا عبد الغفور نے اور اس میں کلام ہے بلکہ ظاہر تخفیف یائے تحستہ کی ہے مانند راہویہ و مددیہ وغیرہما کے انخی فرج بفتح فا و فتح راء مہملہ و جیم زنجانی بفتح رای معجمہ و سکون نون و فتح جیم و الف و نون مکسورہ و یای نسبت اور نجات میں ابو العباس نہادندی کو شاگرد و جعفر غلدی کا لکھا ہے اور وہ شاگرد جنید بغدادی کے ہیں۔

خلد یضم خائی معجزہ ایک محلہ ہے بغداد میں کہا ہے شیخ زین الدین خوانی نے کتاب وصایا قدسی میں ومنہا العصم یعنی وہ اپنے اوقات کو ضبط کرتے ہیں اور صرف کرتے ہیں ہر وقت اپنا جو اس وقت کے لائق ہو جب صبح صادق طلوع ہوتی ہے چاہئے کہ تجدید کرے شہادت کی اور کہیں انلہم انی اصبحنا اشہدک واشہد حملاً عرشک وملائکتک وانبیائک ورسلك وجميع خلقک بانک انت اللہ لا الہ الا انت وحدک لا شریک لک وان محمدا عبدک ورسولک اللہم انی اصبحنا لا استطیع دفع ما اکرہ ولا املک نفع ما ارجو واصبح الامر بید غیری واصبحت مرتہنا بعملی فلا فقیر الفقیر منی اللہم (۱) لا تشمت بی عدوی ولا تسؤلنی صدیقی ولا تجعل مصیبتی فی دینی ودنیائی ولا تجعل الدنیا اکبر ہمی ولا مبلغ علمی ولا تسلط علی من لا یرحمنی اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد وسلم پھر کہے اللہم (۲) ما اصبح بی من نعمۃ او باحد من خلقتک فمک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر تین مرتبہ کہے پھر کہیں اللہم (۳) لک الحمد حمدا دائما مع دوامک ولک الحمد حمدا خالدا مع خلودک ولک الحمد حمدا لا منتهی لہ دون مشیتک ولک الحمد حمدا لا جزاء لقائلہ الارضاک ولک الحمد طرفۃ عند کل عین وتنفس کل نفس ولک الحمد

(۱) الہی میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کیجئے اور میرے دوست کو کبھی رنجیدہ نہ کیجئے اور مجھے کوئی دین و دنیا کی مصیبت نہ دیجئے اور میرے بڑے مقصود دنیا نہ کیجئے اور نہ میرے مبلغ علم کو اور مجھ پر ایسے کو تسلط نہ دیجئے جو مجھ پر رحم نہ کرے الہی محمد اور آل محمد پر درود و سلام بھیج۔

(۲) الہی مجھ پر جو نعمت ہے یا اور کسی پر تیری خلقت میں وہ تیری ہی دی ہوئی ہے تو یگانہ ہے کوئی تیرا شریک نہیں پس تیرے ہی واسطے ہی حمد ہے اور تجھ ہی کو شکر ہے۔

(۳) الہی تجھ کو حمد ہے ایسے جو دائم ہے تیری دوام کے ساتھ اور تم کو ایسی حمد ہے جو ہمیشہ ہے بڑی نیکی کے ساتھ اور تجھ کو ایسی حمد ہے جس کے نہایت نہیں سوائے تیرے علم کے اور تم کو حمد ہے ایسی جس کا منتہی نہیں سوائے تیری مشیت کے اور تجھ کو حمد ہے ایسی جن کی جزا اس کے کہنے والے کو سوائے تیری رضا کے نہیں ہے اور تجھ کو حمد ہے پل پل اور دم بدم اور تجھے حمد ہے ایسی جو تیری نعمتوں کو کافی ہو اور کفایت کرے تیرے زیادہ دینے والے کو۔

حمدا یوافی العمل ویکافی مزیدک پھر کہے سبحان (۱) اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضاء نفسه وزنة عرشہ ومداد کلماتہ جس قدر میسر ہو کہے جو فرضت پائیں کہیں سبحان (۲) اللہ وبحمدہ اضعاف ماسبحہ ویسبحہ جمیع خلقہ وکما یحب ربنا ویرضی وکما ینبغی لکرم وجہ ربنا وعز جلالہ ولا الہ الا اللہ اضعاف ماہللہ وبہللہ جمیع خلقہ وکما یحب ربنا ویرضی وکما ینبغی لکرم وجہ ربنا وعز جلالہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اضعاف مامجدہ ویمجدہ جمیع خلقہ وکما یحب ربنا ویرضی وکما ینبغی لکرم وجہ ربنا وعز جلالہ پھر پڑھیں دو رکعت سنت نماز صبح کی پہلی رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ پھر کہیں سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ استغفر اللہ ایک سو دفعہ یا جس قدر ہو سکے پھر درود پڑھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس قدر ہو سکے پھر پڑھیں دعاء ماثورہ درمیان سنت و فرض کے اللھم انی استلک رحمۃ من عندک تھدی بہا قلبی وتجمع بہا امری وتسلم بہا شعنی وتصلح بہا دینی ونقضی بہا دینی وتحفظ بہا غایتی وترفع بہا شاہدی وتبیس بہا وجہی وتزکی بہا عملی وتلھمنی بہا رشدی وترد بہا الفنی وتعصمنی بہا من کل سوء اس کو عارف میں ذکر کیا ہے پھر فرض جماعت سے پڑھے جن میں فائدے ہوں کلیہ اور وہ مشہور ہیں اور فقراء کو یاد ہیں ان سے سیکھ لے پھر پڑھے حسب

(۱) پاک ہے اور اس کو حمد ہے اس کے مخلوق کی گفتی کے برابر اور اس کی رضا کے برابر اور اس کے عرش کے وزن کی برابر اور اس کے کمالات کے درازی کے برابر۔ (۲) بہت پاکیزگی ہے اللہ کو اور اس کو حمد ہے اس سے دو چند جو اس نے پاکیزگی کہی ہے اور اس کی تمام خلقت نے اور جیسے ہمارے رب کو محبوب ہے اور راضی ہے اس سے اور جیسے مزاوار ہے رب وجہ کریم کو اس کے بزرگ جلال کو اور حمد ہے اللہ تعالیٰ کو دو چند اس سے جو اس نے کی ہے اور اس کی تمام خلقت نے کی ہے جیسے ہمارے رب کو پیاری ہے اور راضی ہے اور جیسے لائق ہے اس کے بزرگ ذات کو اور بزرگ دعا سب جلال کو اور کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے دو چند اس سے جو اس نے کہا ہے اور اس کی تمام خلقت اور جیسا اس کو دوست ہے اور پسند ہے اور جیسا چاہئے اس کے بزرگ ذات کو اور بزرگ جلال کو اور نہ گناہوں سے بچتا ہے اور نہ عبادت کی قوت ہے مگر اللہ اور بلند و عظیم ہی ہے دو چند اس سے جو اس نے بزرگی کہی ہے اور اس کی بزرگی کرتی ہے تمام خلقت اس کی اور جیسے اسے محبوب ہے ہمارے رب کے وجہ کریم کو اور اس کے بزرگ جلال کو۔

معمول پھر مشغول ہوا لا الہ الا اللہ کے ذکر سے جس طرح تلقین کیا ہے اور جیسا کہہ دیا ہے اس سے کہ حروف ذکر کے مخرجوں سے نکالے اور خوب ہمت سے کہے سر کو جھکائے اوپر ناف کے اور وہاں سے لا الہ نکالے اور وہی جگہ ہے ظہور نفس کی کھینچ کر لائے لا الہ کو دائیں مونڈھے تک نظر کرتا ہوا، دل سے اللہ کی کبر و عظمت کو تا کہ صاف ہووے نفس اور میل دے سر کو بائیں طرف اور لا الہ کی ضرب خوب شدت سے قلب کچی صنوبری پر کہ بائیں طرف بائیں پستان کے نیچے سینہ کے برابر ہے لگائے ایسی حیثیت سے کہ قلب میں اثر ہو اور ذکر کے آگ کی حرارت قلب کو پہنچے اور پکھل جائے جہ نبی جودل پر ہے اور اس کی ایک خاص بو ہے جلتے کے دقت اور پکھلنے کے وقت اور اس آگ کے پیچھے نور ہے تو ذکر کے لئے نار بھی ہے نور بھی ہے اس کی نار خالی کرو جتی ہے اور اس کا نور آراستہ کر دیتا ہے تو جب اثر ہوتا ہے نار اور نور کا قلب کے درمیان بیچ گاڑھے خون کے جو وسط قلب میں ہے اور وہ منبع ہے حیات حیوانیہ کا اور وہیں سے جاری ہیں نہریں خون کی شریانیں میں سب اعضاء کی طرف تو وہ نار تصرف کرتی ہے بخار لطیف میں جو مرکب کرتا ہے خون سرایت کرنے والے کو اعضا میں اور وہ بخار ہے روح حیوانی ہے اور وہی نفس انسانہ ہے جو مرکب ہے روح انسانی کا پس جس وقت تصرف کیا ذکر نے اس بخار میں تو پیٹک تصرف کیا نفس میں اور سارے بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے پس تحلیل ہوتے ہیں اعضاء بدن کے ذکر کی تاثیر سے اور نفس متاثر ہوتا ہے نار ذکر سے اور نور ذکر سے اور جیسا ہم نے کہا ہے کہ اس کی نار خالی کرتی ہے اور اس کا نور آراستہ کرتا ہے بدل جاتی ہیں نفس کی ظلماتیں انوار سے اور بری عادتیں زائل ہو جاتی ہیں اور آراستہ ہو جاتا ہے اچھے اخلاق سے تو خلاص ہو جاتا ہے قلب ظلمات نفس سے اور زیادہ ہوتا ہے قلب کا نور علی نور پس مستعد ہو جاتا ہے فیضان انوار کا صفات الہی کے اور بمقدار ملازمت کے نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اور قریب آئے گا زیادہ بیان ذکر کا اور اس کے انوار اور احوال تقلبات اور تغیرات کا انشاء اللہ تعالیٰ اور چاہئے کہ حاضر کر لے نفس یعنی دم کو اوپر قلب کے اور لا الہ کے ”ہا“ کو ایک ایسا دائرہ کرے کہ قلب کے دائرہ پر پورا ہو جائے قوت سے اور اثبات کی جانب ملاحظہ زیادہ نفی کی جانب کے ملاحظہ سے اور نیت کرے مبتدی کلمہ لا الہ الا اللہ سے لامعوبہ وغیر اللہ اور متوسط نیت کرے لامطلوب یا لامراد یا لامقصود لا اللہ اور جس وقت اپنے دل میں مخلوق کی محبت پائے جو اللہ

اور اس کے درمیان واسطہ نہ ہو تو نیت کرے لا محبوب الا اللہ اور چاہئے کہ سچا ہوتیوں معنی میں سچ نفی اور اثبات کے خالص کرے اپنی ہمت سے اپنے نفس کو متعلقات دنیا سے اور مشبہات اور مستلذات سے بچنے کہ یہی ہیں معبود باطل اور رغبت نہ کرے کشف و کرامات کی طرف حق کو طلب کرے تنہا اور پاک کرے طلب کو ہوائے نفس سے کیونکہ کشف و کرامات بھی نفس کی ہوا اور خواہش کی قسم سے ہیں اور جس نے ان کی طرف التفات کیا اور اس کو مد نظر ذکر میں اور اس کا مقصد ذکر سے بھی ہو تو وہ ممکنہ درجہ میں درج ہے بلکہ اگر واقع ہو بلا طلب اس کے تو اس پر استدراج کا خوف ہے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ سالک جب باغ میں جائے اور درختوں کے پرند اس باغ میں اپنی زبان میں کہیں اسلام علیک یا ولی اللہ تو وہ اگر نہ جانے کہ یہ مکر ہے تو تحقیق یہ اس کے ساتھ مکر ہے اور اسے شعور نہیں اور سب مرشد مریدوں کو نفرت دلاتے رہے ہیں۔

کرامات عیانیہ کی رغبت سے اور کہا ہے کہ کرامات مردوں کا حیض ہے پھر جب منور ہو جاتا ہے قلب انوار وحدانیت سے جو امانت ہے ملازمت ذکر میں لا الہ الا اللہ کے اور منعکس ہوتے ہیں۔ انوار مخلوقات پر سب طرف سے تو دیکھتا ہے ذکر کہ وجودات جو یہ ہیں ان کی حقیقت نہیں یہ سب مجاز یہ ممکنہ غیر واجبیہ ہیں اور مشاہدہ کرتا ہے وجود حق کا جو واجب ازلی ابدی ہے۔ تو اس حال میں کہے لا الہ الا اللہ اور نیت کرے لا موجود الا اللہ یعنی وجود حقیقی ہمیشہ تکرار کرے لا الہ الا اللہ کی اسی معنی سے یہاں تک کہ مضاعف ہو جائے سب ظلمات کائنات کی اس کی نظر شہود میں اور ظاہر ہو نور توحید کا اور یہاں پاؤں بھسلنے کی جائے ہے سوانشاء اللہ بعد میں بیان ہوگی۔

اور بعض ذکرین یہ سمجھے ہیں مشائخ کے اس قول سے کہ حصر نفس کرے قلب پر واسطے وصول حرارت نفس کے قلب کی طرف کہ ذکر سانس نہ لے اور سانس کو ضبط کرے یہاں تک کہ بعضے کہتے ہیں کہ سانس کتنے ضبط ہوئے سو یہ ان کو وہم ہوا ہے حصر نفس سے یہ مراد نہیں جو ان کو وہم ہوا بلکہ یہ تو ہندوں کے جو گیوں کا کام ہے جو ریاضت کرتے ہیں ان کو اس میں دنیا کے مقصد ہیں۔ سالک کو چاہئے اس سے احتراز کرے اور وہی کرے جو ہم نے کہا ہے اور سانس کو چھوڑ دے راحت میں اور شمار نہ کرے پھر مبتدی قدرت نہیں رکھتا کہ ملاحظہ کرے معنی احسان کے ساتھ ملاحظہ معنی ذکر کے پس خیال کرے دل میں اول معنی ذکر کے اور اسے بار بار دل میں گزارے

یہاں تک کہ جب اثر کر جائے معنی ذکر کے قلب میں تو اس وقت ملاحظہ کرے معنی احسان ذکر کے کا نہ یہاں پھر جب چمکے بجلی ابر کرم سے اور آفتاب غیب کی شعائیں ہوں اس وقت متوجہ ہوا اپنی سر سے واسطے مشاہدہ کے سوا خوب طرح دیکھنے کے بلکہ سر جھکا دے واسطے بزرگی اور تعظیم کے اور کیا خوب کہا ہے بعضے مشاہدہ کرنے والوں نے کہ میں ان کا مشتاق تھا جب وہ ظاہر ہوا میں نے سر جھکا لیا اس کے جلال سے اس کی تعظیم کے واسطے اور تحقیق کہا ہے اللہ تعالیٰ نے جب تو مجھے دیکھے تو میرا ذکر نہ کر اور جب نہ دیکھے تو میرے نام سے جدا نہ ہوا اور یہ مقام ان باتوں کے ذکر کا نہ تھا ان کا تو وعدہ ہی آگے بیان کرنے کا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ لیکن بات میں بات نکل آتی ہے پھر جب اس نے ذکر بہت کیا اور آفتاب بلند ہوا بقدر ایک نیزہ کے یا دو نیزہ کے اور اس کو ماندگی ہوئی تو ترک کرے ذکر کو اور مراقبہ کرے مذکور کا اور ملاحظہ کرے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی نظر اپنی طرف اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کی طرف اور اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں احاطہ کئے ہوئے جانے کیونکہ یہ جہت میں ہے اور اللہ تعالیٰ جہت سے منزہ ہے تو ممکن نہیں متوجہ ہو کسی طرف لیکن جب ملاحظہ کرے نظر اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف سب جانب سے صغیر معلوم ہوگا وجود اپنا اور جب صغیر معلوم ہوا اپنا وجود پیچھے ہوگی اس کی وہ نظر اور وہ بھاگے گا اس کے وجود کی طرف یہاں تک کہ اس کے واسطے باقی نہیں رہے گا کوئی ٹھکانا بھاگنے کا وان الی رہک یومئذ المستقر پھر جب اٹھ جائیں گے جسمیت اور تابو و نیست ہو جائیں گے جہتیں تو ملاحظہ کرے گا۔

قرب صفات کو اور تکلفات کی کچھ حاجت نہیں رہنے کی اور عالم ارواح منزہ ہیں جہتوں سے تو اور اک کرے گا قرب اللہ تعالیٰ کا ساتھ معنی اور صفت کے پھر ترقی کرے گا اس کے فوق کی طرف پھر جب حرکت کریں گے خطرے یہ دعا پڑھے اللھم انسی اعوذ بک من تفرقة القلب اللھم اجعل نسبی فارغ القلب مجموع اللھم بحیث لا یخطر فی قلبی سواک پھر پڑھے نماز اشراق و رکعت پہلی میں الحمد کے بعد اللہ نور السموات والارض بکل شیء علیم تک دوسری میں اذن اللہ ان ترفع بغیر حساب تک پھر کئی دفعہ ذکر کرے اور دعا مانگے پھر مشغول ہو تلاوت قرآن شریف سے فکر کے ساتھ اور نصیحت ماننے کے ساتھ اور ترتیل کے ساتھ اور حفاظت و ادب کے ساتھ اس طور کہ گویا اللہ تعالیٰ کے آگے پڑھ رہا ہوں اللہ

من رہا ہے قلب کو حاضر کر کے دعا کرتا ہوا اور صفا حال اور ادب کرتا ہوا اور خشوع کرتا ہوا اور پڑھے مقدار ایک سپارہ یا دو سپارہ کے اور بہت سا پڑھنے کا خیال نہ کرے بلکہ فصاحت و عبرت کا خیال رکھے کیونکہ بہت قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حروف صحیح نہیں کرتے اور نہ وقتوں کی رعایت کرتے ہیں اور نہ عبرت پکڑتے ہیں اور نہ اس کی مثلوں میں اور زجروں میں۔

پھر جب تلاوت سے فارغ ہو نماز چاشت پڑھے دو یا چار رکعتیں ان میں الحمد کے بعد والضحیٰ واللم نشرح پڑھے اور جو چار پڑھے تو اور دو سورتیں جو ان سے پہلے ہیں والفتس اور واللیل پڑھے، الحمد کے بعد اور اس قدر پڑھے کہ جو لوگ اس سے حاجت رکھتے ہوں علم پڑھنے کی نیت خالص کریں اور نفس کی آسودگیوں سے پاک ہوں اور اللہ کے واسطے پڑھاوے وہ علم جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جو ہو ذی قابل کہ قرآن وحدیث سے اصطلاحیں نکالے تو جس قدر کی حاجت ہو اور فضول اور زوائد نہ ہو کہ اپنے ہمسروں پر فخر کرے اور اس سے بادشاہ کا تقرب حاصل کرے نحوذ باللہ من المخذلان والخسران پھر کہا ہے کہ جب فارغ ہو کھانے سے اس نیت سے اور اس وصف سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو سورہ قیلولہ کرے کہ رات کو جاگنے میں مدد ملے پھر جب جاگے اٹھے تو وضو کرے اور دو رکعتیں شکر اللہ کی پڑھے۔ اور ذکر سے مشغول ہو یہاں تک کہ آفتاب کو زوال ہو پھر جب آفتاب زائل ہو چار رکعتیں نفل ایک سلام سے پڑھے خواہ شافعی مذہب ہو خواہ حنفی ہو اس طور سے پڑھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں پڑھے۔ بعد فاتحہ کے جس قدر ہو سکے ایک سپارہ یا زیادہ یا کم اور جو قرآن حفظ نہ ہو تو ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد تین دفعہ آیت الکرسی پھر پڑھے چار سنت ظہر کی۔ پھر فرض جماعت کے ساتھ پھر دو رکعتیں سنت پڑھے پھر دو رکعتیں نفل پڑھے پھر جو اس کا کاروبار معاش کا ہو یا مطالعہ کتاب کا ہو یا کتابت کرنی ہو اس سے مشغول ہو عصر کی نماز تک پھر چار سنتیں عصر کی پڑھے۔ پھر فرض پڑھے جماعت سے پھر اپنا وظیفہ معمولی اذکار میں سے پڑھے پھر مشغول ہو ذکر لا الہ الا اللہ سے جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں غروب آفتاب تک اور جو پہلے فارغ ہو جائے تو مشغول ہو تسبیح واستغفار سے پھر مغرب کی نماز پڑھے پھر دو سنتیں پڑھے پھر دو رکعتیں بقاء ایمان کے واسطے پڑھے ان میں الحمد کے بعد آیت

انکری ایک ایک دفعہ دونوں میں اور قل ہو اللہ اور معوذتین بھی ایک ایک دفعہ دونوں رکعتوں میں پھر سلام پھیر کر دس بار درود شریف پھر تین بار یہ دعائے نکلے۔ اللہم (۱) انسی استودعک دینی فاحفظہ علی فی حیاتی وعند وفاتی وبعد مماتی ، تاکہ ثابت رکھے اس کے تئیں اللہ تعالیٰ اور ایمان کے اور امن میں رکھے جان کنی اور عذاب و رسوائی سے ایسا ہی افادہ فرمایا ہے ہم کو ہمارے پیر قدس اللہ سرہ نے پھر جبکہ طالب علم ہو تو مطالعہ میں مشغول ہو مغرب سے عشاء تک یا نکلر علم میں اور کلام نہ کرے اس وقت میں کہ اس وقت میں بات کرنے سے قلب مکدر ہوتا ہے اور روتا زندگی وقت کی جاتی رہتی ہے تو صاف نہیں ہوتا قلب آخر شب تک اور اسی طرح نماز عشاء کے بعد بھی نہ باتیں کرے مگر شرعی عارضے سے کیونکہ اس سے نقصان نہیں اگر بقدر حاجت ہو اور جو طالب العلم نہ ہو تو اس کو بھی اوّلیٰ ہے کہ لا الہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول ہو اسی طور سے جو سیکھا ہے کیونکہ اس وقت ذکر قلب کو صاف کرتا ہے امور طبیحہ سے جودن میں گزرے ہیں تو آمادہ ہو جائے صفا کے ساتھ واسطے حضور کے جو عمل شب کو کرے گا۔

پھر چار سنتیں عشاء کی پڑھے پھر جماعت سے فرض پڑھے۔ پھر چار سنتیں اور چاہے دو سنتیں پھر جب اپنے مکان کو پھر کر آئے چار رکعت پڑھے ایک سلام سے الحمد کے بعد پہلی میں آیتہ انکری اور دوسری میں امن الرسول آخر سورۃ تک اور تیسری میں اول سورہ حدید سے عظیم بذات الصدور تک اور چوتھی میں آخر سورہ حشر کالوا نزلنا سے پھر ذکر سے مشغول ہو اور رعایت رکھے وظیفہ کی جیسا مشاہدہ کیا ہے۔ یعنی سورہ فاتحہ تین بار پڑھے پھر ذکر سے مشغول ہو ساتھ فقراء کے جو ہوں، نہیں تو اکیلا ذکر کرے پھر جس وقت اس کا قلب حظ پائے اور نفس ملول ہو مراقبہ مذکور کر لے پھر جب خطرے حرکت کریں تو وہی دعا پڑھے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اور ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھر درود شریف پڑھے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل و عزرائیل حاملین عرش اور ملائکہ مقررین اور تمام انبیاء مرسلین پر تین مرتبہ جیسا دیکھا ہے مجلسوں میں فقرا کے پھر ستر دفعہ استغفار پڑھے اور خیال کرے اپنی سستی اور

(۱) اُٹنی میں امانت رکھتا ہوں تیرے پاس اپنے دین کو نہیں حفاظت کرتا تو اس کی میری زندگی میں اور وقت میرے مرنے کے اور بعد میرے مرجانے کے۔

غفلت روز کی یا پہلے پھر دعا مانگے اور کچھ پڑھے قرآن شریف میں سے والدین اور پیر و استاد اور اپنے یاروں اور بھائیوں کے واسطے اور سب مومنین اور مومنات کی روح کو بخشنے ثواب بکثیر اور درود شریف پڑھے جیسے دیکھا ہے فقرا سے پھر جو ہو طالب علم نیند کے غلبہ تک مطالعہ کرے اور جو سالک ہو تو ذکر لا الہ الا اللہ سے مشغول ہو۔ نیند کے غلبہ تک اور جب نیند غلبہ کرے تو اس کو دفع نہ کرے نہیں تو تہجد کو ضرر کرے گی سو رہ نیت کر کے عبادت پر مدد کی اور نفس کے حق ادا کرنے کی حاضر ہوں سے اور اللہ تعالیٰ کے نظر کرنے کو دیکھتا ہو اور اس سے شرماتا ہو کہ اس کے سامنے پاؤں پھیلاتا ہے ایسی صورت سے جیسے مرتا ہے اور روح کو اللہ کو سونپتا ہے اس کا حکم بجالاتا ہے کہ قسم اللیل الا قلیلا اور پڑھے آیت الکرسی اور آمن الرسول اور آخر سورہ کہف ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سے اور کلمہ شہادت پڑھے اور کہے باسمک اللہم (۱) وضعت جنبی وبک ارفعه اللہم قنی عذابک یوم تجمع عبادک اور اس کے ارادہ میں ہو کہ اٹھے گا اور کہے گا اللہم (۲) ایقظنی فی احب الاوقات الیک واشغلی بطاعتک فیہ پھر جب اس کو بیدار کر دے اللہ تو چاہے کہ کھڑا ہو جائے اور اللہ کا ذکر کرے اور کہے الحمد (۳) للہ الذی احیانانا بعد ما اماتنا ورد الینا ارواحنا والیہ البعث والنشور اور سبحان اللہ کہے اور استغفار پڑھے۔

اور وضو کرے اور درود کعتیں پڑھے پھر وقت پر نظر کرے اگر ایسا وقت ہے کہ تہجد ادا کر سکتا ہے تو شروع کرے تہجد درود کعتیں پڑھے آیت الکرسی اور آمن الرسول کے ساتھ پھر سبحان اللہ کہے کتنی دفعہ اور ذکر کرے کتنی بار اور درود شریف پڑھے پھر درود کعتیں پڑھے بڑی دونوں میں سورہ سجدہ اور سورہ دخان پڑھے پھر دو اور پڑھے سورہ یسین اور انا فتحنا اور سورہ زمر یا سورہ حدید یا جونہی سورہ چاہے پھر اور درود کعتیں پڑھے سورہ ملک اور سورہ مزمل پھر دو اور رکعت میں سورہ طہ تمام یا کسی قدر پھر وتر پڑھے اسم اور قل یا ایہا الکافرون وقل هو اللہ اور جمع کرے دعا قنوت میں

(۱) اَللّٰہُمَّ تیرے نام سے میں لیٹا اور تیری مدد سے میں اٹھوں گا اور بچاؤ مجھ کو عذاب سے اس دن کہ تیرے بندے جمع ہوں۔ (۲) اَللّٰہُمَّ بیدار کر مجھ کو اچھے وقت میں اور مشغول کر مجھ کو عبادت میں اس وقت۔ (۳) شکر ہے اس کے واسطے جس نے زندہ کیا ہمارے مرنے کے پیچھے اور پھر تو ہماری روحیں بچاؤ اور نشور اس کی طرف ہے۔

حنفیہ وشافعیہ کا قول پھر درود شریف پڑھے پھر ذکر سے مشغول ہو جو جانتا ہے اوّل حرکت اور وہ چھٹا حصہ شب کا باقی ہے مغفرت چاہے اللہ سے اپنے لئے اور اپنے والدین اور جمع مومنین و مومنات کے اور مسلمین و مسلمات زندہ اور اموات کے واسطے تو ادا ہو جاتے ہیں اس استغفار سے جمع حقوق مومنین و مومنات کے پھر جب صبح قریب ہو تو دعا ایسی جو لائق ہو اسباب محبت اور عالی ہمتوں کے کیونکہ یہ وقت خاص دعا کے قبول کا ہوتا ہے تو دعا کرے وہ جو اللہ کی طرف سے الہام ہو موافق اپنے مقام کے اور طالب حق کو چاہئے دعا میں بچے ایسی دعاؤں سے جو کمینہ ہیں بہت اور دعا اس کے فرمان بجالانے کے واسطے ہے کہ اس نے فرمایا ہے۔ اذعونی استجب لکم اور واسطے تمکن اور اپنی ذلت و خجائی ظاہر کرنے کو کیونکہ اس نے اپنے کرم و بخشش کی راہ سے کہا ہے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جو اللہ سے نہ سوال کرے اس شخص سے خدا غصہ ہوتا ہے اور نہیں تو اس کا لطف و کرم کافی ہے۔

اور اس کی بخشش و غنا وافی ہے ہم کو بہت کر دیا حالانکہ ہم کچھ بھی نہ تھے اور ہم پر بڑی نعمتیں ظاہر و باطن کی فراخ کیں ہمارا کچھ استحقاق نہ تھا نہ کوئی سابقہ خدمت و عبادت کا اب بھی اس کا ہم پر احسان ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ بفضلہ و کرمہ، لیکن اس کی حکمت کا متقنا ہے کہ اس کی طاعات و عبادات کریں اور ذکر اور دعائیں اور استغفار تاکہ ہم کو زیادہ کرے اپنے فضل سے اور جس پر ظاہر ہوئے اسرار اس کی صفات ازلیہ ابدیہ کے اور پہچانتا ہے کہ جو امور واقع ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوں گے تمام کائنات میں اور جو امر اور نبی صادر ہوئے عبادت میں وہ مقتضی ہے۔ اس کی صفات کا جو اس کی ذات کے واسطے ہیں ازلا اور ابداً تو وہ حجت اور برہان نہیں طلب کرتا اور تسلیم و یقین ظاہر کرتا ہے، انشاء اللہ مراتب کمال ایمان و احسان و عرفان کو پہنچے گا، پھر جب صبح صادق ہوا کرے تو وہی کرے اور کہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ والحمد علی التوفیق۔

نویں فصل^(۱)

اور طریقہ کبریہ کے شعبے بہت ہیں۔ ان میں بہت مشہور ترکستان و کشمیر وغیرہ میں امیر سید علی ہمدانی کا شعبہ ہے اور بہت نادران کا خرقہ کبریہ ہے خواجہ نقشبند کی جہت سے اس فقیر نے یہ خرقہ پہنا ہے شیخ ابوطاہر کے ہاتھ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے شیخ احمد شناوی سے انھوں نے اپنے والد کے ہاتھ سے انھوں نے ان کے دادا شیخ عبدالوہاب شعرادی سے انھوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا سے انھوں نے شمس محمد بن عمر واسطی سے انھوں نے ابو العباس احمد زاہد سے اور انھوں نے شہاب و مشقی سے انھوں نے عبدالرحمن شرقی سے انھوں نے احمد رود ہاری سے انھوں نے رضی الدین علی بن سعید غزنوی سے جو الا مشہور ہیں۔ انھوں نے محمد بغدادی سے انھوں نے شیخ نجم الدین کبری سے اور نیز شیخ ابوطاہر نے پہنا اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے قشاشی سے انھوں نے شناوی سے انھوں نے سید غففر بن جعفر نہروانی نزیل مدینہ مشرفہ سے انھوں نے شیخ تاج الدین عبدالرحمن بن مسعود گارزونی سے انھوں نے حافظ نور الدین احمد طائوسی سے کہا پہنا میں نے تبرکاً محقق شریف سید علی بزرگانی سے انھوں نے خواجہ علاء الدین عطار سمرقندی سے انھوں نے خواجہ بہاء الدین محمد مشہور نقشبند سے انھوں نے شیخ سلطان الدین سے انھوں نے شیخ احمد مولانا سے انھوں نے شیخ بابا کمال حیدری سے انھوں نے شیخ مقتدا نجم الدین کبری سے اور نیز اس فقیر نے یہ طریق حاصل کیا اور خرقہ پہنا اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے انھوں نے سید عبداللہ سے انھوں نے شیخ آدم بخوری سے انھوں نے شیخ احمد سہرندی

(۱) طریقہ کبریہ

سے انھوں نے شیخ یعقوب صرغی کشمیری سے انھوں نے شیخ حسین خوارزمی سے انھوں نے شیخ حاجی محمد صدیق خوشالی سے انھوں نے شاہ علی بیداوی سے انھوں نے شیخ رشید الدین محمد بیداوی سے انھوں نے سید عبداللہ برزس آبادی سے انھوں نے شیخ اخطی خٹلانی سے انھوں نے امیر سید علی ہمدانی سے پھر امیر سید علی ہمدانی نے حاصل کیا طریقہ شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ مردقانی سے اور شیخ تقی الدین علی دوتی سمنانی سے۔

اور ان دونوں نے شیخ علاء الدین ولد احمد بن محمد سمنانی سے انھوں نے شیخ نور الدین عبدالرحمن کسرفی اسفرائی سے انھوں نے شیخ جمال الدین احمد جوزقانی سے انھوں نے شیخ رضی الدین لالاشے انھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ سے پھر شیخ مقتدا نجم الحق والدین ابوالجناح احمد بن عمر بن محمد خوارزمی نیوقی معروف کبریٰ مشہور شیخ ولی تراش کو دو جہتوں سے ہے۔ ایک تو انھوں نے صحبت پائی اور خرقہ پہنا اور حاصل کیا طریقہ شیخ عمار بن یاسر سے انھوں نے شیخ ابونجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے اپنے چچا عمر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد محمد بن عویہ سے انھوں نے احمد بن یسار سے انھوں نے ممشاودینوری سے انھوں نے ابوالقاسم جنید سے ساتھ سند مذکور کے اور دوسری جہت یہ کہ انھوں نے صحبت پائی اور اصل خرقہ پہنا اور طریقہ حاصل کیا شیخ اسلعل قسری سے انھوں نے محمد بن المالک لیل سے انھوں نے شیخ واؤ دین محمد عرف خادم الفقرا سے اور انھوں نے شیخ ابوالعباس بن اوریس سے اور انھوں نے شیخ ابوالقاسم بن رمضان سے اور انھوں نے شیخ ابویعقوب نہر جوری سے اور انھوں نے شیخ ابویعقوب سوسی سے اور انھوں نے شیخ عبدالواحد بن زید سے اور انھوں نے شیخ کمال بن زیاد سے اور انھوں نے سیدنا علی سے رضی اللہ عنہ وقدس اللہ اسرارہم ورحمنا بہم آمین۔

طاؤس نسبت طاؤس تابعی مشہور ہیں۔ کسرفی بفتح کاف و کسر سین مہملہ وفادوں ہے۔ جو ریان بضم جیم و سکون واؤ درائے مہملہ دیائے عجمیہ ہے۔ ابوالجناح فتح جیم و تشدید نون و یائے موحده ہے۔ نیوقی بکسر خائے عجمہ و سکون یائے حمزہ و فتح و کسر قاف ہے۔ قسری بفتح قاف و سکون صا و مہملہ و کسر رائے مہملہ ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ نے خرقہ اصل شیخ اسلعل قسری کے ہاتھ سے پہنا ہے اور خرقہ اصل سے مراد یہ ہے کہ ترک کی جہت سے نہ ہو محمد بن مالک لیل بہ سکون لام و کسر

کاف و سکون یا ئے تمانہ تحستہ و لام ہے۔ کاحب حروف کہتا ہے کہ بعضے نسخوں میں مائیکل یعنی نون بجائے لام اول کے لکھا ہوا ہے۔ نہر جوری بفتح نون و سکون ہا و فتح رائے مہملہ و ضم جیم و سکون واؤ و کسر رائے مہملہ و یائے تحستہ ہے۔ سوئی بواؤ میان دو سین مہملہ اول مضموم و کانی کمور نسبت ہے سوس سے کہ ایک شہر ہے مغرب میں یا وہ شہر سوس نام کہ جس میں قبر سے دانیال پیغمبر کی۔ شیخ مجد والدین بغدادی نے کتاب تحفۃ البرہہ میں لکھا ہے کہ خرقوں کی نسبت متصل ہے پیغامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حدیث درست متصل مستفیض سے اور فرمایا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرقہ پہنایا امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو اور تمام اس سلسلہ کا ذکر کیا ہے میں کہتا ہوں اور محققین اہل حدیث نے انکار کیا ہے اس اتصال کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور باوجود اس کے ہمیشہ نسبت اس سے کرتے ہیں ابو القاسم جنید بغدادی تک اور جوان کے طبقہ میں ہیں۔ واللہ اعلم۔

خبر دی مجھ کو حضرت والد نے اجازت کی۔ کہا خبر دی مجھ کو شیخ عظمت اللہ اکبر آبادی نے اجازت کی اپنے والد ان کے دادا شیخ عبدالعزیز دہلوی سے کہ انھوں نے فرمایا کہ منقول ہے حضرت مولانا نور الحق والدین جعفر نور اللہ مرقدہ سے کہ کیفیت اور اوقات کے سلسلہ کامل محقق صدائی علی ثانی امیر سید علی ہمدانی قدس اللہ سرہ العزیز کی یہ ہے کہ جب صبح صادق طلوع ہو دو رکعت نماز سنت فجر پڑھے جب سلام پھیرے اس تسبیح کو ایک سو دفعہ پڑھے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ نقل ہے ان حضرات سے کہ اپنے منشیات میں لکھا ہے کہ جب میں سراندپ میں واسطے زیارت قدم گاہ آدم صغی علیہ السلام کے گیا جب نزدیک قدم گاہ کے پہنچا صبح کو واقع عظیم یعنی خواب دیکھا کہ بہت سے مشائخ کبار اس درویش کے دیکھنے کو آئے ہیں ان میں ایک شیخ نجم الدین کبری بھی تھے قدس اللہ سرہ العزیز۔

میں نے اس حال میں شیخ سے سوال کیا کہ کونسا ذکر بہت افضل ہے کہ اس پر مواظبت کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ کا قرب میسر ہو جائے شیخ نے فرمایا کہ سب اخبار واردہ اور صحیح حدیثوں کو میں نے غور سے دیکھا جو عظمت کہ اس تسبیح میں پائی کسی میں نہ پائی جب میں ہشیار ہوا تو یہ حدیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجھے یاد آئی۔ کلمات (۱) خفف ففتان علی اللسان

(۱) کلمات جواز بان پر لکے ہیں میزان پر ہماری ہیں۔ اللہ کے پیارے ہیں اور وہ یہ ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ وَهُمَا سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ سَجَّ هُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَوْ شَيْخُ عَمِّي الدِّينِ بْنِ عَرَبِيِّ قَدَسَ سرہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ جو کوئی اسے سو دفعہ صبح کو یہ تسبیح پڑھے اس کا کوئی گناہ نہ رہے اور یہ مشائخ کے وصایا میں سے ہے کہ جو کوئی اسے سو دفعہ ہمیشہ پڑھا کرے اس کی برکت اور صفائی مشاہدہ کرے گا۔

اس دعا کو جو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان پڑھے اللھم انی اسئلك رحمة آخرتك پڑھ کر پھر فرض صبح کے پڑھے جب سلام پھیرے اور اذتہ پڑھنے میں مشغول ہو کہ ایک ہزار چار سو ولی کامل کے تبرک کلام سے جمع ہوا ہے اور فتح ہر ایک کی ان میں سے ایک کلمہ میں ہوئی ہے جو حضوری کے ساتھ اپنے پر لازم کر لے اس کی برکت اور صفائی مشاہدہ کرے گا اور ایک ہزار چار سو ولی کی ولایت سے حصہ پائے گا واللہ التوفیق۔

اب اگر فضائل اور خواص اس اوراد کے بیان کئے جائیں تو بہت طویل ہو جائے اگر واسطے کہ آنحضرت نے اپنی ساری عمر میں معمورۂ عالم کی تین مرتبہ سیر کی ہے اور چودہ سو ولی کامل سے ملے ہیں اور ان میں سے چار سو کو ایک مجلس میں سلطان محمد خدا کے بندے نے دیکھا ہے اور ہر ولی سے رخصت کے وقت دعا اور رقعہ کی التماس کی ہے اور ان رقعوں کو اپنے جامہ پر مرقع کیا ہے اور ان دعاؤں کو اور ذکر کو جو بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہوتے تھے جمع کیا ہے یہ اوراد ہو گئے ہیں منقول ہی انھیں حضرت سے کہ جب بارہویں دفعہ کعبہ شریف کی زیارت کو گیا مسجد اقصیٰ میں پہنچا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اس درویش کی طرف تشریف لا رہے ہیں میں اٹھا اور آگے گیا اور سلام کیا آپ نے اپنی آستین مبارک سے ایک جزو نکالا اور اس درویش سے فرمایا کہ خذ هذه الفتحة یعنی اس فتیہ کو لے جب میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے اور نظر کی تو یہی اوراد تھے اس اشارہ سے ان کا نام فتیہ رکھا گیا۔ واللہ الہادی الی صراط مستقیم پس ذکر اور اذتہ کا تمام ہوا اور حضرت والدہ قدس سرہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا طریق ختم میر سید علی ہمدانی کا۔ اول آدمی رات کو اٹھے اور وضو تازہ کرے

اور دو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد پندرہ دفعہ سورہ اخلاص بعد سلام کے ہزار دفعہ کہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کے بعد ہزار دفعہ پڑھے۔ یا خفی الطاف ادر کنی بلطفک الخفی اس کے بعد ایک ہزار اور ایک مرتبہ یا بدوح اور سرگربان میں جھکاوے اور مراقبہ کرے دیکھے عالم غیب سے کیا چیز مشاہدہ ہوتی ہے جب اس سے فارغ ہو، دو گانہ پڑھے اس کا ثواب میر سید علی ہمدانی کو بخشے۔ آمین۔

دسویں فصل (۱)

طریقہ مدینیہ کے شعبے بہت ہیں ان میں بہت مشہور مغرب میں شعبہ مغاربہ ہے اور حضرت موت میں شعبہ عیدروسیہ ہے۔ سید عبداللہ عیدروس کبیر کی جہت سے اور اس فقیر کو ہر ایک سے ارتباط ہے، حاصل کیا میں نے اس طریقہ کو شیخ ابوطاہر سے انھوں نے دو شیخوں حرم کے کئے سے شیخ احمد نخلی سے اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے انھوں نے شیخ عیسیٰ مغربی سے انھوں نے اپنے شیخ سعید بن ابراہیم جزائری مفتی عرف قدرہ سے انھوں نے شیخ محقق سعید بن مصری سے انھوں نے ولی کامل احمدی دہرانی سے انھوں نے شیخ الاسلام عارف باللہ سیدی ابراہیم تازی سے انھوں نے شیخ الطریقہ سیدی صالح بن موسیٰ زوادی سے انھوں نے شیخ معمر محمد بن مخلص سے انھوں نے شیخ مغلطائی بن فلیح سے انھوں نے ابو عبداللہ عریاں سے انھوں نے اپنے والد شیخ جماعت طویل نامدی سے انھوں نے شریف ابو محمد ناجوزی سے انھوں نے قطب ابو محمد صالح سے انھوں نے قطب الطریقہ شیخ ابو محمد بن مغربی سے اور نیز حاصل کیا یہ طریقہ اس فقیر نے شیخ ابوطاہر سے انھوں نے شیخ احمد نخلی مکی سے انھوں نے سید عبدالرحمن بن علی باعلوی شاگرد سید عبداللہ بن علوی حداد اپنے داماد سے انھوں نے سید عبداللہ بن علوی حداد سے اور انکی نسبت طریقہ میں ہے سید محمد بن علوی نزیل مکہ کی طرف انھوں نے سید عبداللہ بن علی صاحب الزہد سے انھوں نے شیخ بن عبداللہ عیدروس سے جسکی قبر احمد آباد میں ہے انھوں نے اپنے والد سید عبداللہ بن شیخ سے انھوں نے اپنے چچا سید ابوبکر عیدروس صاحب عدن سے انھوں نے اپنے والد قطب سید عقیف الدین عبداللہ

(۱) طریقہ مدینیہ

عیدروس سے اور وہ بزرگ جن کی طرف نسبت کیا جاتا ہے شعبہ عیدروسہ انھوں نے اپنے چچا سید عمر مھار سے انھوں نے اپنے والد سید عبدالرحمن بن محمد شفاف سے انھوں نے اپنے والد محمد بن علی مولیٰ دویلہ سے۔ انھوں نے اپنے والد علی بن علوی سے انھوں نے اپنے والد علوی بن محمد سے انھوں نے اپنے والد محمد بن علی سے کہ وہ جد ہیں آل سادہ باعلوی کے انھوں نے شیخ ابو مدین مغربی سے بواسطہ دو شخصوں کے ایک شیخ عبداللہ صالح مغربی اور ایک شیخ عبدالرحمن مقتدی مغربی اور شیخ ابو مدین نے بھیجا تھا شیخ عبدالرحمن کو کہ خرقہ پہنائے فقیہ مقدم محمد بن علی کو سو وہ بیمار ہو گئے مکہ میں تو بھیجا شیخ عبداللہ نے حضرموت کی طرف تو ان کو خرقہ پہنایا۔

پھر شیخ مقتدی ابو مدین شعیب بن حسن مغربی نے طریقہ اخذ کیا اور خرقہ پہنایا اپنے شیخ ابو یحزہ سے انھوں نے شیخ علی بن علی حرزہم سے انھوں نے فقیہ حافظ قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ بن محمد معاضری عرف ابو بکر بن عربی اندلسی شملی سے انھوں نے امام حجتہ الاسلام ابو حامد محمد غزالی سے انھوں نے امام الحرمین عبدالملک سے انھوں نے اپنے والد شیخ امیر محمد عبداللہ بن یوسف جوہیسی سے انھوں نے شیخ عالم عارف ابو طالب مکی محمد بن علی بن عطیہ حارثی سے انھوں نے ابو بکر دلف بن جدر شلی سے انھوں نے سید طائفہ ابو القاسم جنید بغدادی سے اور محمد بن علی فقیہ مقدم کو دوسری جہت ہے طریقہ کی کہ وہ آبائی و اجدادی ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقہ اخذ کیا اپنے والد علی سے اور انھوں نے اپنے والد محمد صاحب مریاط سے انھوں نے اپنے والد خالہ قسم سے انھوں نے اپنے والد علوی سے انھوں نے اپنے والد محمد سے انھوں نے اپنے والد علوی سے انھوں نے اپنے والد عبداللہ سے انھوں نے اپنے والد مہاجر بنی اللہ احمد سے انھوں نے اپنے والد عیسیٰ سے انھوں نے اپنے والد محمد سے انھوں نے اپنے والد علی عربیسی سے انھوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے اور اسی طرح ابو مدین کا طریقہ دوسرا ہے کہ رجوع ہوتا ہے نوری کی طرف اور وہ یہ ہے کہ شیخ ابو مدین نے اخذ طریقہ کیا شیخ ابو یحزہ ابنور سے اور انھوں نے شیخ ابو شعیب ابوب سارہ بن سعید ضہاجی سے انھوں نے شیخ عبدالجلیل سے انھوں نے شیخ ابو فضل جوہری سے انھوں نے اپنے والد ابو عبداللہ حسین جوہری سے انھوں نے شیخ ابو حسین نوری عرف ابن البغوی رقی جنید سے انھوں نے سری سے اور نیز خرقہ پہنایا ابو مدین نے امام ابو بکر طوسی سے انھوں نے شامی سے انھوں نے شلی

سے انھوں نے جنید سے اور اسی طرح امام حجتہ الاسلام کا دوسرا طریقہ ہے جہت سے ابوعلی فارمدی سے اور اسی طرح ابو طالب کی کا طریقہ دوسرا ہے جس پر اعتماد کیا ہے صاحب فحاشات نے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اخذ کیا طریقہ ابوالحسن محمد بن ابوعبداللہ احمد بن سالم بصری سے انھوں نے ہبل بن عبداللہ تسری سے اور شیخ ابو طالب کی ہیں۔

صاحب کتاب قوت القلوب لوگوں نے کہا ہے کہ کوئی تصنیف اسلام میں اس کی مثل نہیں۔
دقائق طریقہ میں میں کہتا ہوں یہی کتاب اصل تصوف ہے سوائے اس کے اور جو کتابیں سلوک میں تصنیف ہوئیں اس سے نکالی گئیں جیسے احواء اور غنیۃ الطالبین اور عوارف اور میری اسناد قوت القلوب کی یہ ہے کہ میں نے حاصل کی اجازت شیخ ابو طاہر سے انھوں نے شیخ احمد نخعی سے انھوں نے شیخ محمد بن علاء البالی سے انھوں نے احمد بن عیسیٰ بن جمیل کلبی سے انھوں نے علی بن ابی بکر قرانی سے انھوں نے ابوالفضل جلال الدین سیوطی سے انھوں نے شہاب احمد بن محمد جازی سے انھوں نے ابواسحاق برہان توخی سے انھوں نے ابوالعباس احمد بن ابو طالب جازی سے انھوں نے عبدالعزیز بن دلف سے انھوں نے ابوالفتح محمد بن یحییٰ بردانی سے انھوں نے ابوعلی محمد بن محمد بن عبدالعزیز مہدوی سے کہا خبر دی ہم کو عمر بن ابی طالب نے کہا خبر دی ہم کو ہمارے والد ابو طالب کی نے پھر ذکر کیا۔

مزید، زاء معجمہ سے ہے امیلہ فتح الف و کسریم و سکون تحتیہ بعد اس کے لام ہے اسی طور ضبط کئے ہیں ہم نے دونوں لفظ ابو طاہر سے۔ مراغی بغین معجمہ و فتح میم نسبت ہے مراغہ کی طرف وہ ایک شہر ہے آذر بیجان میں فاروٹ بروزن فاروق آخر میں تا مشلا ایک قریہ ہے درمیان واسطہ اور بصرہ کے کہا ہے یاغی نے ۶۲۸ میں کہ زواوی نسبت ہے زواوہ کی طرف وہ ایک بڑا قبیلہ ذات بطون و انفاذ ہے اور اس کا مسکن اعمال اویسقیہ ہے ابھی۔

وہط فتح واد و سکون ہا آخر اس کے طاء مہملہ ایک گاؤں ہے نزدیک عدن کے، عدن ایک شہر ہے یمن میں سے کنارہ پر دریائے عتیر وں بہ تحتیہ اور مشلا شہر کے ناموں میں مشتق ہے عتیرہ سے بمعنی اخذ و شدت کے اور وہ لقب شیخ عبداللہ کا ہے پھر بولنے میں عیدروس تا دال ہوئی ہے اور وہ بغین مہملہ اور یا مشلا ساکنہ اور دال مہملہ اور رائے مضموم پھر واد ساکن حاء مہملہ و فتح ضاد

معجمہ آخر اس کے رائے مہملہ لقب ہے بسبب جلدی حاضر ہونے کے وقت فریاد کے۔

سقاں بہ سین مفتوح وقاف مشدودہ مفتوحہ آخر اس کے فالقب ہے صیغہ مبالغہ سے بیج سر حال کے مولیٰ الدولہ یعنی صاحب شہر کہنا المقدم یعنی مقدم الترتیب مقبرہ میں پہلے ان کی زیارت کرتے ہیں اس کے بعد باقی سادات کی پس اس لئے اس کو مقدم الترتیب کہتے ہیں۔ ابو مدین مفتوح میم و سکون دال مہملہ و فتح تحستہ آخر اس کے نون ابو یحضر مفتوح تحستہ و سین مہملہ و زائے معجمہ حرز ہم بکسر حائے مہملہ و سکون رائے مہملہ و کسر رائے معجمہ آخر جمع ذکر مغافری مفتوح میم و سین مہملہ و بعد الف فائے مکسورہ پھر رائے مہملہ غزالہ فتح غنیم معجمہ تخفیف زائے معجمہ ایک قریہ ہے مضافات طوس سے جو نئی مفتوح جیم و فتح واو سکون تحستہ اس کے بعد نون اور یائے نسبت جوین ایک ناحیہ بڑا ہے نیشاپور کے نواحی میں۔

ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی۔ عطیہ فتح عین مہملہ و کسر طاء مہملہ و یائے مثاقہ تحستہ حارثی بجائے و رائے مہملہ حارثی و ثاء مثاقہ ولف بضم دال مہملہ و فتح لام آخرہ فا، جدر فتح جیم و سکون حاء مہملہ و فتح دال مہملہ و رائے مہملہ شبلی بکسر شین معجمہ و سکون موحده بعد باء لام نسبت ہے طرف شبلیہ کے جو ایک گاؤں ہے۔

اسروشنہ بضم ہمزہ و سکون سین مہملہ و ضم رائے مہملہ و فتح شین معجمہ و فتح نون بعد اس کے ہائے ساکنہ ایک بہت بڑا شہر ہے سرقد کے اس طرف ماوراء النہر کے شہروں میں سے صاحب مریاط یعنی شہر ظفار قدیمہ قاموس میں کہا ہے مریاط بروزن مخراب ایک شہر ہے کنارہ ہند کے خال قسم نے خرید کی تھی ایک زمین میں بیس ہزار دینار کو اور قسم نے اس کا نام وہی رکھا جو بصرہ میں اس کے کہنے کے لوگوں کے زمین کا تھا اور وہاں درخت لگائے پھر وہ قریہ ہو گیا۔ پھر منتقل ہوا اس سے دوسرے قریہ کی طرف تو بولنے لگے خال قسم عربیض مصفر نام ہے ایک وادی کا جو قریب مدینہ مشرفہ کے ہے اس کی طرف منسوب ہیں علی عربیضی۔

ہم نے نقل کیا یہ سلسلہ عیدروسیہ سید عبدالقادر عیدروس کا اور ضبط اسماء مبہم کے نجات قدوسیہ سے خرقتہ میں عیدروسیہ سید عبدالقادر کے اور شروع مردودی کے بیچ آل باعلوی کے سید محمد شبلی کے خبر دی ہم کو شیخ ابوطاہر نے ان کو شیخ احمد نخعی نے انھوں نے کہا ہم کو اجازت دی اس دعا کے پڑھنے

کی پانچویں نمازوں کے بعد۔ سید عبدالرحمن بن علی باعلوی شاگرد سید عبداللہ حداد اور ان کے داماد سے اپنے شیخ سید عبداللہ بن علوی حداد باعلوی سے اور وہ یہ ہے، یا اللہ یا لطیف یا رزاق یا قوی یا عزیز اسئلک تالہا الیک واستغراقا فیک وفناء ربک عن سواک ولطفاً شاملاً جلیلاً وخفیاً ورزقاً طیباً ہیناً مریناً وقوة فی الایمان والیقین وصلابتہ فی الحق والدین وعزاک یدوم یتخلد وشرفا یقی وتباید لا یخالطہ تکبر ولا تملوا وارادة فساد فی الارض ولا علوانک سمیع قریب وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم۔

میں کہتا ہوں سید عبداللہ حداد کا ایک دیوان ہے اشعار کا نہایت لطف و فصاحت کے ساتھ اکثر اس میں نصیحت اور سلوک ہے ان کے بعض قصیدے مجھے لاکر دیئے ان کے بھانجے سید عبداللہ عیدروس و عیدروسی نے میں کہتا ہوں مجھ کو خبر دی ایک جماعت نے آل باعلوی کی ان میں سے سید عبداللہ بن جعفر مدبر نے کہ حضرات باعلوی ہمیشہ ایک طبقہ کی وصیت کرتے آئے ہیں احیاء العلوم کے پڑھنے کی اور اس کے یاد کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی اور اس کے اور اس کی مواظبت کی اور ان کا مذہب عقائد میں اہل سنت و جماعت ہے اور فقہ میں ان کا نام مذہب شافعی ہے سلوک میں جو احیاء العلوم میں ہے اس پر قیام کرتا ہے واللہ اعلم۔

گیارہویں فصل^(۱)

اس فقیر نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ ابوطاہر کے انھوں نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے اخذ کیا ایک جماعت سے کہ ان میں سے سیدی احمد بن قاسم علامہ دولی کبیر سیدی حسن الانجلیکی اور شیخ ابراہیم علمتی اور سیدی محمد بن زین الدین ان سب نے صحبت پائی ہے شیخ الاسلام کمال الدین طویل کی اور آداب یافتہ ہوئے ہیں ان کے آداب سے اور خرقہ پہنا ہے ان کے ہاتھ سے اور وہ صحبت میں رہے ہیں علامہ محمد بن محمد جزری کے اور انھوں نے صحبت پائی ہے اور اخذ خرقہ کیا ہے تاج سبکی سے اور انھوں نے سیدی احمد بن عطاء اللہ اسکندری صاحب حکم سے اور انھوں نے سیدی ابوالعباس مرثی سے اور انھوں نے قطب ابوالحسن شاذلی سے اور شیخ ابوطاہر نے خرقہ پہنا اور اخذ تلقین کیا شیخ حرم شیخ احمد غفلی سے اور شیخ عبداللہ بن سالم سے اور انھوں نے شیخ عیسیٰ مغربی سے انھوں نے شیخ ابو عثمان سعید بن ابراہیم جزازی سے اور نیز پہنایا ابوطاہر کو شیخ نے خرقہ اپنے شیخ کا کتابت اور اجازت کے ساتھ شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی نزیل مکہ سے طلب کیا تھا شیخ ابراہیم نے ان سے خرقہ اپنی اولاد کے واسطے انھوں نے خرقہ بھیجا ان کے واسطے طرف مدینہ کے اور اجازت لکھی جس وقت صحیح ہوئی یہ روایت اور مجتمع نہیں ہوئے شیخ ابوطاہر ان سے خرقہ پہنے میں ان کے شیخ ابو عثمان جزازی کے ہاتھ سے خرقہ پہنے کو ابو عثمان مغربی سے انھوں نے پہنا ابوالعباس احمد جفی و حراق سے انھوں نے ابو سالم سیدی ابراہیم تازی سے انھوں نے صالح بن موسیٰ زواوی سے انھوں نے ابو عبداللہ محمد بن محمد بن مخلص طیبی سے انھوں نے شیخ

(۱) طریقہ شاذلیہ

علاء الدین مغلطائی سے انھوں نے سید زین الدین ابوبکر اور سید ابوعبد اللہ بن سید ابوالحسن شاذلی سے اور ان دونوں نے قطب ابوالحسن شاذلی سے پھر قطب نور الدین ابوالحسن علی بن عبد اللہ بن عبد البہار مشہور شاذلی نے اخذ طریقہ کیا اور خرقہ پہنا اپنے شیخ عبدالسلام بن مشیش سے اور انھوں نے سید عبدالرحمن بن زیات مدنی سے انھوں نے شیخ تقی الدین صوفی عرف بظفیر مصغر اور انھوں نے شیخ فخر الدین سے انھوں نے شیخ ابوالحسن علی سے انھوں نے شیخ تاج الدین محمد سے انھوں نے شیخ شمس الدین محمد سے انھوں نے شیخ زین الدین محمد قزوینی سے انھوں نے شیخ ابواسحاق ابراہیم بصری سے انھوں نے شیخ ابوالقاسم مرونی سے انھوں نے شیخ فتح السعود سے انھوں نے شیخ سعید قزوانی سے انھوں نے شیخ ابومحمد جابر سے انھوں نے سید شہید امام حسین بن علی سے انھوں نے اپنے والد امام امیر المومنین علی بن ابی طالب سے انھوں نے سید المرسلین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

اور اس فقیر نے حزب البحر اخذ کیا شیخ ابوطاہر سے انھوں نے شیخ احمد نخعی سے انھوں نے شیخ محمد بن عطاء سے انھوں نے سالم سہوری سے انھوں نے نجم عہلی سے انھوں نے شیخ الاسلام زکریا سے انھوں نے عز عبدالرحیم بن فرات سے انھوں نے تاج عبدالوہاب بن علی سبکی سے انھوں نے اپنے والد تقی علی بن کافی سبکی سے انھوں نے شیخ احمد بن عطاء اللہ سے انھوں نے امام ابوالعباس احمد بن عمر مری سے انھوں نے ابوالحسن شاذلی سے اور اخذ کیا حکم اس عطا کا اسی سند سے شیخ احمد بن عطا سے اور مجھ کو خبر دی شیخ ابوطاہر نے کہا خبر دی مجھ کو شیخ احمد نخعی نے کہا خبر دی مجھے شیخ یحییٰ شادوی نے اس کی تلقین کی شیخ سعید جزائری نے انھوں نے شیخ سعید مرقی سے انھوں نے ولی کامل احمدی سے انھوں نے عارف باللہ سیدی ابراہیم سے واسطے پڑھنے چار سو تیس قرآن کے ہمیشہ شب و روز میں اور وہ یہ ہیں۔ اقراء باسم ربک الذی خلق۔ انا انزلنا فی لیلۃ القدر، اذا زلزلت الارض زلزالها ولا یلاف فریش۔

بارہویں فصل^(۱)

اور طریقہ شطاریہ کی اس ملک میں بھی ایک جہت ہے شیخ محمد غوث گوالیری سے اور فی الحقیقت شیخ محمد غوث گوالیری سے پہلے کچھ اس طریقہ کی شہرت نہ تھی اور ہندوستان میں جو پہلے ہوا عبداللہ شطاری سے ہوا اور جس نے پہلے یہ طریقہ جاری کیا وہ شیخ خدا قلی ماوراءالنہر ہیں غرض اس فقیر نے فرقہ شیخ ابوطاہر کردی کے ہاتھ سے پہنا اور انھوں نے اس کے عمل کی اجازت دی جو اب ہر ختمہ میں ہیں اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے شیخ احمد شادوی سے صبتہ اللہ سے انھوں نے شیخ وجیہ الدین گجراتی سے انھوں نے شیخ محمد غوث گوالیری سے اور نیز پہنا یہ فرقہ شیخ ابوطاہر سے شیخ احمد ٹکلی سے انھوں نے سید میر کلاں سے انھوں نے شیخ عیسیٰ سندی برہانپوری سے انھوں نے شیخ لشکر محمد سے انھوں نے شیخ محمد غوث سے پھر شیخ محمد غوث گوالیری صاحب جو ہر ختمہ اور رواج دینے والے طریقہ شطاریہ کے نے اخذ کیا طریقہ شیخ ظہور سے انھوں نے شیخ ہدیہ اللہ سرمست سے انھوں نے شیخ محمد قاضی سے انھوں نے شیخ عبداللہ شطاری سے انھوں نے شیخ محمد عارف سے انھوں نے شیخ محمد عاشق سے انھوں نے شیخ خدا قلی ماوراءالنہر سے انھوں نے ابوالحسن خرقانی سے انھوں نے ابوالمظفر ترک طوسی سے انھوں نے شیخ ابویزید عشقی سے انھوں نے شیخ محمد مغربی سے انھوں نے تلقین پائی روحانیت سے شیخ ابویزید بسطامی کے انھوں نے تلقین پائی روحانیت سے سیدنا امام جعفر صادق کے بموجب سند سابق کے اور نیز یہ فقیر حج کے سفر میں جب لاہور پہنچا اور دست بوسی شیخ محمد سعید لاہوری کی حاصل کی۔

(۱) طریقہ شطاریہ

انھوں نے دعائے سیفی کی اجازت بلکہ اجازت جمیع اعمال جو اہر ختمہ کے بیان کی اور یہ اس زمانہ میں بہت بڑے مشائخ طریقہ احمدیہ و شطاریہ کے تھے اور جب کسی کو اجازت دیتے تھے اس کو دعوت کی رجعت نہ ہوتی تھی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

سند کہا ہے شیخ معرثۃ حاجی محمد سعید لاہوری نے کہ میں نے اخذ کیا طریقہ شطاریہ اور اعمال جو اہر ختمہ سیفی وغیرہ شیخ محمد اشرف لاہوری سے انھوں شیخ عبدالملک سے انھوں نے شیخ بابزید پٹانی سے انھوں نے شیخ وجیہ الدین گجراتی سے انھوں نے شیخ محمد غوث گوالیری سے اور نیز اس فقیر کو اجازت شطاریہ کی حاصل ہوئی حضرت والد بزرگوار قدس سرہ سے ان کو شیخ لال میرٹھی سے ان کو شاہ پیر میرٹھی سے ان کی سند اس وقت مجھے یاد نہیں، میں نے کتاب عزیز میں پائی معلوم ہوتی ہے سید ابراہیم امیر جی سے ان کو شیخ بہاء الدین شطاری سے کہ انھوں نے کہا ہے کہ جان لینا چاہئے کہ ذکر مشرب شطاریہ کا اسم ذات سے زبان سے یا دل میں کہے اور ملاحظہ اسماء صفات کا کرے یعنی سبح، بصیر، علیم، خیال میں لائے اور برزخ یعنی صورت واسطے کی پیش نظر رکھے اور مدیکھنے اور شد کرے اور زیر ناف سے شروع کرے اور معنی ملاحظہ کرے یعنی سننے والا اور دیکھنے والا اور جاننے والا دل میں قرار دے اور ایک دم میں ایک دفعہ کہے دم کے اقل سے دم کے آخر تک میں اور یہ جب ہے کہ محاربہ کبیر نہ ہو اور محاربہ کبیر ہو تو دوسو دفعہ اور زیادہ کہے تو اور اچھا ہے جب صفات قرار پا جائیں تو اور صفات تلقین کرے کہ ان صفات کو نجات کہتے ہیں یعنی سبح، بصیر، علیم، شنوا، بینا، دانا، دائم، قائم، حاضر، شاہد ہے۔ جب ایک مدت اس شغل میں مستقیم ہو جائے تو فرماتے ہیں یعنی قادر، واحد، جی، قیوم، ظاہر، باطن، رؤف، نور، ہادی، بدیع، باقی، عروج، نزول۔

ہر ذکر و اسم میں شرط ہے جب ایک مدت اس میں مستقیم ہو جائے تو ملفوظات تلقین فرمائیں یعنی اعلیٰ الاعلیٰ العظیم الاعظم الکبیر الاکبر القریب الاقرب اللطیف اللطیف الکریم الکریم الانور الانور العظیم الاعظم اس کے بعد محاربہ کبیر کا شغل کرائیں کہ دم روک کر خوب شدت سے ساتھ تصور ملاحظہ کے اتنا ذکر کہے کہ بدن سے پسینہ پینے کی طرح برسنے لگے اور ذکر کرنے والا بیہوش ہو جائے اور فائدہ یہ ہے کہ جس قدر بھوکے رہنے سے اور بہت جاگنے سے حاصل ہوتا ہے وہ سب اس سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس قدر کافی ہے باقی مرشد سے معلوم ہو جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ مراقبہ تین طور پر ہیں ایک تو یہ کہ اس طرح بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں اور اس علم کو لازم کرے یعنی یقین سے یوں جانے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا اور سنتا اور جانتا ہے اور جب اس عالم سے ایک لمحہ بھی غافل ہو تو مراقبہ نہیں اور اس مراقبہ میں ربط شیخ لازم ہے اور نماز و تلاوت اور تمام احوال کو لازم جانے اور جب اس میں استقامت ہو جائے۔ دوسرا مراقبہ جسے مشاہدہ بھی کہتے ہیں شروع کرے۔ اور اس میں بھی اسی شکل سے بیٹھے اور منہ دل کے وسط کی طرف جھکائے اور آنکھیں بند کرے اور چشم باطن سے دل کو دیکھیں اور تصور کرے کہ خدا عز و جل کو دیکھتا ہے اور جب یہ شغل کمال کو پہنچ جائے حجاب تشبیہ کا اٹھ جائے گا تو تحقیق جائے گا کہ خدائے تعالیٰ کو دیکھتا ہے پھر اس سے ترقی کرے تیسرے مراقبہ میں کہ اسے معائنہ بھی کہتے ہیں اس میں مشغول اور وہ یہ ہے کہ اسی طور سے بیٹھے مگر نظر آسمان کی طرف کرے اور آنکھیں اونچی کرے اسی طرح جیسے مرنے کے وقت یہ خیال کرے کہ میری روح قالب سے نکل گئی اور آسمانوں سے گزر گئی اور حق تعالیٰ کے معائنہ میں مشغول ہوئی اگر کسی کو اس پر استقامت حاصل ہوگی تو ایک ڈور امبز ظاہر ہوگا اس کا ایک سرا ساقیوں آسمان پر ہوگا اور دوسرا سر اس کے دل میں۔ اور اعلیٰ مرتبہ اور مشغول جو مشائخ کہتے ہیں یہی ہے اور اس میں واسطہ درست نہیں۔

تسبیح کی سند

وہ مجھ کو دی سید عمر شیخ عبد اللہ بصری مکی کے نواسے نے کہا کہ مجھ کو دی میرے نانا شیخ عبد اللہ نے ان کو دی ان کے شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی نے اور کہا مجھ کو دی ابو عثمان جزائری نے ان کو ملی ابو عثمان مقری سے ان کو سید احمد جرجی سے ان کو سید ابراہیم تازی سے ان کو ابو الفتح مراعی سے ان کو ابو العباس احمد بن ابو بکر رواد سے ان کو محمد والد بن محمد بن یعقوب بن محمد فیروز آبادی لغوی سے ان کو جمال الدین یوسف بن محمد دیمیری سے ان کو تلقی الدین بن ابو شامہ محمود بن یعلیٰ سے ان کو محمد والد بن عبد الصمد بن ابو انکیش مقری سے ان کو اپنے والد سے ان کو ابو الفضل نعمد بن ناصر سے ان کو ابو محمد عبد اللہ سمرقندی سے ان کو ابو بکر محمد بن علی سلامی حداد سے ان کو ابو نصر عبد الوہاب بن عبد اللہ بن عمر سے ان کو ابو الحسن علی بن حسین بن قاسم صوفی سے انھوں نے کہا میں نے سنا ہے حسن مالکی سے اور

تحقیق میں نے دیکھا ان کو تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں کہا انھوں نے یونہی دیکھا تھا اپنے حضرت جنید کو اور ان سے کہا تھا حضرت ابھی تک آپ تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں انھوں نے کہا میں نے ایسا ہی دیکھا تھا اپنے مرشد سری بن مفلس سقلی کو اور ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی تو میں نے کہا حضرت ابھی تک آپ تسبیح رکھتے ہیں انھوں نے کہا میں نے ایسا ہی دیکھا تھا اپنے مرشد معروف کرنی کو اور ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور میں نے یونہی پوچھا تھا جس طرح تم نے مجھ سے پوچھا تو انھوں نے کہا میں نے یونہی دیکھا تھا اپنے مرشد بشر حافی کو ان سے یونہی دریافت کیا جیسے تم نے مجھ سے انھوں نے کہا میں نے دیکھا اپنے حضرت عمر مکی کو ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی میں نے سوال کیا اسی طرح جس طرح تم نے مجھ سے۔

انھوں نے کہا میں نے دیکھا اپنے استاد حسن بصری کو ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی میں نے کہا اے حضرت آپ باوجود ایسی عظمت شان اور ایسی نیک عبادت کی اور ابھی آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے انھوں نے کہا کہ یہی ایک ایسی شے ہے کہ ہم ابتدا میں اس کا استعمال کرتے تھے تو ہم نے نہایت میں بھی نہ ترک کیا میں دوست رکھتا ہوں اس امر کو کہ ذکر اللہ دل سے کروں اور ہاتھ سے اور زبان سے شیخ ابوالعباس رودا فرماتے ہیں کہ حسن بصری کے قول سے روشن ہوا کہ تسبیح صحابہ کے عہد میں موجود تھی، جو انھوں نے کہا یہ ایسی شے ہے کہ ہم ابتدا میں کیا کرتے تھے اور ابتدا حسن بصری کی پیشگ تھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیونکہ وہ یقینی پیدا ہوئی۔

جب دو برس خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئے تھے اور انھوں نے دیکھا حضرت عثمان غنی وطلحہ رضی اللہ عنہم کو اور جب حاضر ہوئے یوم الدار کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قفسیہ میں تو ان کی عمر چودہ برس کی تھی اور انھوں نے حدیث کی روایت کی ہے عثمان غنی وطلحہ بن حصین و معقل بن یسار و ابو بکر و ابو موسیٰ و ابن عباس و ابن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے اور بہت صحابہ سے اور ان کا حضرت علیؓ سے روایت کرنے میں اختلاف مشہور ہے۔ اچھی۔

دلائل الخیرات کی سند

اور دلائل الخیرات کی ہم کو اجازت دی ہمارے شیخ ابو طاہر انھوں نے شیخ احمد نخعی سے انھوں

نے سید عبدالرحمن ادریسی مشہور محبوب سے انھوں نے اپنے والد احمد سے انھوں نے ان کے دادا محمد سے انھوں نے ان کے پیردادا احمد سے انھوں نے اس کے مصنف سید شریف محمد بن سلیمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ قصیدہ بردہ کی سند ہم کو خبر دی قصیدہ بردہ کی ابو طاہر نے شیخ احمد غنوی سے انھوں نے محمد بن علاء علی سے انھوں نے سالم سہوری سے انھوں نے نجم غنوی سے انھوں نے شیخ الاسلام زکریا سے انھوں نے ابواسحاق صالحی سے انھوں نے صلاح محمد بن محمد بن حسن شاذلی سے انھوں نے علی بن جابر ہاشمی سے انھوں نے اس کے ناظم شرف الدین بن محمد بن سعید حماد بوسیری رحمۃ اللہ علیہ سے کاتب حروف کہتا ہے یہ ہی بیان سلاسل کا اس رسالہ میں میسر ہوا اور علم حدیث و فقہ وغیرہما کی سند کا ذکر بعد ہوگا۔ فقط واللہ اولاً و آخراً و طاہراً و باطناً و صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ ومشاخ حرمین کے مختصر حالات

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے حرمین شریفین کو خیر البلاد بنایا اور ہر دور میں ان میں اپنے منتخب بندوں کو ٹھہرایا اور درود و سلام ہوں ہمارے آقا سید الکونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل اور اصحاب پر۔

فقیر ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنہیں انسان العین فی مشاخ الحرمین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے حرمین شریفین کے بعض ان مشاخ صوفیا اور علمائے محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں جن سے اس فقیر کو سلسلہ خرقہ صوفیا اور اسناد حدیث پہنچی ہیں، جزاھم اللہ تعالیٰ عنی خیر الجزاء۔

شیخ احمد شناویؒ

آپ علی بن عبدالقدوسؒ بن محمد عباس شناوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد گرامی اولیائے کبار میں سے ہو گزرے ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعر اوی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ آپ علوم شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ علم حدیث شمس ربی اپنے والد بزرگوار سید غفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حاصل کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خلافت پائی۔ ان کی صحبت کے بعد سید صبیحۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھوں بھی خرقہ خلافت پہنا۔ آپ ان کی صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچ کر ان کے خلیفہ بنے کہا جاتا ہے کہ تربیت سالکین کے سلسلے میں انھوں نے کہا لو کان الشعر اوی حیا ما وسعه الا اتباعی (یعنی اگر شعر اوی زندہ ہوتے تو وہ بھی میرے اتباع کرتے) آپ کا قول ہے کہ عہدنا بحفظ وان لم یحفظ۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ متاخرین اہل حرمین کی اصطلاح میں قبول بیعت سے مراد اخذ عہد ہے، یعنی جب بھی مشاخ صوفیا کسی کی بیعت قبول کرتے ہیں تو اس سلسلے کے تمام مشاخ چاہے

زندہ ہوں یا نرشتہ کی برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ لا یدخل النار من رانی و رانی من رانی الی یوم القیامۃ (وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا)

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا حکم شرعی کے تحت آپ نے اسے مارنا چاہا مگر شہود و وحدت نے آپ کے اس ارادے کو متزلزل کر دیا، ایک بار پھر اس کو مارنے کا ارادہ کیا مگر شہود و وحدت مانع رہا۔ غرض ان دو اندیشوں کے درمیان الجھے ہوئے تھے کہ آخر کار حکم شرعی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرتے ہوئے ایک پتھر اسے دے مارا، نشانہ چوک گیا اور گرگٹ بھاگ گیا آپ بہت خوش ہوئے اور کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے لئے دونوں باتیں جمع کر دیں، شیخ احمد قشاشیؒ نے اس حکایت کے بعد کہا کہ اگر وہاں میں ہوتا تو ہرگز تاہل نہ کرتا اور فوراً اس گرگٹ کا سر کھیل دیتا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قشاشیؒ کی مراد یہ تھی کہ وحدت فی الحقیقت کثرت میں اس طرح جلوہ گر ہے کہ کثرت اور اس کے احکام کے ساتھ ان کا کوئی تضاد نہیں اگرچہ پانی اور آگ دونوں وجود کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک فیض خاص کا مظہر اور استعداد مخصوص کا منبع ہے، لہذا پانی آگ سے اڑ جاتا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے، اور حکم شرع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کثرت کے احکام میں نظم و ترتیب قائم رہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وحدت، کثرت سے مزاحم نہ ہو اور کثرت وحدت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔

چوں کہ بیرنگی اسیر رنگ شد

موسوی با عیسوی در جنگ شد

(چونکہ بے رنگی نے رنگ کا روپ اختیار کر لیا اس لئے موسوی عیسوی کے خلاف میدان

جنگ میں کود پڑا)

آپ ۱۰۲۸ھ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ احمد قشاشیؒ

آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف عبدالنبی بن شیخ احمد الدجانی کے فرزند ارجمند ہیں۔
 ”دجانہ“ (بہ تخفیف جیم) بیت المقدس کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ آپ اسی قصبہ کے
 نہایت بزرگ باشندے تھے۔ شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالات زندگی لکھے ہیں۔
 شیخ یونس کو عبدالنبی کے نام سے اس لئے پکارا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو اجرت دے کر مسجد میں بیٹھاتے
 تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و صلوة پڑھیں۔ آپ کو قشاشی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے
 آپ کو چھپانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کی دکان کرتے تھے اور قشاشہ پرانے
 سامان کو کہتے ہیں مثلاً دواتیں، پرانے جوتے اور اسی طرح کی دوسری اشیاء، آپ کے والد بزرگوار
 محمد مدنی بھی عالم اور مرد صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علم حقیقت و شریعت کے امام تھے۔ حقائق
 معرفت کے بارے میں آپ کی گفتگو آیات و احادیث سے مدلل ہوتی تھی، کئی مشائخ کی صحبت
 میں رہے اور فرقہ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا، مگر انہیں گوہر مقصود شیخ احمد شناوی سے حاصل
 ہوا۔ اسی لئے انھوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا، کہا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے مشائخ
 صوفیاء کی تلاش میں سفر اختیار کیا، جب واپسی پر جدہ پہنچے تو حالت کشف میں ان پر یہ ظاہر ہوا کہ شیخ
 احمد شناوی سامنے کھڑے ہیں اور ان کی شرمگاہ سے مادہ منویہ خارج ہو رہا ہے جس کی وجہ سے ان
 کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو ان کے ذہن میں اس واقعے کی یہ تعبیر آئی کہ
 شیخ شناوی مرتبہ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں لیکن ان سے اکتساب فیض کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں، اس
 کے فوراً بعد وہ حضرت شناویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے جب انھیں دیکھا تو فرمایا ہم
 اس شخص کو مرہب کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم کا فیض پانے کے لئے آیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشی نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی (۱)
 نے انھیں فرقہ خلافت پہنکرا اپنی ہمیشہ ان کے نکاح میں دے دی ہے۔ اس کی تعبیر انھوں نے یہ

(۱) شیخ ابو بکر محی الدین بن علی المعروف ابن عربیؒ و شیخ اکبرؒ ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۱۶۵ء میں مرہب
 میں پیدا ہوئے جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے آپ کا تعلق مشہور عرب قبیلے ”بنو غط“ سے تھا۔ آپ
 ۵۶۸ھ میں ایشیلیہ آئے جو اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا۔ آپ نے تقریباً تیس برس کا طویل عرصہ تعلیم و تعلم اور
 اسلامی فلسفے کے مطالعے میں گزرا۔ ۳۸ برس کی عمر میں بلاد مشرق کی طرف روانہ ہو گئے اور مصر و مشرق قریب اور
 ایشیائے کوچک کی سیاحت میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران آپ بیت المقدس، (باقی اگلے صفحہ پر)

مجھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ شیخ ابن عربی کی، بشیرہ کے ان

(بقیدہ حاشیہ ص ۱۲۸) مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد اور حلب گئے بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شیخ ابن عربی دو پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے نظریہ وحدت الوجود کے فلسفہ کی عقلی و شرعی تشریحات کی بنا پر پوری دنیا پر بالعموم اور عالم اسلام پر بالخصوص ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں۔ حقیقت کا کتاب ذات واجب الوجود، مابہ الموجودیت امر وخلق، انسان اور خدا ایسے بنیادی اور دقیق مسائل پر جس جامعیت سے انہوں نے قلم اٹھایا ہے اس میں وہ اپنے انداز فکر، قوت استدلال اور حقیقت پسندی کے اعتبار سے ہر مذہب و ملت کے مفکرین سے بازی لے گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطابق ہر دور کے مسلمان فلاسفہ، مفکرین اور تمام سلاسل کے صوفیائے نے نہ صرف یہ کہ ان کے نظریات کو تسلیم کیا بلکہ خرافان عقیدت کے طور پر انہیں شیخ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے، مشائخ صوفیائے تمام سلاسل میں سے صرف دو بزرگوں شیخ علاء الدین سمنانی اور حضرت مجدد الف ثانی نے وحدۃ الوجود پر ان سے اختلاف کیا جسے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق حضرت مجددؒ خود بھی آخر عمر میں وحدۃ الوجود کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو بھی تمام سلاسل بشمول سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کا وحدۃ الوجود پر اجماع ہے ایسی صورت میں ایک دو بزرگوں کا اختلاف کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں پھر حضرت مجددؒ کا نظریہ وحدت الہیہ اس وقت کے بعض سیاسی حالات کا تقاضا بھی تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ایک عینہدہ ملت کا تشخص دینے کی اشد ضرورت تھی لیکن بعد میں برسنبر کے متحدہ المسلك حضرات نے اس کی زیادہ ترویج کی، حضرت شاد ولی اللہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الہیہ میں تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سارا لفظی نزاع ہے۔ بحسب لفظ کی بات یہ ہے کہ ہمارے چھ یہ دانشور اور مبصرؒ زشت پچاس سالہ پر و پیچندہ کی بنا پر بغیر سوچے سمجھے چھوٹے ہی نظریہ وحدت الوجود پر برس پڑے ہیں اور قطعاً نہیں سمجھتے کہ سلوک و کشف سے قطع نظر خالص عقلی طور پر بھی وحدۃ الوجود کے ماننے بغیر آخر تو حید کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی (ہستی اعلیٰ) اور اس کا اقرار وہ ابدی سچائی ہے جو کم و بیش ہر مذہب میں کسی نہ کسی طرح مسلم رہی ہے محض اس بات سے جو کہ کھانا کہ وحدۃ الوجود کے بعض تصورات، پیدائش یا دیگر عجبی افکار سے ملنے ہیں کس قدر لغو اور کمزور دلیل ہے اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی کی رائے بہت وقیع ہے کہ ”اگرچہ بظاہر وحدت الوجود پر بہت اعتراضات کئے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے ماننے بغیر چارہ نہیں“۔ مولانا جانی نے آپ کی تصانیف پانسو سے بھی زیادہ بتائی ہیں۔ آپ نے ۶۳۲ھ میں خود اپنی کتابوں کی جو فہرست مرتب کی اس میں ۲۵۱ کتابوں کے نام درج ہیں آپ کی تصانیف تنصیر، حدیث، سیرت، ادب، مصروفانہ شاعری، علوم طبیعی، جہت اور علوم مذہبیہ پر مشتمل ہیں آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ”المفستوحات المسکبہ فی معرفۃ الاسرار المالکیہ والصلبکیہ“ سب سے ضخیم اور عظیم الشان آخری تصنیف ہے جو ۶۲۹ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ ”فصوص الحکم“ دمشق میں ۶۲۷ھ میں لکھی گئی۔ ”تنزیلات“ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شیخ اکبر نے ۶۲۸ھ۔ ۱۲۳۷ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک جبل قاسیوں میں زیارت گاہ خلائق ہے اور زبان حال سے یہ پکار رہا ہے۔ ع

زیارت گاہ اعلیٰ عزم و ہمت ہے لہ میری

کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی

کے نکاح میں آنے کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے۔ سید محمد بن علویؒ نے انھیں لکھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، انھوں نے مجھے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا سلام کہو اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علویؒ نے کہا میں نے دوسری دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو انہیں یہ فرماتے سنا احمد قشاشیؒ سے میرا سلام کہو اور اسے یہ مژدہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلسہ ہوگا۔

کہتے ہیں جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمدؒ فرماتے ہمارے لئے کوئی مقام نہیں اس لئے کہ ہم اہل یشرب میں سے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے یا اہل یشرب لا مقام لکم، گویا اس سے مقام بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر کاربند تھے۔

شیخ احمد قشاشیؒ کے عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے مکمل قرآن مجید خواب کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ شیخ ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کہ ما علی احدکم ان یکون فی بیتہ محمد و محمد ان ثلثۃ اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا مجھے تین فرزند عطا کرے گا جس میں ہر ایک کا نام محمد ہوگا۔ اس کے بعد میں اس فکر میں پڑ گیا کہ ایک کو دوسرے سے کیسے تمیز کر سکوں گا۔ شیخ قشاشیؒ میرے خدشے پر مطلع ہو گئے اور فرمایا ان میں سے ایک ابوسعید، دوسرا ابوالحسن، اور تیسرا ابوطاہر کنیت اختیار کرے گا۔ ایک مدت بعد ویسے ہی ہوا جیسا انھوں نے فرمایا تھا۔

شیخ ابراہیمؒ ہی سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشیؒ نے میرے دل کی ایک بات کہہ ڈالی، مجھے خیال آیا کہ کاش یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی تو شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ بات بتاتا اور نہ سمجھا سکتا۔ شیخ قشاشیؒ کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔

الغرض شیخ قشاشیؒ کی زندگی فقہاء کے طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر بلکہ عین سنت کے مطابق، تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی۔ آپ امراء کے ہاں کبھی نہیں جاتے تھے۔ اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشارت سے ان کے ساتھ ملاقات

کرتے اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک فرماتے۔ قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے۔ آپ بڑی نرمی کے ساتھ نیکی کی تلقین فرماتے اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔

شیخ عیسیٰ مغربیؒ نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں جب بھی شیخ قضاہیؒ کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور میرا نفس انتہائی ذلیل ہوتا تھا۔ خواہ میں کتنی بار بھی ان کے پاس حاضر ہوتا میرا یہ تاثر اپنی جگہ قائم رہتا۔ آپ نے ۱۹ روئی الحج۱۰۷۱ھ میں انتقال فرمایا رحمتہ اللہ علیہ سید عبدالرحمن اور لکسی المحجوبؒ

آپ مغرب کے شہر کمناسہ میں پیدا ہوئے۔ مغرب، مصر، روم اور شام کی سیاحت کے بعد حرمین شریفین تشریف لے آئے اور کئی برس یہاں کی مجاورت کی۔ اس کے بعد زیارت اولیاء کی خاطر یمن تشریف لے گئے کیونکہ انھوں نے یہ مشہور مقولہ سن رکھا تھا کہ یمن میں اولیاء ایسے پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے گھاس، یہاں کے اولیاء کی مجالس میں ان کو عجیب و غریب قسم کے واقعات اور دلچسپ و رنگین صحبتیں میسر آئیں، پھر جب مکہ واپس آ گئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی تو اہل مکہ نے ان سے استفادہ کیا اور کئی لوگوں نے خرقہ صوفیا بھی حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار کرامات روایت کی جاتی ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعیؒ مدینہ سے میں نے سنا انھوں نے اپنے والد جو کہ سید محمدؒ کے خادم تھے اور یہ سید محمدؒ سید عبدالرحمنؒ کے معتقد تھے سے نقل کیا کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی سید عبدالرحمنؒ محجوبؒ کی طرف دعا کے لئے رجوع کیا، سید عبدالرحمنؒ ایک لمحے تک سر بگرہاں رہے، کچھ سوچا اور اس کے بعد فرمایا کہ مکہ کے فلاں محلے میں ایک اس قسم کا گھر ہے بیت المال کے افسر کو چاہئے کہ جس قدر شریف مکہ کو ضرورت ہے اسی قدر اس میں سے مال لے لے اور باقی احتیاط سے وہیں پر چھوڑ دے۔ لوگ اسی وقت وہاں پہنچے اور اس گھر کو ویسے ہی پایا جیسے سید صاحب نے فرمایا تھا۔ وہاں سے انھوں نے بیس ہزار اشرفیاں اٹھالیں اور صندوقوں کو مقفل کر دیا۔ یہ رقم سید صاحب کے پاس لے آئے آپ نے شریف مکہ کے حوالے کر دی تاکہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔ دوسری بار شریف مکہ نے چاہا کہ باقی دولت بھی اپنے تصرف میں لے آئے مگر گھر کا

پتہ ملا نہ مال۔ لوگ حیران رہ گئے اور سید عبدالرحمنؒ سے اس معاملے کا راز پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ایران کا ایک شخص اپنے ملک میں فوت ہو گیا، اس کا کوئی وارث نہ تھا، میں نے تصرف کر کے اس کے گھر کو مکہ میں لا کھڑا کیا، وہاں سے جو کچھ تم نے لیتا تھا، لے لیا، اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو مکان اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ سید عبدالرحمنؒ ایک دفعہ سید احمد بن طوان کے حزار مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ سید احمد نے اپنے خادم کو خواب میں سید عبدالرحمنؒ کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کل ان کا استقبال و تعظیم بجالانا، خادم استقبال کی غرض سے شہر سے باہر نکلا، بہت تلاش کیا مگر سید صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا، ناامید ہو کر واپس لوٹ آیا تو دیکھا کہ سید صاحب حزار کے قہ میں تشریف فرما ہیں حالانکہ دروازہ بند تھا اور اس کی چابی خادم کے پاس تھی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابراہیم کو قبض (بندش لطائف) لاحق ہو گئی۔ مسلسل چھ ماہ روتے رہے، کسی کی سمجھ میں اس کا سبب نہیں آتا تھا۔ جب حج کے ایام آئے اور ان کے بعض شاگرد شام سے قافلہ حج میں آئے تو انھوں نے شیخ ابراہیمؒ کے لئے شیخ قشاشیؒ سے حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ شیخ قشاشیؒ نے اجازت دے دی جب شیخ ابراہیمؒ کے بھائی عبدالرحمنؒ نے ان کی نشست گاہ سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کے نیچے کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا جس پر شیخ قشاشیؒ کے قلم سے لکھا ہوا تھا اے ابراہیم! ہم نے تمہارا آدھا حصہ غرق کر دیا ہے۔ اگر تم نے رجوع نہ کیا تو ہم تمہیں سارے کا سارا ڈبو دیں گے۔ اس وقت انھیں پتہ چلا کہ ان کے رونے کا سبب کیا تھا۔ جب حضرت شیخ ابراہیمؒ مکہ پہنچے اور سید عبدالرحمنؒ محبوب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب شیخ ابراہیمؒ پر گلاب کا پانی چھڑکنے لگے۔ چونکہ شیخ ابراہیمؒ احرام کی حالت میں تھے اور ان کے لئے خوشبو کا استعمال ممنوع تھا اس لئے گلاب کا پانی چھڑکنے کے ساتھ ہی شیخ ابراہیمؒ کی حالت قبض رفع ہو گئی۔ گویا یہ شیخ قشاشیؒ اور شیخ ابراہیمؒ کے درمیان مصالحت تھی جسے سید ابراہیمؒ نے انجام دیا سید عبدالرحمنؒ جہاں باطنی کمالات سے متصف تھے وہاں کمالات ظاہری میں بھی بلند مقام پر فائز تھے جو دو کرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے دسترخوان پر صبح و شام بہت سے لوگ جمع ہوتے اور وہ ان تمام کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے، آس پاس کے اسلامی شہروں سے ان کی خدمت میں نذر و نیاز پیش ہوتیں جسے آپ فقرا میں تقسیم فرما دیتے، تقریباً دو سو غلاموں کو آزاد کیا۔ جو بھی ایک

دفعہ آپ کی محفل میں بیٹھ جاتا آپ کی شیریں کلامی اور خوش خلقی کی بنا پر اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ اس قدر زیرک و دانشمند تھے کہ جس سے بھی ایک بار ملاقات کر لیتے چاہے ایام حج میں بھی کیوں نہ ہو، اسے دوبارہ فوراً پہچان لیتے۔ جو بھی ان کی زیارت کو آتا، استعداد کے مطابق اسے درود، تلاوت، استغفار اور اوراد، ایسے نیک امور کی تلقین فرماتے، اور اسی طرح جس سے استعداد دیکھتے اسے صوفیا کے کلام اور ان کے معتقدات بالخصوص شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے۔ میں نے ان کے لقب محبوب اختیار کرنے کی وجہ ہر چند اہل مکہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتہ نہ چل سکا قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سماع کے دوران چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ جب گرمی شوق کے آثار ظاہر ہونے لگے تو چہرے سے نقاب ہٹا دیتے۔ اس وقت عجیب انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا جس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا، شیخ احمد نخعی نے بھی اسی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، واللہ اعلم۔

شمس الدین محمد بن العلابی

آپ حافظ حدیث اور اپنے زمانے میں مصر اور حرمین کے استاذ تھے۔ نیز پسندیدہ اخلاق مثلاً تواضع، ذکاوت اور اخلاقی و محبت سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ انہیں ابتدائے حال میں شب قدر کی نعمت حاصل ہوئی اور اس مبارک رات کے بعض عجیب و غریب آثار مشاہدہ کئے۔ اسی وقت آپ نے دعا کی کہ بار خدایا! مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی (۱) کی طرح بنادے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا مستجاب ہو گئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب کسی کتاب کی تالیف کرے تو مندرجہ ذیل سات شرائط کو پیش نظر رکھے، پہلی یہ کہ ایسی چیز تالیف کرے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہ ہو گیا ہو، دوسری یہ کہ کوئی چیز نامکمل ہو جس کی تکمیل مقصود ہو، تیسری کوئی چیز متعلق ہو اور اس کی شرح پیش نظر ہو، چوتھی یہ کہ کوئی چیز طویل ہو اسے مختصر کرنا مقصود ہو مگر اس اختصار میں حل معانی

(۱) احمد نام، ابوالفضل کنیت، اور ابن حجر کے عرف سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو کنانہ سے تھا۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اپنے دور کے مشہور شیوخ سے علوم حاصل کئے۔ اکثر اسلامی باد کا سفر کیا۔ علم حدیث میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کے حافظ، ثقاہت، امانت، معرفت اور علوم و فنون میں مہارت کی دھماک بٹھی ہوئی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے شرح بخاری، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تعلیق التعلیق، نفعیہ الفکر مشہور و معروف کتابیں ہیں۔ آپ نے ۸۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ قابرہ کے باہر نماز جنازہ ہوئی اور جامع دیلمی کے قریب مدفون ہوئے۔

اور تفسیر مطالب کو راہ نہ دے، پانچویں کسی بات میں غلط بحث ہو جسے صحیح ترتیب میں لانا مقصود ہو چھٹی کوئی ایسی چیز جس میں پہلے مصنف نے غلطی کی ہو اور یہ اس کی تصحیح چاہتا ہو، ساتویں کوئی چیز منتشر ہو جسے جمع کیا جائے، اگر کسی کتاب کی تالیف میں مندرجہ بالا سات وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ نہ پائی جائے تو ایسی تصنیف تفسیر اوقات کے سوا کچھ نہیں۔

آپ نے صحیح بخاری، موطا اور دیگر تمام کتابیں سالم سنہوری اور دوسرے لوگوں سے روایت کیں۔ موطا، بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ کے پاس مسلسل اسناو تھیں۔ آپ نے مسلسل اسناو ہی کے ذریعے ان کتابوں کا سماع کیا تھا۔ شیخ عیسیٰ مغربی نے آپ کی تمام اسانید کو ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اسناد کا اصل یہی اسانید ہیں، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مصداق ہے **نظر اللہ امرأ سمع منی الحدیث** الخ آپ کی شان و عظمت اور جلالت و بزرگی کا عجیب انداز تھا، بادشاہ، امراء اور وزراء آپ سے توجہ و دعا کے طلبگار رہتے تھے۔ اور آپ کے کسی حکم سے سر مو انحراف نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت آپ کا دائمی معمول رہا۔ آپ نے ۷۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بابل جس کی طرف وہ منسوب تھے مصر میں ایک گاؤں ہے۔

شیخ عیسیٰ جعفری مغربی

آپ کی پیدائش اور نشو و نما مغرب میں ہوئی۔ مروجہ علوم کے کچھ متون بھی آپ نے اسی علاقے میں پڑھے، پھر الجزائر میں آگئے اور کھل ماسی کے پاس دس برس سے زیادہ عرصے تک رہ کر علوم میں تبحر حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قسطنطنیہ، مصر اور حرمین کے علاقے سے بھی روایت کی۔ پھر آپ نے مکہ معظمہ کو مستقل وطن بنالیا۔ آپ نے ”مقالید الاسانید“ کے نام سے ایک معجم (۱) بھی تصنیف فرمائی، الغرض وہ ایک متقی عالم جمہور اہل حرمین کے استاذ اور حدیث و قرأت کے امام تھے۔ سید عمر نے ان کے بارے میں کیا خوب رائے پیش کی ہے کہ ”جو چاہے کسی ایسے شخص کو دیکھے جس کی ولایت شک و شبہ سے بالاتر ہو تو وہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کرے“ اور سید محمد بن علوی نے ان

(۱) حدیث کی وہ کتاب جس میں احادیث کو بہ ترتیب شیوخ جمع کیا گیا ہو۔ اس کے سوجد ابن قانع (۳۵۱ھ) ہیں۔ معاجم کو حرف تجمی کے اعتبار سے مرتب کرنے کا سہرا طبرانی (۳۲۰ھ کے سر ہے)

کے بارے میں کہا کہ ”دو اپنے وقت کی ایک باکمال شخصیت تھی“۔ انہیں اعمال حسنہ، پابندی نماز، اجتماع، کثرت طواف اور مداومت صیام و قیام جیسی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ آپ تمام امور میں اعتدال پسند تھے۔ تنگ و ناموس میں نہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور نہ تساہل سے، اگرچہ آپ کا تعلق کئی مشائخ کے ساتھ تھا تاہم سلسلہ شاذلیہ سے باقاعدہ مسلک تھے اور ان پر تادم آخر اسی سلسلے کی نسبت کا غلبہ رہا۔ آپ نے مسلک امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ایک مسند (۱) بھی تالیف فرمائی جس میں متصل عنعدہ کے ساتھ حدیث کی روایت کی ہے۔ اس سے لوگوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آج کل سلسلہ حدیث (۲) متصل نہیں رہا۔ آپ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائے غلد بریں ہوئے

محمد بن محمد بن سلیمان مغربیؒ

آپ حافظ حدیث تھے اور علم و ریاضت اور دین و دنیا دونوں کے فنون کے جامع تھے۔ آپ کو شیخ ابو مدین مغربی سے فرقہ مدینہ حاصل تھا۔ درحقیقت کتب حدیث کا طریق تصحیح اور نسخہ نبویہ کا تعارف حرمین میں آپ ہی کے ذریعے ہوا۔ آپ تمام اہل حرمین کے استاذ اور بحر وثقہ عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسلامبول تشریف لے گئے وہاں ایک شخص نسخہ نبویہ فروخت کر رہا تھا۔ آپ علم کے اس قدر شائق اور قدر شناس تھے کہ وہ نسخہ تین ہزار رائج الوقت سکے کے عوض خرید لیا۔ اس نسخے سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ایک ہار مسجد حرام میں ایسا سیلاب آگیا کہ وہاں کے لوگوں کو غرق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا مگر محمد بن سلیمانؒ نے یہ نسخہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخے کی زیارت کی ہے اور اس کا مطالعہ بھی کیا ہے، شیخ تاج الدین قلعی کا بیان ہے کہ جس طرح شیخ محمد بن محمد بن سلیمانؒ علم روایت میں کمال رکھتے تھے اسی طرح وہ بہت سے عجیب و غریب علوم و فنون میں بھی یدِ طولی رکھتے تھے۔ آپ

(۱) اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو بہ ترتیب صحابہ جمع کیا گیا ہو باقتدار حروف جمعی، بلحاظ سبقت الاسلام باقتدار شرافت نسبی، بعض لوگوں کے نزدیک سب سے پہلی مسند موسیٰ کاظمؑ (۱۸۳ھ) کی ہے اس کے بعد مسند ابو داؤد طلیاسی ہے۔

(۲) متصل السند وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی کسی مقام سے ساقط نہ ہو بلکہ سند کے ہر راوی نے روایت بلا واسطہ فیراپنے شیخ سے بذاتِ خود سن کر روایت کی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان زادہ بسطة فی العلم والجسم کے مصداق تھے۔ تدبیر معاش میں انہیں اس قدر کمال حاصل تھا کہ سارے مکہ معظمہ کا نظام کار آپ کے ہاتھ میں آ گیا، اس پر حاسدوں کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہوتا تھا ہوگا، واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے صاحبزادے محمد وفد اللہ سے ان کے والد بزرگوار کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے، کیونکہ انھوں نے اپنے والد سے ان تمام مرویات کی قرأت، سماعت اور اجازت حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ بھی شیخ وفد اللہ کے سامنے پڑھی اور انھوں نے موطا شیخ حسن عجمی اور دیگر مشائخ سے پڑھی تھی۔ والحمد للہ۔

شیخ ابراہیم کردیؒ

آپ عالم و عارف تھے اور فقہ شافعی، حدیث اور عربی ادب میں مہارت کا ملہ رکھتے تھے ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی، پھر حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے، اس اثنا میں آپ اکثر سیدی شیخ عبدالقادر قدس سرہ کے حزار مبارک کو مرکز توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے ہی آپ کو اس راہ (معرفت) کا ذوق و شوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا پھر مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لائے۔ اور شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان عجیب قسم کے روابط و تعلقات پیدا ہو گئے۔ شیخ ابراہیم کردیؒ نے شیخ قشاشی سے حدیث روایت کی، ان سے خرقة پہنا اور ان کی صحبت کے فیض سے اعلیٰ کمالات پر فائز ہوئے۔ آپ فارسی، کروی، ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ ذہن کی تیزی، تبحر، علم، زہد، انکساری، صبر اور حلم و حوصلہ ایسے خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نے شیخ محی الدین بن عربیؒ کے حزار مبارک کی طرف اس نیت سے توجہ کی کہ آگے سفر مفید ہے یا نہیں، چنانچہ آپ نے (کشف میں) دیکھا کہ شیخ اکبر ان کے پاؤں سے گرد و غبار جھاڑ رہے ہیں۔ آپ نے سمجھ لیا کہ ابھی اقامت کا حکم ہے، شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ ایام حج میں مدینہ منورہ میں جب مصری لوگ آئے تو شیخ ابراہیمؒ اپنے احباب و معتقدین کے ہمراہ اہل مصر کی ایک جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ راستے میں وہ ایک ایسی جگہ سے

گزرے جہاں کچھ گانے بجانے والی لڑکیاں گانے بجانے اور لہو لعب میں مشغول تھیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے سید محمد برزنجی نے ڈنڈا اٹھا کر انہیں اس فعل قبیح سے روکنا چاہا۔ شیخ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، کیونکہ اس طرح ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ تھا، سید محمد برزنجی خشک مزاج واقع ہوئے تھے شیخ کے روکنے سے تنگ دل ہوئے، جب شیخ اور ان کے رفقا منزل مقصود پر پہنچے تو گانے والیوں میں سے ایک نے اپنے نغے کا آغاز اس شعر سے کیا۔

ان شرفوا مصادقی وان غربوا و ملی

وان عاشروا غیرنا ویلا علی و ملی

یہ شعر قاعدہ عروض کے مطابق نہیں تھا مگر متاخر عروضیوں کے قواعد سے موافق تھا۔ جب یہ شعر شیخ ابراہیمؒ نے سنا تو ان کی حالت خفیہ ہو گئی اور چہرہ ڈھانپ کر گریہ شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس نے بھی شیخ کی آواز سنی یا ان کی شکل دیکھی وہ روپڑا حالانکہ ان میں رقیق القلب بھی تھے اور سنگدل بھی! سید محمد برزنجی بھی روپڑے اور ان کے دل سے سیاحی اعتراض دھل گئی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ بادشاہ روم کا استاذ جسے وہاں کے لوگ خوجہ کہتے ہیں، مدینہ منورہ کی زیارت کو آیا اور علماء و احباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ شیخ ابراہیمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملاقات کے دوران اس نے شیخ سے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی جس کا قلع قمع کرنے میں میں نے انتہائی کوشش سے کام لیا۔ شیخ نے پوچھا وہ بدعت کیا تھی؟ کہنے لگا مساجد میں ذکر بالجہر۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی غرابہا (۱) (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں نام خدا لینے سے روکے اور ان کی دیرانی میں کوشش کرے) خوجہ کا رنگ خفیہ ہو گیا اور وہ نہایت مشکل میں پڑ گیا فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ سے فقہ کی چند جزئیات جو لکھ کر لایا تھا جیب سے نکالیں اور شیخ کے ہاتھ میں تھمادیں شیخ نے فرمایا اگر تھکید کی بات ہے تو میں کسی کا مقلد ہوں اور آپ کسی اور کے، اس لئے اس صورت میں آپ کے دلائل کو تسلیم کر لینا میرے لئے ضروری نہیں ہوگا۔ اور اگر تحقیق مطلوب ہے تو بندہ مناظرے کے لئے حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے بہت جلد اس موضوع پر

دلائل سے بھرپور رسالہ تحریر فرمایا اور خوجہ کے شبہات کے مسکت جوابات دیئے، چونکہ حضرت شیخ کے احباب نے خوجہ کے تغیر مزاج کو دیکھ لیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دولت عثمانیہ میں بلند رتبے پر فائز ہے اس لئے انھوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اس قدر تردید مناسب نہیں۔ شیخ نے فرمایا حق بات کہنے سے نہیں ٹلنا چاہئے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوجہ اور اس کے ساتھی اس رسالے کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے وہ مہبوت ہو کر رہ گئے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ حق ہمیشہ بلند رہتا ہے کبھی پست نہیں ہوتا۔

شیخ ابوطاہر مزید بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شاذلی حرین میں آئے ہوئے تھے۔ اس دوران انھوں نے شیخ ابراہیم سے بھی ملاقات کی جب وہ روم واپس چلے گئے تو وزیر روم جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا، نے شیخ یحییٰ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیم کو کیا پایا، اس نے کہا وہ تو ایک بت ہیں۔ وزیر یہ سن کر بھڑک اٹھا اور شیخ یحییٰ کو بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد یحییٰ شاذلی کو شیخ ابراہیم کے ساتھ سخت کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے شیخ کو ایذا پہنچانے کی نیت سے حرین آنے کا ارادہ کیا، لوگوں نے یہ بات شیخ ابراہیم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا جو ہاتھیوں کو قابو کر لیتا ہے وہ اسے بھی روک لے گا۔ جب شیخ یحییٰ طور کے قریب پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور اسی جگہ انتقال کیا۔ شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پرند فقہاء اور صوفیاء کی طرح بڑے بڑے علمائے، لمبی آستینیں، اور پٹھے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہل حجاز کی طرح متوسط درجے کا لباس پہنتے تھے جو مختصری جگڑی، اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے۔ آپ کے معتقدین اور مذاکرے آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ”بہر حال یہ ایسے ایسے ہیں کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی“۔ اگر کوئی ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل کر دیتے، عبد اللہ لیاشی نے ان کے بارے میں کہا کہ آپ کی مجلس نمونہ جنت تھی۔ جب مسائل حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس ضمن میں حقائق صوفیاء بھی بیان فرماتے اور کلام صوفیاء کو حکما کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق کے قریب تو پہنچ گئے، لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔

آپ کی تاریخ وفات اس زمانے کے ایک خطیب نے ان الفاظ سے نکالی ہے۔ واللہ اعلم علی
فراقک یا ابراہیم لمحزونون۔ ۷۱ ۱۰ھ

شیخ حسن عجمیؒ

آپ شیخ الحدیث، جامع علوم وفنون اور فصاحت، یادداشت اور تیزی فہم کے پیکر تھے۔
آپ اکثر و بیشتر شیخ عیسیٰ مغربیؒ کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ کئی
دوسرے شیوخ مثلاً شیخ احمد قساشیؒ، شیخ محمد بن العلاء بایلیؒ اور امام و مفتی شوافع شیخ زین العابدین بن
عبد القادر طبریؒ کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی۔ شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ شیخ حسن
عجمیؒ نے شیخ نعمت اللہ قادریؒ اور دوسرے صوفیائے کرام سے بھی ملاقات کی تھی آپ دعوت اسماء
کے سلسلے میں بھی مشہور تھے۔ شیخ ابوطاہرؒ ہی کا بیان ہے کہ یوں تو شیخ حسن خنیؒ تھے مگر سفر کے دوران
ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ بھی پڑھتے
تھے، آپ ہمیں وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو بلکہ انھیں خفی مسلک کی
آسانوں سے مطلع کر دیا کرو تا کہ وہ نماز پڑھ سکیں جیسے درہم برابر نجاست میں جو اجازت دی گئی
ہے اور اسی طرح کے دیگر مسائل کہ جن میں آسانی اور رخصت ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ حسن عجمیؒ باوجود خفی
ہونے کے، تمام امور میں ایک معین فقہی مسلک کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فریقین کے
ہاں کسی حقیقت ممتنعہ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی پروا کئے بغیر وہ تمام فقہی مکاتب سے اقوال
لے لیا کرتے تھے، واللہ اعلم

شیخ ابوطاہر مزید کہتے ہیں کہ میرے شیخ حسن عجمیؒ خوب صورت نہیں تھے بلکہ ان کی ایک آنکھ
میں ایک عیب بھی تھا اس کے باوجود جب حدیث پڑھتے تو ان کے چہرے پر انوار ظاہر ہوتے اور
وہ دنیا بھر سے زیادہ حسین دکھائی دیتے تھے۔ یہ اس قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا کہ فسضمر
اللہ عبداً (۱) الحدیث، آپ نے اپنی اسانید حدیث کو ایک رسالے کی صورت میں ضبط کیا ہے
جس سے علم حدیث میں ان کے تبحر کا بخوبی پتہ چلتا ہے، آپ فرماتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ عالم

(۱) نظر اللہ عبد اربع مقاتلی دو عاہ یعنی خدا اس شخص کو مختلف رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کر لے

کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے۔ تو یہ صحیح ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عالم کے دو نصف ہو جاتے ہیں، ایک خو عالم اور دوسرا اس کا فرزند جبکہ یہاں یہ بات واضح ہے کہ والد تو عالم ہے ہی، ایسی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہے کیونکہ عالم کے دو نصف نہیں کئے جاسکتے، گویا خلاصہ کلام یہ نکلا کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کا بیٹا بھی عالم ہو، آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں صحاح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب بطریق سرود پڑھتے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے شیخ ابوطاہر آپ کے قاری ہوتے۔ اگر ان کے علاوہ اور قرأت حدیث کرتا تو خوش نہ ہوتے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ علمائے حرمین کے نزدیک کتب حدیث کی تدریس کے تین طریقے رائج ہیں پہلا طریقہ سرود سے جس کے مطابق شیخ سامع ہو یا تلاوت کرے دونوں صورتوں میں لغوی و فقہی مباحث چھیڑے اور نہ ہی اسامہ جال کے بارے میں کوئی بحث و تحقیق کرے۔

دوسرا طریقہ بحث و حل ہے، اس میں ایک حدیث کی تلاوت کے بعد اس میں لفظ غریب، مشکل ترکیب اسمائے اسناد میں سے نادر الوقوع اسم، ظاہری شان نزول اور منصوص علیہ مسائل پر تامل کر کے اسے نہایت اعتدال کے ساتھ حل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگلی حدیث تلاوت کر کے اسے بھی اسی طرح حل کیا جاتا ہے علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا طریق امعان و تعمق ہے اس کے مطابق ہر لفظ کا، لہ و ما علیہ اور اس کے متعلقات کو نہایت توضیح و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کلمہ غریبہ اور کسی مشکل ترکیب کی تشریح میں کلام شعراء سے استشہاد کیا جاتا ہے اور الفاظ کے متعلقات کو اشتقاق و محال کے پیش نظر پرکھا جاتا ہے اس کے علاوہ اسماء المر جال کی تشریح کرتے ہوئے ر جال حدیث کے حالات اور سیرت و اخلاق تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں نیز فقہی مسائل کی منصوص علیہا مسائل سے تخریج کرتے ہوئے اس کے ساتھ تھوڑی سی مناسبت رکھنے والے قصے اور عجیب و غریب حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین کے ہاں یہی تینوں طریقے مذکورہ تفصیلات کے مطابق رائج ہیں۔ شیخ حسن عجمیؒ، شیخ احمد قطان اور شیخ ابوطاہر کا پسندیدہ طریقہ بھی طریق سرود تھا، مگر یہ طریقہ صاحبان علم و فضل اور مثنوی طلبائے حدیث کیلئے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے سامع حدیث

اور سلسلہ روایت کو مکمل کر لیں اور دوسرے مباحث شروع کی مدد سے حل کریں کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا انحصار شروع پر ہی ہے اور مبتدی و درمیانی درجے کے طلبائے حدیث کیلئے طریقہ بحث و حل ہے تاکہ علم حدیث کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے قائدہ اٹھائیں۔ جہاں تک شروع کا تعلق ہے تو وہ انہیں پیش نظر رکھیں تاکہ بحث و تحقیق کے دوران ان کی طرف رجوع کر سکیں۔

تیسرا طریقہ قصاص ہے اس کا مقصد روایت و تحصیل علم نہیں بلکہ علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ایک محدث کو رجال اسناد کے حالات، تصحیح اسماء ان کی ثقاہت کی معرفت، خصوصاً صحیحین (بخاری و مسلم) اور صحاح کی دوسری کتابوں میں اور لیس منا من فعل کذا اور فان الله قبل وجہہ اور اسی طرح کے دوسرے جملوں کی تاویلات فقہی فروعات فقہاء کے اختلافات مذاہب، مختلف روایات میں باہمی موافقت پیدا کرنے اور بعض احادیث کی بعض پر ترجیح میں تحقیق و تدقیق اور گہرائی و گیرائی پر حاوی ہونا چاہئے مگر اس امت مرحومہ کے حقد میں علماء ان امور میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے ہاں فقہاء و متکلمین اس سلسلے میں غور و خوض کرتے ہیں لیکن آج اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے انتہائی تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ہر لحاظ سے ان کا دل رکھنے کی کوشش کرتے۔ شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کا شیخ موجود ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شیخ کی بیعت کر سکتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا باپ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر چچا، تایا کئی ہوتے ہیں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ آپ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اول کہ جس کے باعث مزید دائرہ بشریت سے نکلا، یا اس نے ظاہری علوم حاصل کئے، کا مقام تو یہ ہے کہ اس کا مرتبہ حقیقی والدین کا سا ہے جبکہ دوسرے بزرگ کہ جن سے اس نے دائرہ بشریت سے خروج کے علاوہ دیگر خارجی فیوض کا اکتساب کیا ہے، کا معاملہ امام کا ہے لہذا انہیں اس طرح سمجھنا چاہئے۔ شیخ حسن آخری عمر میں مکہ مکرمہ سے ترک سکونت کر کے طائف میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ کا مقولہ ہے لیس بمکة من یقر الیہ آپ نے طائف ہی میں ۱۱۱۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ احمد نخعیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، مشائخ و طریقت اور علمائے شریعت کی بے شمار صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ سید احمد نخلیؒ سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے حدیث کی تعلیم محمد بن العلاء ہابلی، شیخ عیسیٰ مغربی اور اسی طبقے کے دوسرے شیوخ سے حاصل کی اور انہیں سے بخاری و موطا کے سماع میں تسلسل حاصل کیا۔ آپ کا مشائخؒ کے کئی خانوادوں سے تعلق تھا، ابتدا ہی سے علم و علما کی محبت کی طرف مائل ان کی صحبت میں حاضر، صوفیائے کرام سے عقیدت مندی اور ان کے اعمال اور اشغال پر ثابت قدم تھے۔ آپ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخؒ کی صحبتوں سے استفادہ کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ شیخ احمد نخلیؒ ایمان مکہ معظمہ میں سے وہ عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کی برکات کا فیض عام اور دعوات مستجاب تھیں۔ شیخ احمد نخلیؒ کے فرزند شیخ عبدالرحمن نخلیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے ہاں زینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کیلئے اولیاء اللہ سے دعا کی درخواست کی اور ان سے استمداد اور روحانی توجہ کے طالب ہوئے، وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخلیؒ کو شیخ تاج سنہلی کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنہلی نے قدرے تامل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں، بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحب فضل اور سعادت مند ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی عمر کم ہے جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ تاج سنہلی کا پیغام دیا تو انھوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت شیخ تاج سنہلیؒ کی خدمت میں التماس کرو کہ آقائے من! میں نے اپنی عمر اس بچے کو دے دی ہے اور اس بارے میں آپ سے سفارش کا طالب ہوں، جب حضرت شیخؒ نے یہ پیغام سنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ان کا مدعا پورا ہو گیا ہے اور اپنی طرف سے انہیں (شیخ احمد نخلیؒ کے والد کو) تین ماہ کی مہلت سفر آخرت کی تیاری کے لئے عطا کی۔ چنانچہ شیخ احمد نخلیؒ کے والد اسی مدت میں اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے اور شیخ احمد نخلیؒ نے نوے سال کی عمر پائی۔ شیخ عبدالرحمن کا مزید بیان ہے کہ تمام دنیاوی معاملات اور لین دین میں میں اپنے والد کا وکیل تھا۔ جب والد بزرگوار (شیخ احمد نخلیؒ) اپنی آخری عمر کو پہنچے اور ان پر ضعیفی غالب آگئی تو میں نے ایک روز ان کی خدمت میں قرض خواہوں کے مطالبات کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ آپ کی وفات کا حادثہ پیش

آگیا تو یہ تمام قرضے میرے ذمے پڑ جائیں گے اور میرے عزیز و اقارب میری وکالت کا اقتدار نہیں کریں گے، والد بزرگوار نے فرمایا اس خدشے کو اپنے دل میں ہرگز راہ نہ دو مجھے امید کامل ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مردوں گا جب تک کہ میرے ذمے تمام واجب الادا قرض ادا نہ ہو جائیں اور میرا خیال ہے کہ وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوگی جس میں مجھ پر کسی کا قرض باقی نہیں ہوگا۔ آپ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان تمام قرضوں کی ادائیگی جتنی رقم ایسی جگہ سے حاصل ہوگئی جہاں سے توقع بھی نہیں تھی اور آپ کے کہنے کے مطابق آپ کی اس دنیا کی وہ آخری رات آج ہی پہنچی جبکہ آپ کے ذمے کوئی واجب الادا قرض باقی نہیں تھا۔

شیخ احمد رضاؒ فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ، شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتی نے جب مجھے اس طریقے کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تا کہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نماز تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریق ہے اوراد و وظائف میں مشغول ہو جائیں اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردد تھا کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی اسی تردد کے عالم میں میں نے حضور ختم الرسل علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضہ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے دیکھا کہ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں میں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دست مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزار مقدس کے سرہانے صفِ اوّل کے متوازی بیٹھے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا ”یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے اس پر بیٹھ جاؤ“ میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقہ نقشبندیہ کی طرف ہے اور آپ نے اس طریقے کی اجازت عطا فرما دی ہے۔

شیخ عبد اللہ بن سالم البصری

آپ نے بہت ساری حدیث کی تالیفات کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار انجام دیا، مثلاً مسند امام احمدؒ جس کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ شاید روئے زمین پر اس کا کوئی مکمل نسخہ ملنا

محال ہو جائے۔ آپ نے مصر، عراق، شام اور اطراف و اکناف کے قدیم کتب خانوں سے اس کے متفرق اجزاء کمال احتیاط سے جمع کر کے ان تمام کو ایک ہی نسخے کی صورت میں ترتیب دیا اور اسے صحت کے ساتھ ایک اصلی نسخے کی صورت میں عام کر دیا۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی روشنی میں آپ نے کئی اصول وضع کئے اور نسخہ نبویہ اصل کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں اپنے قلم سے لکھا۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ”ضیاء الساری“ کے نام سے لکھنی شروع کی تھی جسے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب مکمل نہ کر سکے۔ آپ نے ساری زندگی سر بحث طریقوں سے روایت حدیث میں گزاری، الغرض آپ واقعتاً اس آخری دور کے حافظ الحدیث تھے۔ اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ صحت حدیث کے ضبط کے امت مرحومہ میں تین دور رائج رہے ہیں۔ پہلا دور صحابہ و تابعین کا ہے، جس میں احادیث کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور اچھی طرح یاد کر لینا ہی ان کے ہاں ضبط حدیث کہلاتا تھا، دوسرا دور تبع تابعین اور ساتویں آٹھویں طبقہ تک کے متفقہ میں محدثین کا ہے۔ یہ حضرات احادیث کو لکھ لیتے تھے ان کے نزدیک ضبط ان اصولوں پر مبنی تھا۔ صفائی تحریر، حرکات و سکنات اور نقاط میں احتیاط، ہیئت حروف کی حفاظت، احادیث کا اصول صحیحہ سے موازنہ اور کتاب کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا۔ تیسرا دور وہ ہے کہ جس میں حفاظ حدیث نے اسماء رجال اور مشکل و غریب الفاظ کے ضبط میں کتابیں تالیف کیں۔ مفصل شرحیں لکھیں اور پیچیدہ و مشکل مقامات حدیث کی تشریح میں رسائل لکھے۔ آج ضبط حدیث کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شخص ان تصانیف و شروح کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق روایت شروع کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب علمائے حدیث ان اصولوں میں تساہلی سے کام لینے لگے ہیں جن پر قدما سختی سے کار بند تھے، چونکہ متوسطین نے حفظ حدیث میں سستی برتی اور صرف عبارت پر ہی اکتفا کر لیا، جس کے نتیجے میں طبقات سابقہ کے برعکس ان میں و جادت (۱) اور اجازت مجرہ اور اس کی دوسری چیزیں رائج ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ ہو کہ ضبط حدیث کا یہ طریقہ شیخ عبداللہ کے ہاں بکمال موجود تھا جبکہ اس

(۱) کوئی شخص کسی محدث کی لکھی ہوئی تحریر یا کتاب حاصل کرے لیکن اس شخص نے ان روایات کو نہ اصل سے سنا نہ ہی اس کو روایت کی اجازت ہو، ایسی صورت میں راوی ثانی اگر ان احادیث کو روایت کرنا چاہے تو یوں کہے گا، او جدت بخط فلان، فلاں شخص کی تحریر سے میں نے ایسا پایا قرأت بخط فلان اسے وجادہ کہتے ہیں۔

سلسلے کی بقا کا سبب بھی انہی کی ذات بنی، حضرت شیخ عبداللہ بچپن ہی سے علم و علماء اور صلاح و تقویٰ کو دل و جان سے عزیز جانتے تھے، روزانہ قرآن مجید کے دس پارے تلاوت فرماتے مگر بڑھاپے میں حسب استطاعت تلاوت فرماتے۔ آپ کے وقت کا کوئی حصہ بھی درس و تدریس، تلاوت کلام پاک، نماز یا ضروری گفتگو سے خالی نہ ہوتا تھا۔ میں (شاہ ولی اللہ) نے سنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے فرزند شیخ سالم نے شریف مکہ کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی تو شیخ عبداللہ، شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکنار ان کے گھر کے نمک سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ نے حجرہ کعبہ اللہ میں دو بار صحیح بخاری ختم کی، پہلی بار مرمت کعبہ کے وقت اور دوسری دفعہ اس وقت جبکہ کعبہ مکرمہ کا دروازہ درست کیا جا رہا تھا اور مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جمع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کے سرہانے مسجد نبوی میں چھپن روز میں ختم کی۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الہی میں گزری۔ آخر عمر تک سمجھ بوجھ، حافظہ اور حواس درست رہے، البتہ قوت سماعت میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔ عمر کے آخری حصے میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے کتب صحاح ستہ پڑھیں اور اہل مکہ نے آپ سے سماع حدیث کیا، آپ ۴۴۲ھ میں واصلِ حجت ہوئے۔

شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنی

آپ ابتداء ہی سے علم اور علماء کی طرف راغب تھے، فرقہ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا، جنہوں نے آپ کیلئے بے شمار بزرگوں سے فرقہ و اجازت حاصل کی تھی، ان بزرگوں میں سے ایک شیخ محمد بن سلیمان مغربی تھے آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیبویہ وقت سید احمد اور لیس مغربی سے حاصل کی، شیخ ابو طاہر سید احمد اور لیس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۃ تبت تلاوت کی جب وہ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس پر برس پڑے اور فرمانے لگے میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور وہ سورت پڑھو جس میں ان کے چچا (ابولہب) کا نام (اہانت کے ساتھ) مذکور ہے۔ کیونکہ خدا جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ مقام نہیں! کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی باتیں سید الکونین صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں تاہم یہ ارباب تقویٰ و تحقیق کا مقام ہے مگر ہمارے لئے تو صحابہ و تابعین کا طرز عمل ہی کسوٹی ہے۔ وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت جعفر صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی مدح و منقبت کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن پر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

شیخ ابو طاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی مصری سے معقولات، روم کے مشہور زمانہ تبحر عالم منجم پاشی سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان کے بعد شیخ احمد نخعی اور شیخ عبداللہ بصری کی صحبت میں پہنچے اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور انہی سے مسند امام احمد دوامہ سے بھی کم عرصے میں سنی۔ ان کے علاوہ آپ نے وقفاً و قرائین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء و مشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ لاہوری تھے جن سے آپ نے ملا عبدالکیم سیالکوٹی (۱) کی کتابیں روایت کیں اور ان کا سلسلہ شیخ عبداللہ لیبب کے ذریعے خود مولانا تک پہنچا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی (۲) کی کتابیں بھی آپ نے اسی واسطے سے پڑھیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے ان کتابوں کی روایت کی اجازت لی تھی اور ان میں سے شیخ سعید کوکنی سے بھی آپ نے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔ الغرض

(۱) ملا عبدالکیم سیالکوٹی اپنے دور کے یگانہ روزگار فاضل ملا کمال الدین متوفی ۱۶۰۸ء کے شاگرد رشید ہیں، آپ علمی تبحر اور سلسلہ حدیث کی شہرت پوری اسلامی دنیا میں ہے۔ کچھ وقت اکبر آباد کے سرکاری مدرسے میں مدرس رہے۔ آپ کی تصانیف زیادہ تر درسی کتابوں کے حواشی و شروع سے متعلق ہیں۔ حواشی تفسیر بیضاوی، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ شرح حمصیہ، حاشیہ عبدالغفور اور حاشیہ خیالی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

خیالات خیالی بس عظیم است

رائے حل او عبدالکیم است

علمی دنیا میں مشہور اور مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شاہان مغلیہ آپ کے علمی مقام و رتبے کو ہمیشہ خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ ۱۶۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار سیالکوٹ میں شاہانِ روم پر ہے۔

(۲) سر خلیل صوفیاء، امام المحدثین، عاشق مصطفیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی عالم اسلام کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں کہ جنہوں نے ایک بار پھر دنیائے اسلام کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے مقام محمدی کی عظمتوں کی طرف بلایا اور اسے حب رسول کا جاں بخش پیغام دیا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علمی شغف اور بحث و تمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور و فکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے، جواب نہ دیتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پرہم ہو جاتیں، لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے۔ اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابوطاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جامعیت (جامعیت کبریٰ) کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تراخداد و موافقات سموئے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

ایک دن احوال صوفیا اور ان کی باہمی تردید و تنقید جو بعض دفعہ ان کے پیروکاروں میں بھی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

آپ ایک مشہور علمی و روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی ہی میں مکمل فرمائی۔ کچھ وقت فتح پور بکری میں جو دارالحکومت ہونے کی وجہ سے علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ ۱۵۷۷ء میں شیخ موسیٰ گیلانی (المعروف موسیٰ پاک شہیدؒ) سے بیعت کی۔ ۱۵۸۸ء میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں دو تین سالہ قیام کے دوران مشائخ حرمین کے علاوہ براہ راست بارگاہ رسالت سے فیوض حال کئے۔ ہندوستان کے تمام اکابر و اعیان کے ساتھ آپ کے تعلقات قائم رہے۔ ۱۵۹۹ء میں خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کر کے ان سے خلافت حاصل کی۔ آپ کے برادر طریقت شیخ مجدد الف ثانی کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ آپ نے حضرت مجددؒ کے بعض مشکوفاات کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ حضرت مجددؒ کے ساتھ آپ کے اختلاف خالص علمی اور احوال صوفیا کے اختلاف تھے جو آخر دم تک قائم رہے لیکن باہمی وقار اور احترام کی فضا میں اس سلسلے میں حضرت شیخ کے رجوع کا سارا قصہ محض عقیدہ تہندی کا فسانہ ہے۔ حضرت محدث کا سب سے بڑا کارنامہ مصائب و آلام میں گہری ہوئی امت مسلمہ کو محبت نبوی اور دامن رسالت پناہی سے وابستگی کی دعوت کی تجدید ہے۔ یہی وہ تریاق ہے جو مسلمان قوم کوئی زندگی بخش سکتا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے لمعات، شرح مشکوٰۃ، مدارج المنوۃ، جذب القلوب، اخبار الاخیار، ذوا المحسنین زندہ جاوید کتابیں ہیں۔ آپ نے ۱۶۳۶ء میں چورانوے برس کی عمر میں رحلت فرمائی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

چل پڑتی ہے پر گفتگو چھڑ گئی تو شیخ ابوطاہر نے فرمایا کہ میں صوفیا کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگرچہ میرے بعض اسلاف بعض صوفیا کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے مگر جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لئے تردید و تنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں، یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاذلی میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے اور یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی، اسی اثناء میں شیخ یحییٰ شاذلی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب انہیں کسی وجہ سے لحد سے باہر نکالا گیا تو اس طرح صحیح و سالم تھے جیسے آج سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلاف کے سبب طعن و تشنیع نہیں کرنی چاہئے، یہاں انھوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین بن عربی نے اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب وصیت فرمائی ہے یہ کہہ کر انھوں نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کانسوز نکالا اور اس میں سے باب الوصیت پڑھ کر سنایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لئے عداوت رکھتا تھا کہ وہ شیخ ابودین مغربی پر طعن و تشنیع کرتا تھا، جبکہ میں شیخ مغربی کی مقبولیت و بزرگی کا معترف تھا۔ ایک دن میں نے حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا کہ ”تمہیں فلاں شخص سے کیوں بغض ہے؟ میں نے عرض کی اس لئے کہ وہ ابودین سے عداوت رکھتا ہے جبکہ میں انھیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا رکھتا ہے۔ فرمایا گویا تمہیں ابودین سے اس کے بغض کی بنا پر تو عداوت ہے، لیکن میرے محبت ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ سے اس بغض کی توبہ کی۔ اس شخص کے گھر گیا، اسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ابودین کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کہ اس کی بنا پر ابودین سے عداوت رکھی جاتی، تو میں نے اسے حقیقت حال سمجھائی جس پر اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ کی اور ابودین کے بارے میں طعن و تشنیع سے رجوع کر لیا اور اس طرح سب کے دلوں میں الفتِ نبوی کی برکات جاری و ساری ہو گئیں اور اس پر اللہ کا شکر ہے جس روز میں (شاہ ولی اللہ) وطن واپس ہوتے وقت شیخ ابوطاہر کی خدمت میں الوداعی

سلام کے لئے حاضر ہوا۔ تو بے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا۔

نسبت کل طریق کنت اعرفہ

الا طریقاً یو دینی لربعکم

(میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گئے)

یہ شعر سننے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک

۱۱۳۵ھ میں رحلت فرمائے، غلہ بریں ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلمی حنفیؒ

آپ قاضی عبدالحسن کے فرزند اور مکہ مکرمہ کے مفتی تھے کئی مشائخ حدیث کی صحبتوں میں پہنچ کر ان سے علوم حاصل کئے اور ہر ایک سے اجازت بھی حاصل کی، آپ ابھی کم سن تھے کہ والد بزرگوار نے شیخ عیسیٰ مغربی سے آپ کے لئے اجازت حاصل کی۔ آپ فرماتے تھے کہ شیخ محمد بن سلیمان مغربی کے درس میں سنن نسائی کے ختم کے موقع پر حاضر ہوا، انھوں نے ختم کے بعد تمام حاضرین مجلس کو اجازت دی جن میں میں بھی شامل تھا، آپ نے علم حدیث کا اکثر حصہ شیخ عبد اللہ بن سالم بصریؒ کی خدمت میں مکمل کیا، فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری کتابیں میں نے بحث و تنقیح کے ساتھ ان سے پڑھیں، صحیحین (بخاری و مسلم) شیخ حسن نجفی سے پڑھیں اور جس قدر روایات ان کی نظر میں صحیح تھیں، ان کی اجازت بھی حاصل کی، اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک عرصے تک رہ کر ان سے فقہ میں مکمل استفادہ کیا، آپ نے شیخ احمد نخعیؒ سے بھی اجازت و روایت حاصل کی۔ شیخ احمد قطان بھی آپ کے مشائخ میں سے تھے جن کی صحبت میں سالہا سال رہ کر ان سے درس کا طریقہ سیکھا، شیخ تاج الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد قطانؒ کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ یعنی شیخ عبد اللہ مصریؒ اور شیخ احمد نخعیؒ وغیرہ اس پر مصر ہوئے کہ شیخ احمدؒ کی جگہ حرم کعبہ میں مصلیٰ ماکنی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دوں، جیسے کہ میرے شیخ کا معمول تھا مگر مجھے ایسے اکابر کی موجودگی میں یہ جرات نہیں پڑتی تھی اس لئے میں اس پر آمادہ نہ ہوا اس کے باوجود ان کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو میں نے حسن نجفیؒ جو ان دنوں طائف میں مقیم تھے، کی خدمت میں ساری صورت حال لکھی بھیجی، انھوں نے بھی مشائخ کا کہنا مان لینے کی تاکید کی آخر کار اس معاملے

میں ہر طرح استخارہ وغور و فکر کر کے میں اس فریضے کو انجام دینے کے لئے تیار ہو گیا اور مسند شیخ قطان پر بیٹھ کر بخاری کا درس اسی مقام سے شروع کیا جہاں شیخ نے چھوڑا تھا، ختم بخاری کی مجلس میں تمام علماء و مشائخ موجود تھے۔ آپ نے شیخ ابراہیم کردی سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی حدیث (۱) مسلسل بلاولیت بھی انہی سے حاصل کی۔

کاتب الحرمہ نے شیخ تاج الدین سے ایک عجیب و غریب حکایت سنی جو یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گا۔ اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ضعف و ناتوانی کے مارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت بھی نہ رہی، اسی حالت میں ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے کوئی آکر کہنے لگا کہ اس مریض کے شفا کے لئے مرغ پکا کر اس پر پورا قرآن مجید دم کیا جائے تاکہ بیمار اسے کھا کر شفا یاب ہو، جب میں بیدار ہوا تو خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا، اگلی رات میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ گویا امام محمد بخاری میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے دیگچہ چڑھا کر آگ جلائی اور اس میں صبح سے لے کر شام تک مرغ پکاتے رہے جب پک کر تیار ہو گیا تو میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہنے لگے میں نے اس کھانے پر سارا قرآن پڑھا ہے اسے کھاؤ اسے کھاتے ہی مجھے اس قدر افاقہ ہوا کہ اس قدر لطف و کرم سے مجھے جتنی مسرت و شادمانی حاصل ہوئی وہ مرض سے نجات پانے میں بھی نہ ملی۔ کاتب الحرمہ (شاہ ولی اللہ) شیخ تاج الدین کے درس میں جوان دنوں بخاری کے درس میں مشغول تھے دو تین روز لگاتار حاضر ہوا۔ اس دوران اسے صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے کچھ حصے مسند داری، امام محمد کی کتاب الاثر اور موطا سماعت کیں، حضرت شیخ نے ان تمام کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو عطا کیں جن میں فقیر بھی شامل تھا اور حدیث مسلسل کے سلسلے میں یہ میری پہلی حدیث تھی جو میں نے زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے بعد شیخ ابراہیم سے سماعت کی۔ ۱۱۳۴ھ۔

(۱) حدیث مسلسل سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی سند کی روایت کرنے والوں کی روایت کے وقت ایک مفت یا ایک حالت مسلسل قائم رہی ہو خواہ یہ حالت اور مفت سند کے الفاظ میں ہو یا راویوں کے حالات میں، اس کی کئی اقسام ہیں مثلاً مسلسل بسمعت، مسلسل باخذ اللحیہ، مسلسل فان قبل لفلان۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ الذی ہدانا للنعم قبل استحقاقہا
وخص من شاء بمعرفة الاسماء واذواقہا والصلوة والسلام علی سیدنا محمد
المتحلّی ببیجان الکرامات واطواقہا المکرم بصوف العطیات واطباقہا وعلی
آلہ واصحابہ الذین بہم قیام الملة ورواج اسواقہا، اما بعد

فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم (خدا سے اور اس کے والدین کو بخشے اور اسے اور اس کے والدین
کو احسان سے نوازے، رقمطراز ہے کہ یہ چند کلمات میں نے اپنے حالات زندگی کے بارے میں
”الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف“ کے نام سے تحریر کئے ہیں۔ میری ولادت بروز بدھ ۴
شوال ۱۱۱۳ھ بوقت طلوع شمس ہوئی۔ بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ کہا کہ میری
پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجہ میں تھا۔ زہرہ آٹھویں، عطارد
ایکسویں، زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرہویں درجے میں تھے اور وہ سال علوین کے قرآن کا
سال تھا۔ یہ قرآن درجہ اذل میں تھا اور مرتخ اس سے دوسرے درجے میں تھا اور اس سلطان
تھا، واللہ اعلم بالصواب

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش ”عظیم الدین“ سے نکالی ہے (۱)، میرے والدین
قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور کئی دیگر صلحاء کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد
بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات
کے ساتھ اپنے رسالے ”قول جلی“ میں بیان کی ہیں، اللہ اسے اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور
اسے اور اس کے اسلاف و اخلاف کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اس کے دینی و دنیوی
مقاصد پورے فرمائے پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ والد بزرگوار نے

(۱) عظیم الدین سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ھ نکلتی ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت ماہ شوال ۱۱۱۳ھ میں ہوئی
جبکہ نئے سال یعنی ۱۱۱۵ھ کے شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے اسی لئے شاید تاریخ نکالنے والوں نے
یہ دو ماہ شمار نہیں کئے۔

مجھے نماز کے لئے کھڑا کر دیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، ختنہ بھی اسی سال ہوا، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اسی سال ختم کر کے عربی فارسی کتابیں شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا، اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی، چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہو گئی۔ والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی جلدی تھی۔ جب میرے سسرال والوں نے سامان شادی وغیرہ کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انہیں لکھ بھیجا کہ اس عجلت میں بھی ایک راز ہے اور یہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے بعد میری ساس، میری اہلیہ کے نانا، شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے خلف الرشید شیخ فخر العالم، میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ الغرض اس طرح خاندان کے بہت سارے بزرگ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیا خصوصاً مشائخ نقشبند کے اشغال میں مصروف ہو گیا اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آداب طریقت کی تعلیم اور فرقہ صوفیا حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا، اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور درس کی اجازت عطا فرمائی۔ خلاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علوم متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں حاصل کر لی۔ میں نے تمام علوم کی کتابیں ذیل کی ترتیب کے مطابق پڑھیں۔ علم حدیث میں کتاب البیوع سے کتاب الاداب تک کا حصہ چھوڑ کر باقی مکمل مشکوٰۃ صحیح بخاری کتاب الطہارۃ تک، شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل (والد بزرگوار سے ان کتابوں کی قرأت بعض ہم درس ساتھیوں نے کی) تفسیر بیضاوی و مدارک کے کچھ حصے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآن عظیم کے معانی، شان نزول اور کتب تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلام قدسی میں تدبر حاصل کرنے کا موقع ملا جو میرے لئے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا اکثر حصہ، اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ منطق میں شرح شمس مکمل اور شرح مطالع

کا کچھ حصہ۔ کلام میں شرح عقائد مکمل اور خیالی و شرح مواقف کے کچھ حصے، سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ۔ حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات اور نقد المصنوع، خواص اسماء و آیات میں والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی انھوں نے چند بار اجازت دی، طب میں موجز القانون، حکمت میں شرح ہدایہ الحکمت وغیرہ، نحو میں کافیہ اور اس پر شرح لما، معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندو حساب میں بعض مختصر رسائل۔

اس حصول علم کے دوران ہر فن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جو مزید غور و فکر سے کئی اور راہیں سمجھا دیتے، میں اپنی عمر کے سترہویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور اسی علالت میں رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔ اور یہ جملہ کہ یدہ کبیدی اس (شاہ ولی اللہ) کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے) دوبارہ ارشاد فرمایا میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے اور اسی عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی بات کو اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی۔ میں نے کسی ایسے والد، استاذ یا مرشد کو نہیں دیکھا کہ جو اپنے فرزند، شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار مجھ سے پیش آتے تھے (اے اللہ مجھے اور میرے والدین کو بخش دے، اور ان پر رحم فرما جیسے کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی ہر شفقت، رحمت کا انھیں ہزاروں ہزار گنا اجر عطا فرما بے شک تو قریب اور وعادوں کا قبول کرنے والا ہے) والد بزرگوار کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ برس تک میں دینی اور عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہا اور ہر علم میں خاصا درک حاصل ہوا۔ جب میں والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل توحید حل ہو جاتے۔ جذب کا راستہ کھل جاتا سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا اور وجدانی علوم کا ذہن میں ہجوم لگ جاتا، مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، کے مطالعے کے بعد مجھے نور بصیرت سے معلوم ہوا کہ فقہائے محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے۔ اس بارہ سال کے عرصے کے بعد میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا ملایا، ۱۱۴۳ھ کے اواخر

میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا اور ۱۱۳۳ھ میں مجاورت مکہ مکرمہ، زیارت مدینہ منورہ شیخ ابوطاہر قدس سرہ اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ و اتم التحیات کے روضہ اقدس کو مرکز توجہ بنا کر فیوض حاصل کئے، علمائے حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابوطاہرؒ سے خرقہ جامعہ حاصل کیا جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے، اسی سال کے آخر میں فریضہ حج ادا کیا، ۱۱۳۵ھ میں عازم وطن ہوا اور اسی سال بروز جمعہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۳۵ھ میں وطن پہنچ گیا۔ واما بنعمۃ ربک فحدث (اور اپنے رب کا شکر ادا کرو) اور خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے ”خلعت فاتحیہ“ سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا۔ اور مجھے اس طرف رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں، اسی طرح اسرار حدیث، مصالح احکام، تزیینات اور کچھ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے۔ ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ و قیہ بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزالدین بن عبد السلام کی کتاب ”قواعد کبریٰ“ دیکھنی چاہئے جس میں انھوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عشر عشر تک نہیں پہنچ پائے اور طریقہ سلوک جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے۔ اور مجھے الہام کیا گیا، جسے میں نے اپنے دور سالوں ”لغات“ اور ”الطاف قدس“ میں قلم بند کر دیا ہے میں نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انہیں معقولیوں کے شکوک و شبہات سے پاک کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی اور مجھے کمالات اربعہ یعنی ”ابداع“، خلق تدبیر اور تدبیر جو اس دنیا کے طول و عرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور ان کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گردیک نہیں پہنچا اور حکمت عملی جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے اس کے

ساتھ مجھے کتاب و سنت اور آمار صحابہ کے ذریعے اس حکمت عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کئے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنت ہے یا ہر فرقے نے جو نئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے۔ اگر میرا ہر بن موزبان بن جائے تو بھی میں کما حقہ اس کا شکر نہیں بجالا سکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔

البلاغ المبین فی احکام رب العالمین

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا محمد علی مظفریؒ

تحقیق و تعلق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۵۴	قبر پرستوں کی عادات	۱
”	آیت من یشرب باللہ کی تفسیر	۲
۳۵۵	اشراک باللہ	۳
”	خو من السماء	۴
۳۵۶	خطف الطیر	۵
”	مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں	۶
۳۵۷	حقیقت ظلم	۷
”	قصہ ہانیل وقائیل	۸
”	بت پرستی کی ابتدا	۹
۳۵۹	صحت کا معیار	۱۰
۳۶۰	اندھی محبت کا فتنہ	۱۱
”	اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو رب بنالینے کی تشریح	۱۲
۳۶۱	بنی اسرائیل پر کیوں لعنت ہوئی	۱۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۶۳	آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۱۴-
..	پہلا واقعہ	۱۵-
..	دوسرا اہم واقعہ	۱۶-
۳۶۵	تیسرا واقعہ	۱۷-
..	منقوشہ پتھر بالکل جھوٹے ہیں	۱۸-
۳۶۶	نصب کی تشریح (مفسرین کرام کی شرح میں لکھتے ہیں)	۱۹-
۳۶۷	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ضرا کو گرا دیا	۲۰-
۳۶۸	قبر سے چراغ اور قدیل کا اٹھا دینا	۲۱-
..	ایسی نذر معصیت ہے	۲۲-
..	چوتھا واقعہ	۲۳-
۳۷۱	عصائے موسیٰ علیہ السلام	۲۴-
..	بدعتیوں کا اپنے پیروں کو شہرت دینے کا طریقہ	۲۵-
..	تنبیہ	۲۶-
۳۷۲	مقام ابراہیم علیہ السلام	۲۷-
۳۷۳	شیاطین کا ڈھنگ	۲۸-
۳۷۵	جھوٹی حدیثیں	۲۹-
..	ایک بڑی غلط فہمی	۳۰-
۳۷۶	حدیث ابی الہیاج الاسدی	۳۱-
۳۷۷	شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا اس حدیث کے متعلق خیال	۳۲-
۳۷۸	اسلام اور قبر پرستی	۳۳-
۳۷۹	قبر پرستوں کا غلو	۳۴-
..	عملی غلو	۳۵-

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۸۰	چیلنج	۳۶
۳۸۲	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ	۳۷
۳۸۲	حدیث لا تجعلوا قبری عبداً	۳۸
۳۸۳	معجزات و کرامات	۳۹
۳۸۳	جماعت محبوبہ	۴۰
۳۸۳	جماعت حیدر پرست	۴۱
۳۸۳	دعا عبادت کا نام ہے	۴۲
۳۸۶	انبیاء و اولیاء سے مدد چاہنا ان کی عبادت کے مترادف ہے	۴۳
۳۸۶	شرک شفاعت کے منافی ہے	۴۴
۳۸۷	زیارت قبور سے مقصود کیا ہونا چاہئے؟	۴۵
۳۸۸	زیارت قبور کا مسنون طریقہ	۴۶
۳۸۸	پہلی حدیث	۴۷
۳۸۹	دوسری حدیث	۴۸
۳۸۹	تیسری حدیث	۴۹
۳۹۰	ان تینوں حدیثوں کا مفہوم	۵۰
۳۹۰	بچنے کا طریق	۵۱
۳۹۰	اختلاف فتنہ ہے جس نے قوموں کو ہلاک کر دیا	۵۲
۳۹۲	حدیث اہل بیت	۵۳
۳۹۳	مقبولیت ہمارا گاہ الہی کی علامت	۵۴
۳۹۵	عقائد میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مطابقت ضروری ہے	۵۵
۳۹۵	معیار صحت	۵۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۷۔	اسوۃ ابراہیم علیہ السلام	۳۹۶
۵۸۔	اسوۃ حضرت اسحاق علیہ السلام	۳۹۶
۵۹۔	اسوۃ یعقوب علیہ السلام	۳۹۷
۶۰۔	اسوۃ یوسف علیہ السلام	۳۹۸
۶۱۔	صاحبی الجہن کی تفسیر صوفیا کے نزدیک	//
۶۲۔	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ	۳۹۹
۶۳۔	ایک اعتراض اور اس کا جواب	//
۶۴۔	واقعہ معراج	//
۶۵۔	دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	//
۶۶۔	ایک اور اعتراض	۴۰۰
۶۶۔	باب تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اسوۃ صدیقی رضی اللہ عنہ	۴۰۱
۶۸۔	واقعہ رحلت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	//
۶۹۔	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تقریر	//
۷۰۔	اسوۃ فاروقی رضی اللہ عنہ	۴۰۲
۷۱۔	اسوۃ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۱	۴۰۳
۷۲۔	اسوۃ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۲	//
۷۳۔	اسوۃ فاروقی رضی اللہ عنہ	۴۰۵
۷۴۔	خیر الناس کا قصہ	۴۰۶
۷۵۔	شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ	۴۰۸
۷۶۔	شہاب الدین عرسہ وردی رحمۃ اللہ علیہ	//
۷۷۔	اسوۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	//

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۰۹	علم کی فضیلت	۷۸۔
۴۱۲	غلو فی الدین	۷۹۔
۴۱۳	الصوفی لاندہ بے لہ	۸۰۔
۴۱۴	حضرت شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ	۸۱۔
۴۱۵	بت پرستوں اور قبر پرستوں میں مشابہت	۸۲۔
۴۱۷	بیرونی شہادت	۸۳۔
۴۱۷	ایک عابد کا واقعہ	۸۴۔
۴۱۸	علامہ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کا خیال	۸۵۔
۴۲۲	حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ	۸۶۔
۴۲۳	قصہ تلاوت سورۃ النجم	۸۷۔
۴۲۶	شیخ عبدالوہاب مندوی اور شیخ عبدالحق دہلوی کے واقعات	۸۸۔
۴۲۷	زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۸۹۔
۴۲۸	زیارت نبوی کے متعلق تین خیال	۹۰۔
۴۲۸	ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۹۱۔
۴۲۸	ایک عجیب واقعہ	۹۲۔
۴۲۹	ہمزاد کی موت کہیں مذکور نہیں	۹۳۔
۴۲۹	ایک مغالطہ	۹۴۔
۴۳۱	تفسیر سورۃ الناس	۹۵۔
۴۳۳	رب، ملک اور اللہ کی تشریح	۹۶۔
۴۳۳	درجہ ثانی الشیخ کا مطلب	۹۷۔
۴۳۳	ہر بستی کے لئے حاجت رواجا ہے	۹۸۔

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۴۳	قبر پرستوں کی پگمیں	۹۹-
۴۴۴	محکمات اور تشابہات	۱۰۰-
۴۴۵	ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۱۰۱-
۴۴۶	تنبیہ	۱۰۲-
۴۴۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد	۱۰۳-
۴۴۸	طریقہ اہل سنت	۱۰۴-
۴۴۹	وخاصہ شریکیہ	۱۰۵-
۴۵۰	شرکیہ و خاصہ شریکیہ کے چند نمونے	۱۰۶-
۴۵۱	ایسے وظیفے پڑھنے کی ممانعت	۱۰۷-
۴۵۲	ایک عجیب خط	۱۰۸-
۴۵۳	حقیقت، شریعت کے مخالف نہیں	۱۰۹-
۴۵۴	ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ کا قول	۱۱۰-
۴۵۵	حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۱۱۱-
۴۵۶	حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۱۱۲-
۴۵۷	شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۱۱۳-
۴۵۸	ابو حفص کبیر حداد رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۱۱۴-
۴۵۹	ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۱۱۵-
۴۶۰	حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا قول	۱۱۶-
۴۶۱	مشائخ کا حزم و احتیاط	۱۱۷-
۴۶۲	عقائد میں حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے موافقت ضروری ہے	۱۱۸-
۴۶۳	تنبیہ	۱۱۹-

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۵۱	فاسق و فاجر سے میل جول کا انجام عذاب الہی ہے	۱۲۰
//	مسلم کی ایک روایت	۱۲۱
۳۵۲	مکالمہ	۱۲۲
۳۵۷	قبلہ توجہ کی دلیل	۱۲۳
۳۶۰	دوسری دلیل	۱۲۴
//	اس کا جواب	۱۲۵
//	ایک وضعی حدیث	۱۲۶
۳۶۱	اس کی تشریح	۱۲۷
۳۶۳	ایک اور حدیث	۱۲۸
۳۶۴	اصل فقیر کیا ہے	۱۲۹
۳۶۵	کما ینس الکفار من اصحاب القبور کی تفسیر	۱۳۰
۳۶۶	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر	۱۳۱
۳۶۷	تفسیر ابن جریر	۱۳۲
//	تفسیر مدارک	۱۳۳
//	تفسیر معالم الشریعہ	۱۳۴
۳۶۸	مسئلہ توسل	۱۳۵
//	آیت کے معنی	۱۳۶
۳۶۹	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا خواب	۱۳۷
//	حب پیغمبر علیہ السلام بھی وسیلہ ہے	۱۳۸
//	عجده تعظیسی	۱۳۹
۳۷۱	ایک سوال اور اس کا جواب	۱۴۰

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۷۳	وسیلہ کی بحث	۱۴۱۔
”	ناہینا والی حدیث	۱۴۲۔
۴۷۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسوہ	۱۴۳۔
۴۷۶	خیالی اضطراب	۱۴۴۔
”	فقیح طریقے	۱۴۵۔
۴۷۷	شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۶۔
”	ایک حدیث	۱۴۷۔
۴۷۸	قرب الہی کا وسیلہ صرف دو چیزیں ہیں	۱۴۸۔
”	نتیجہ بحث	۱۴۹۔
۴۷۹	تین مسافروں کا قصہ	۱۵۰۔
”	نتیجہ	۱۵۱۔
۴۸۰	پیروں کے ساتھ محبت کرنے کا معیار	۱۵۲۔
”	شفاعت کن لوگوں کے لئے	۱۵۳۔
۴۸۱	عمل مطابق سنت ہی قرب کا وسیلہ ہے	۱۵۴۔
۴۸۲	عمل صالح کی تعریف اور وسیلہ نجات	۱۵۵۔
”	شرک فی العبادات کا مفہوم	۱۵۶۔
”	عدم خلوص قرب کا وسیلہ نہیں	۱۵۷۔
۴۸۳	خاتمہ سخن	۱۵۸۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ يَا مَنْ أَنْزَلْتَ الْكِتَابَ الَّذِي لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا نَبِيًّا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ وَمِمَّا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِهِ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ نَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَا تَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاكَ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ وَأَنْ مُحَمَّدًا خَاتِمَ الْأَنْبِيَاءِ مُقْتَدَى الْأَوْلِيَاءِ عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ.

اما بعد! اس رسالہ کا نام البلاغ المبین (۱) ہے۔ اس میں آیات کلام الہی احادیث صحیحہ رسول علیہ السلام، آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اخبار اولیاء عظام کو اس امید پر درج کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر رحمت نازل فرمائے اور اس فتنہ کو دور فرمائے جو ہندو مشرکوں کے ساتھ میل جول سے ہم میں صرف پیدا ہی نہیں ہو گیا بلکہ پھیل بھی گیا ہے اور جس کی وجہ سے مسلمان:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (۱۰۶:۱۲)

اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔

لِيُحِقَّ الْحَقُّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ

تا کہ حق کو حق کر کے دکھا دے اور باطل کو باطل کر کے اگرچہ ظلم و فساد کے مجرم ایسا ہونا پسند نہ کریں۔ (الانفال: ۸:۸) کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔

یہ خدائے کریم کا وعدہ ہے، یہ گمراہ کن فتنہ ایک سیاہی ہے جس نے ان کے میزھے دلوں کو اندھا کر رکھا ہے اور نور خداوندی کے نہ ملنے کی وجہ سے توحید پرست ملت بیضا کو گمراہی کے گڑھے میں سر کے بل ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطُّيُورُ أَوْ تَهْوِي بِهِ

(۱) نہ صرف مطبوعہ نسخوں میں بلکہ مختلف مخطوطات میں بھی اسی نام سے یہ کتاب موسوم ہے۔ (قاسمی)

الرَّيْخُ فِي مَكَانٍ سَجِينٍ (۳۱:۲۲)

(جو شخص کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے (اس کی مثال ایسی ہے) کہ گویا وہ بلندی سے گر پڑا اب یا تو اسے پرندے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اس کو کسی ددر جگہ پھینک دیتی ہے۔ یعنی آواز حق سننے کے مقام سے بہت دور ہو جاتا ہے)

قبر پرستوں کی عادت

یاد رکھنا چاہئے کہ وہ فتنہ (جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے) قبر پرستی کی بیماری ہے، اور قبر پرستوں کو پیر پرست پر بھی کہتے ہیں، یہ لوگ قبر پرستی جیسے قبیح فعل کو فرض عبادت اور مسنون وظائف سے بہتر و افضل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قبر پرستی تو ہر قسم کی عبادت کا بدل ہو سکتی ہے لیکن یہ دوسری کسی عبادت کو قبر پرستی کا بدل نہیں سمجھتے، جس دن کسی بزرگ کا عرس مناتے ہیں اس کی قبر پر بکثرت اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اسی دن عرس میں شامل ہونا فرض عبادت کی بجائے آوری اور علوم دین کی تحصیل سے زیادہ ضروری یقین کرتے ہیں اور اس کا بدترین نتیجہ یہ ہے کہ ہر دنیاوی مشکل کے لئے ان قبروں کی طرف دوڑتے ہیں۔

جس طرح عاجزی، انکساری، خشوع اور خضوع کا اظہار قبروں کے سامنے کرتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی حاضر دنیا نظر خدا کے سامنے مسجدوں کے اندر اپنی نمازوں میں نہیں کرتے، یہ لوگ قبر کے پاس صاحب قبر کا نام لے لے کر پکارتے اور دعا کرتے ہیں، ان سے اولاد اور رزق مانگتے ہیں، باادب متوجہ ہو کر قبر کے پاس اعکاف میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ان قبروں پر قیمتی غلاف اور لباس چڑھاتے ہیں اور ان پر خوشبوئیں ملتے ہیں، چراغوں، شمعوں اور قبروں کی سجاوٹ کے دیگر سامانوں کو ثواب سمجھ کر وہاں خرچ کرتے ہیں اور اس فضول خرچی اور اسراف سے صاحب قبر کی روح کو خوشی اور اس کا قرب تلاش کرتے ہیں، یہ اور قسم کے بے شمار افعال قبروں پر جا کر کرتے ہیں جو کہ تمام کے تمام شرکان بنو دینے والے ہیں۔

آیت مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ کی تفسیر

جب یہ بدترین فتنہ (قبر پرستی) معلوم ہو گیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ آیت کریمہ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ جس کا ترجمہ اوپر ہو چکا ہے۔ انہی چار باتوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۱) اِشْرَاکٌ بِاللّٰهِ (۲) خَوْ مِنْ السَّمَاءِ (۳) حَظْفُ الطَّيْرِ (۴) اِلْقَاءُ الرِّيحِ
فِي مَكَانٍ سَجِنِي

اشراک باللہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا یہ ہے کہ ان تمام صفات کو جو ذات باری کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً زندہ کرنا، مار ڈالنا، اولاد بخشنا، روزی دینا اور پوشیدہ امور سے واقف ہونا وغیرہ وغیرہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرنا اور اعتقاد رکھنا کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ ورنہ ایسا کوئی شخص نہیں جو یہ کہے کہ خدائے تعالیٰ کا شریک کوئی اور خدا بھی ہے۔

خَوْ مِنْ السَّمَاءِ

اور اس کا آسمان سے گر پڑنا یہ ہے کہ دین توحید آسمان کی طرف ایک بلند مقام ہے جہاں پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی روشنی آفتاب عالم تاب کی طرح مومنوں کے دلوں کو منور کرتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار روشن ستاروں کی طرح فرزندان اسلام کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَصْحَابِي كَالنَّجُومِ بَابِهِمْ اِفْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ ۱

(۱) یہ حدیث کئی صحابہ کرام سے مروی ہے، یہ الفاظ حضرت جابرؓ کے ہیں جسے ابن عبد البرؒ نے (جامع بیان العلم ۹۱/۲) میں اور ابن حزمؒ نے (الاحكام ۸۳/۶) میں اپنی سندوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ محمد وفوں نے اسے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، البتہ شعرانی نے اپنی کتاب (المیزان ۱/۲۸) میں کہا ہے: اس حدیث میں اگرچہ محدثین کے نزدیک کلام ہے مگر اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

یہ حدیث ترمذیؒ سے فرق کے ساتھ ابن عباسؓ (الکفایہ للخطیب ص: ۳۸) عربین خطابؓ (الکفایہ ص: ۴۸) ابن عمر (المنتخب لعبد بن حمید ۸۳ ص: ۲۵۰) اور ابوہریرہؓ (مسند الشہاب للقضاعی ۲/۱۳۳۶) نے روایت کی ہے مگر سب کے سب موضوع ہیں۔ مزید ملاحظہ ہوں، مختصر المنہاج للبیہقی (۵۵) و جامع البیان العلم (۱۰۴/۲) والکامل بن عدی ترجمہ حمزۃ الجوزی والمعبر کلزور کشی (ص: ۸۱: ۸۵) و ابطال القیاس ابن حزم (ص: ۵۳) و میزان الاعتدال (۵: ۶/۱) پیرو ابو الیث الخیر آبادی۔

اس حدیث سے کچھ قرب کا مفہوم مسلم کی روایت کردہ ابو موسیٰ اشعرئیؓ کی روایت میں ہے جس میں آپؐ نے فرمایا آسمان کے ستارے جب تک قائم ہیں یہ آسمان قائم ہے۔ جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان سے اللہ کا وعدہ سامنے آئے گا، میں اپنے صحابہ کے لئے باعث امان ہوں۔ جب میں نہ رہوں گا تو صحابہ سے کیا وعدہ سامنے آئے

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم روشن ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

پس جس نے دین توحید کو چھوڑ دیا وہ گویا آسمان جیسے بلند مقام سے گر پڑا کا نما حرف تشبیہ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کیلئے لایا گیا ہے جس سے اس کی خوبی اور لطافت ظاہر ہوتی ہے۔

خطف الطیر

خطف الطیر یعنی جانوروں کا اچک لے جانا یہ ہے کہ یہ شیاطین مشرکین کو لے جانے کے لئے فضا آسمانی میں تیرتے رہتے ہیں اور جس طرح چیل اور کوئے چوٹی اور نڈی دل کا شکار کرتے ہیں اسی طرح یہ مشرکین کو اپنا شکار بناتے ہیں۔

مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں

لیکن یہاں ایک اور بات قابل غور ہے، وہ یہ ہے کہ مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن پر دنیا میں مرتع اور صاف شرک کا حکم لگا سکتے ہیں اور دوسرے وہ جب قیامت کے روز مشرکین کے زمرہ میں شمار ہوں گے، تو خطف الطیر کی تمثیل میں پہلی قسم کے مشرکین کا ذکر ہے۔ جو شیاطین کے قبضہ میں پورے پورے آچکے ہیں اور تھوہی بہ الريح میں دوسری قسم کے مشرکین کا ذکر ہے اور وہ ہوا انسانیت کی ہوا ہے کہ اکثر منافقوں کی ہلاکت و موت کا موجب ہو جاتی ہے اور دوسری جگہ اہل نفاق کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الذَّرِكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۱۳۴:۴)

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے۔

پس اس امر پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ریح سے مراد نفس پرستی کی ہوا ہی ہے تو پھر مکان حقین سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ جہاں خواہشات نفسانی کی ہوا لے جا کر خنق دیتی ہے جہاں سے انسان باہر نہیں آ سکتا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مکان حقین سے مراد مقام تہلید ہے جہاں پہنچ کر کہا جاتا ہے۔

گا۔ اور میرے صحابہ امت کے لئے جائے امان ہیں جب وہ چلے جائیں گے تو امت سے کیا گیا وعدہ سامنے آئے گا۔ اور میرے صحابہ امت کے لئے جائے امان ہیں جب وہ چلے جائیں گے تو امت سے کیا گیا وعدہ سامنے آئے گا۔ (صحیح مسلم فضائل صحابہ اور مسند احمد ۲/۲۷۵:۳۸۳) میں یہ حدیث بروایت عمر بن خطابؓ بالغالب مروی ہے۔ بحوالہ مشکوٰۃ باب المناقب الصحابہ

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (۲۲:۵۳)
ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہی کے پیچھے چلے
جارہے ہیں۔

حقیقت ظلم

جب معنوم ہو گیا کہ شرک وہ بلائے بد (ظلم عظیم) ہے جس کا پھل ہمیشہ کھلی ہلاکت و تباہی
ہوتا ہے تو کھلی بدعات و محدثات سے جو شرک کا مقدمہ اور شجر ہیں، پوری پوری قوت اور انتہائی
ہمت کے ساتھ پرہیز اور علیحدگی اختیار کرنی چاہئے کیونکہ ظلم کی بنیاد گواہ ابتدا میں تھوڑی تھی لیکن آنے
والی نسلیں اس پر ہمیشہ اضافہ کرتی ہیں۔

قصہ ہانبل و قاتیل

آدم علیہ السلام کی جس قدر اولاد پیدا ہوتی تھی تمام کی تمام احکام الہی کی فرمانبرداری اور آپ
کی پیروی تھی۔ سب سے پہلا فساد جو عالم انسانیت میں ہوا اس کا سبب حرام کی طرف رجحان و میلان
تھا کہ قاتیل نے خلاف دستور اپنی جڑواں بہن کو اپنے نکاح میں لینا چاہا اور رب العالمین کی
نافرمانی کا داغ اپنی پیشانی پر لگایا۔ جب بدکاری اور ہوائے نفس کا جذبہ اس کے دل پر غالب آ گیا
تو گناہوں کے ارتکاب کی خاطر اس نے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ
نے فرشتوں کو یہ حکم فرمایا کہ جب کبھی دنیا میں قتل ناحق کا ارتکاب ہوگا۔ اس کے مطابق قاتل کا جرم
اور بوجہ قاتیل کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

بت پرستی کی ابتدا

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے معا بعد آپ کے فرزند نامدار حضرت شیث علیہ السلام
باپ کی وصیت کے مطابق قائم مقام بنے اور اللہ تعالیٰ کی وحی سے نبی ہوئے۔ جب ان کا بھی
انتقال ہوا تو بقول بعض اسی وقت تصویر پرستی کی بنیاد پڑ گئی اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان کے
بعد ان کی اولاد میں رشد و ہدایت کا منصب باقی تھا، یہاں تک کہ حضرت ادریس علیہ السلام جو
حضرت شیث علیہ السلام کے مکرم پوتوں میں سے تھے۔ حضرت شیث علیہ السلام کے زمانہ نبوت
کے بعد طلعت نبوت سے مشرف ہوئے اور آپ کو کئی قسم کے علوم عطا ہوئے حتیٰ کہ علم نجوم بھی آپ

ہی کی ذات سے شروع ہوا اور جب آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے آسمان کے راستہ سے جنت میں داخل فرمایا تو آپ کی قوم کے دل میں آپ کی زیارت کا بے حد شوق پیدا ہوا، حتیٰ کہ آپ کی جدائی کے صدمہ سے بعض لوگ حیران و پریشان ہو گئے اسی اثنا میں شیطان لعین جو انسان کا کھلا دشمن ہے، آپ کی اولاد یا بعض احباب اور معتقدین کے پاس انسانی شکل میں حاضر ہوا اور کہا:

میں نے حضرت ادریس علیہ السلام کی روشن و مبارک شکل کو خواب میں دیکھا ہے اور مصوری کی صنعت میں بھی کمال کو پہنچا ہوا ہوں۔ اگر اشارہ ہو تو آنحضورؐ کی تصویر بنادوں تاکہ اس تصویر کو ان کے خلوت کے کمرہ میں بحفاظت رکھو اور ایک عدد یکساں طول و عرض والا آئینہ اس پر لگا دیا جائے اور لوگوں میں منادی کر دی جائے کہ وہ اس جگہ حضرت کی زیارت کے لئے آئیں۔ پس وہاں لوگ آتے تھے اور نذر و نیاز لاتے تھے اور اس تصویر کی شکل کو دیکھ کر وہ شوق کا اظہار کرتے تھے، وہ لوگ جو راہِ راست پر ہدایت خداوندی سے بہرہ ور تھے ان ناجائز باتوں سے روکتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کے دین کی سیدھی راہ پر ڈٹے رہے لیکن مشیت ایزدی کا اقتضایہ ہے کہ اس دنیا میں خیر کے ساتھ شر کا وجود بھی قائم رہے، اس لئے نیکو کاروں کی مزاحمت نے بدکاروں کے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ پس ہوتے ہوتے اس قوم میں بت پرستی اور قبر پرستی ظاہر ہونے لگی، چنانچہ صالح لوگوں کی وفات کے بعد عوام ان تصویروں کی پرستش کرتے تھے اور ان بتوں کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھتے تھے اور بتوں کی تعظیم و تکریم کو بزرگوں کی تعظیم و تکریم شمار کرتے تھے۔

سورہ نوح میں ہے: لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَسْأَلُوهُنَّ لِيُغْفِرَنَّ لَكُمْ وَيُغْفِرَ لَكُمْ
(النوح ۲۳)

(اپنے معبودوں کو بالخصوص وہ، سواع، یغوث و یعوق اور نسر کو مت چھوڑ دو)

اس آیت کی شرح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر بزرگان سلف فرماتے ہیں کہ وہ، سواع وغیرہ نیک لوگوں کے نام ہیں جو قوم نوح میں ہو گزرے ہیں۔ جب ان بزرگوں میں سے کوئی مرجاتا تو لوگ ان کی قبروں پر اعتکاف کرتے اور ان سے حاجتیں طلب کرتے۔ آہستہ آہستہ ان کے معتقدوں نے ان کے مجسمے اور بت بنائے اور پرستش شروع کر دی۔

(۱) تخریج ابن عباس۔ ویکس، بغوی کی معالم التنزیل (۵/۳۰۹ اور الدر المنثور (۸/۳۹۲-۲۹۵)

چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ نوح میں ان بتوں کے متعلق فرماتا ہے:

قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا
خَسَارًا وَمَكْرُوهًا مَكْرُوهًا كَبَارًا وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا
وَلَا سَوَاعِذًا لَا يَخْفَىٰ وَيَعُوقُ وَيَنْسَرُ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ
الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا (النوح: ۲۱-۲۳)

حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے رب! انھوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی
بیروی کی جس کے لئے اس کے مال اور اولاد نے نقصان ہی بڑھایا۔ اور انھوں نے
بڑے بھاری حیلے کئے اور کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور وڈ کو نہ چھوڑو اور نہ سواع کو
اور نہ یعوق اور یعوق اور نسر کو، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور تو ظالموں کی
ہلاکت ہی بڑھائی۔

غرض جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ قبر پرستی، تصویر پرستی اور قبور و تصاویر کی حد سے زیادہ تعظیم
کرنا شرک کی بنیاد ہے تو ان سب بے اصل گمراہیوں، بدعتوں اور پرستشوں سے بے حد بچنا چاہئے
اور ان باتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں کرنی چاہئے جو قبر پرستی کی اشاعت کے لئے بمنزلہ تمہید کے
ہوتی ہیں اور نہ ہی بزرگوں کے متعلق خواہیں اور مکاشفات جو عوام میں ہندی قبر پرستوں کی طرف
سے پھیلائی جاتی ہیں۔ یہ سب خدائے ذوالجلال کے کلام کے صریح مخالف ہوتی ہیں۔

صحت کا معیار

یاد رہے کہ امور دینیہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے ۱۔ واضح احکام جو کہ قرآن (کلام خدا)
ہیں (۲) احادیث صحیحہ جو کہ حقانی کلام ہیں اور (۳) اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم جو بات ان تینوں یا
تینوں میں سے کسی ایک کے خلاف ہوگی اسے مردود سمجھنا چاہئے اور اس پر کبھی عمل نہ کرنا چاہئے
جب معلوم ہو گیا کہ ان تینوں اصولوں کے برخلاف بات رد کرنے کے قابل ہے تو قبر پرستی کی
بیاری کی اصل بھی ان تینوں میں تلاش کرنی چاہئے۔ اگر ممانعت ثابت ہو جائے تو چھوڑ دیں،

(۱) آیت مجسم۔ وہ آیت ہے جس میں اللہ نے کوئی شرعی حکم دیا ہے اور حلال و حرام بتایا ہے جس کے الفاظ کے
معانی بر نفث و شریعت سے سمجھ سکتے ہیں۔

کیونکہ جان لینے کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کرنا بدترین بدعتی اور کھلی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ
وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ. (۲۳:۲۵)

(سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔ اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کر دینے کے بعد کون ہدایت کرے۔ کیا تم عبرت نہیں پکڑتے۔

اندھی محبت کا فتنہ

تاریخ و تفسیر (۱) کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لے جانے کے بعد جس چیز نے بنی اسرائیل کو براہ کیا وہ اندھی محبت کا فتنہ تھا۔ یہود نے اپنے احبار کو، جو ان کے علما اور ارشاد و ہدایت کے منصب دار تھے، اپنا رب اور حاجت روا بنالیا اور نصاریٰ نے اپنے مشائخ کو، جو زہد تھے، اور عیسیٰ علیہ السلام جو نبی تھے، یہودیوں کی مانند راہ پا من دون اللہ مقرر کر لیا۔ چنانچہ ہر مصیبت اور مہم میں یہود اپنے احبار کی طرف اور نصاریٰ اپنے مشائخ اور درویشوں کی طرف رجوع کرتے اور جو کچھ وہ ان کو حکم دیتے وہی بجالاتے اور کبھی غور نہ کرتے کہ احبار و رہبان کا فرمان احکام الہی کے موافق بھی ہے یا نہیں، حالانکہ ان کے پیغمبروں نے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان کو معبود و احد کی عبادت کا پیغام پہنچا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو رب بنالینے کی تشریح

بنی اسرائیل کی عادات میں ذکر آتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو سجدہ بھی کیا کرتے تھے، اس لئے اللہ نے ان کے ایسے افعال کو شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ

(۱) ایکس علامہ سیوطی کی تفسیر الدر المنثور (۱/۲۷۳-۱۶۳)

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ
(التوبہ: ۳۱)

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو اپنا پروردگار بنالیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی، حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کی ذات میں ٹھہرا رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے افعال کو شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو کوئی مذکورہ کام کرے گا اسے شرک کہنا بھی درست ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اس زمانے میں کہتے ہیں کہ پیر صاحب کے ہر حکم کی اطاعت فرض ہے، خواہ وہ حکم شریعت کے مخالف ہی ہو اور اس کی تائید میں حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازی شعر کو حقیقت مان کر بطور سند پیش کرتے ہیں۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت حیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزل ہا

جائے نماز کو اگر حیر کہے تو شراب سے رنگین کر دو، کیونکہ سالک ان منزلوں کے راستوں اور

رسوم سے بے خبر نہیں ہوتا۔

تو حقیقت میں یہ لوگ بھی بنی اسرائیل کے مشرکوں کی طرح شرک کی وادی میں بہک رہے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں بھی توبہ اور استقامت نصیب کرے۔ آمین۔

بنی اسرائیل پر کیوں لعنت ہوئی

یہود و نصاریٰ کی یہ عادت تھی کہ نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ کی طرح سمجھتے تھے اور بزرگوں کے قبرستان میں مساجد بنانا اور عبادت کرنا بہ نسبت کسی دوسری جگہ کے افضل جانتے تھے۔ مقابر پر روشنی کرتے، ان کا طواف کرتے، ان کو سجدہ کرتے، ان کو مزین اور آراستہ رکھتے، ان پر خوشبوئیں جلاتے اور ان میں نماز پڑھنا ضروریات دین میں سے سمجھتے تھے۔ ان ہی کے متعلق سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے:

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى ابْتِخَاذُوا قُبُورَ أَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَ
 اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ
 بنا لیا (۱)

یہ حدیث صحاح اور مصابیح میں موجود ہے اور صاحب مجالس الابرار نے بھی اس حدیث کو
 اس گروہ کے رد میں تحریر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود و نصاریٰ پر
 اس لئے لعنت فرمائی کہ وہ انبیاء کرام کی قبروں پر نماز پڑھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ قبروں
 میں یا قبروں کی طرف سجدہ کرنا دفن شدگان کی تعظیم کے لئے ہے، حالانکہ یہ شرک جلی ہے۔ نیز وہ
 لکھتے ہیں کہ بزرگان دین کی قبروں میں نماز پڑھنے سے مقصود اگر یہ ہو کہ نماز کی حالت میں
 بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان کی قبروں کی طرف متوجہ ہونا و طرح کی عبادت ہے۔
 ایک پرستش الہی دوسرے تعظیم بزرگان تو یہ شرک خفی ہے۔ قوم نوح علیہ السلام میں سجدہ تعظیم ہی
 سے صنم پرستی شروع ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اس بارے میں اوپر گزر چکی ہے جو وہ، سواح،
 یفوت و یحوق کے متعلق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا۔ صحاح میں ہے کہ نبی
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوا قُبُورِي وَفَنًا

میری قبر کو بت مت بنانا (۲)

اور جناب الہی میں بھی دعا فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَفَنًا يُعْبَدُ

(۱) اسے امام بخاری نے اپنی صحیح (الفتح ۳/۲۰۰ حدیث ۳۳۰) اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۱/۳۷۶ حدیث ۵۲۹)
 میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ محمد ابواللیث اور بروایت عائشہ متفق علیہ (بحوالہ مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع

الصلوة) تخریج احکام الجنائز/ص ۲۱۶

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۷۰) کتاب الصلوٰۃ

یا الہی میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پرستش ہونے لگے۔ (۳)
اس سے واضح ہو گیا کہ وثن کا لفظ صنم سے زیادہ عام ہے کہ علما نے وثن کا اطلاق قبر اور
مورت دونوں پر کیا ہے، تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس قبر کی پرستش کی جاوے وہ بھی وثن کے حکم
میں داخل ہے اور اللہ نے وثن کی پوجا سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ (الحج: ۳۰)

اوٹان کی پلیدی سے بچو۔

حضرت ابو بکر بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ محدثین سلف میں سے ہیں، اپنی تصنیف میں ایک
واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ منورہ میں گنبد خضرا کے پاس کھڑا ہو کر کچھ کہہ رہا تھا۔ حضرت امام
زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر منع کیا اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ:

لَا تَتَّخِذُوا قُبُورِي وَثَنًا

میری قبر کو بت نہ بنانا

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ بات یقینی اور واضح طور پر ثابت ہوتی
ہے کہ قبروں کے سامنے ان باتوں میں سے کوئی بھی نہ کی جائے جو بت پرست اپنے بتوں کے
سامنے کرتے ہیں کیونکہ قبروں کے سامنے ایسی حرکات کرنے کے بعد وہ قبریں اوٹان کی حد میں
داخل ہو جاتی ہیں اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جن کا
طریقہ سراسر سنت کے مطابق ہے فرماتے ہیں:

توتا کے گور مرداں را پرستی

بگر دوکار مرداں کن ورستی

تو کب تک مردوں کی قبروں کو پوجے گا۔ لوٹ آ اور خود لوگوں کے کام بنا۔

(۱) اسے ابو ہریرہؓ سے امام احمدؒ نے مسند میں (۲/۲۳۶) والیوں علیؓ (۱/۱۳۵) رقم (۶۶۵۱) صحیح سند سے روایت کیا ہے موطا امام مالک اور حضرت ابن ابی شیبہؒ (۲/۳۷۵) زید بن اسلمؒ سے مرفوعاً ہے لفظ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قُبُورِي وَثَنًا يَعْبُدُ بِضِلِّيْ اِلَيْهِ

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تو عادت تھی کہ جس کام سے انہیں شرک خفی کی بھی بو آتی اس سے نہایت کوشش کے ساتھ پرہیز فرمایا کرتے۔ پھر قبر پرستی جیسے باطل فعل کی تائید میں کوئی قول یا فعل ان سے کیسے مروی ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس ان کا ہر قول و فعل قبر پرستوں کے ہر خیال کی پرزور تردید کر رہا ہے۔

پہلا واقعہ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ سخت خشک سالی کا سامنا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دعا استسقاء کے لئے مدینہ منورہ سے باہر گئے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنا کر دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِيِّكَ وَنَعْنُ الْاَن نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِيِّكَ

اے اللہ ہم اپنی دعاؤں میں تیرے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ (۱)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہوا کہ آپ نے غائب اور گزشتہ کو وسیلہ بنانا جائز نہیں ٹھہرایا، ورنہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ افضل نہ تھے۔ یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ پہلے ہم تیرے پیغمبر کو وسیلہ قرار دیا کرتے تھے اور اب ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو وسیلہ پکڑتے ہیں؟ دوسرا اہم واقعہ

مکہ معظمہ کی راہ میں ایک کیکر کا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاد پر بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ اس درخت کے پاس اہتمام سے جاتے اور اس کے نیچے نوافل پڑھتے ہیں تو آپؐ نے اس درخت کو جڑ سے اکھڑا دیا تا کہ فتنہ بند ہو

(۱) استسقاء ۳ فضائل صحابہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخاری سوال الناس الامام الاستسقاء (۲/۳۹۴)

اور شرک نہ پھیلے۔ (۱)

تیسرا واقعہ

مکہ مکرمہ کے اسی راستے میں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو ایسی جگہ نوافل پڑھنے کی کوشش کرتے دیکھا جہاں سردر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً ایک بار سفر کی حالت میں نماز پڑھی تھی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے بھی روکا اور فرمایا:

إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِمَنْفِلٍ ذَلِكَ كَانُوا يَتَّبِعُونَ آثَارَ الْأَنْبِيَاءِ
تم سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ تمہارے اس فعل کی طرح انبیاء کے نشانات کی پیروی کرتی تھیں۔ (۲)

یعنی جس جگہ لوگ پیغمبروں کے نشانات دیکھتے تھے اسے متبرک و مقدس سمجھنے لگتے تھے۔

منقوشہ پتھر بالکل جھوٹے ہیں

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ آج کل منقوشہ قدم اور پتھر کے گھرے ہوئے پنچے کسی مقام پر گاڑ دیتے پھر انہیں زیارت اور نذر و نیاز کا محل قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگ کا ہاتھ اور فلاں بزرگ کا پاؤں ہے (۳)۔ ان کا یہ فعل پیغمبروں کی سنت اور صالحین کے طریقہ کے سخت خلاف ہے بھلا جس صورت میں ان کی محض زیارت و تعظیم ہی سنت کی شدید ترین خلاف ہو تو ان سے دعا و التجا کرنا یا حاجت روائی چاہنا یہ کس درجہ کی گناہ گاری ہوگی؟ حاشا یہ ایک ایسا ناپاک عمل ہے جو فلاح اخروی کے قطعاً منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) اسے ابن ابی شیبہ نے مصنف (۲/۳۷۵) میں روایت کیا ہے، لیکن اسے نافع نے براہ راست حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے، جبکہ ایک دوسرے کی قاطعیت نہیں ہے، غالب گمان ہے کہ ان دونوں کے مابین حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں (الخیر آبادی (درمنثور ۷/۵۷۷))

(۲) اسے بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں (۲/۳۷۶) روایت کیا ہے اور اس کی سند علی شرط الثقین صحیح ہے۔ (الخیر آبادی)

(۳) دہلی کی جامع مسجد میں ایسا نقش کیا ہوا پتھر رکھا ہوا ہے جس کی یہ کہہ کر زیارت کروائی جاتی ہے کہ یہ قدم رسول کا نقش ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ ۹۰)
مسلمانو! بلاشبہ شراب، جوا، بت، معبودان باطلہ کے نشان اور پانسے تا پاک شیطانی
عمل ہیں، ان سے بچو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

نصب کی تشریح

مفسرین کرام انصاب کی شرح میں لکھتے ہیں

الْأَنْصَابُ جَمْعُ نَصَبٍ بِضَمَّتَيْنِ أَوْ جَمْعُ نَصَبٍ بِفَتْحِ النَّوْنِ وَسُكُونِ
الصَّادِ وَهُوَ كُلُّ مَا نَصِبَ وَغَبِذَ مِنْ دُونِ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ شَجَرٍ أَوْ خَجَرٍ
أَوْ قَبْرِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ

انصاب، نصب کی جمع ہے، خواہ نون اور صاد دونوں مضمون ہوں یا نون مفتوح اور
صاد ساکن اور نصب (اللہ تعالیٰ کے سوا) ہر وہ چیز ہے جس کو زمین میں گاڑ کر پوجا
جائے خواہ وہ درخت ہو یا پتھر اور قبر وغیرہ

اس آئیہ کریمہ کو اسی تفسیر اور انصاب کی اسی تشریح کے ساتھ صاحب مجالس الابرار اپنی کتاب
میں قبور پر نماز پڑھنے، ان سے استمداد و استعانت چاہنے اور ان پر چراغاں کرنے کی ممانعت کے
بیان میں لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وَالْوَاجِبُ هَذَا ذَلِكَ كُلُّهُ وَمَخْرُؤُهُ كَمَا أَنَّ عُمَرَ بَلَغَهُ أَنَّ النَّاسَ
يَسْنُبُونَ الشَّجَرَةَ الَّتِي بُوِنِعَ تَحْتَهَا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَرْسَلَ إِلَيْهَا فَقَطَعَهَا

ایسی تمام باطل چیزوں کا ڈھار دینا اور نشان تک مٹا دینا واجب ہے کیونکہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ لوگ قصد اس درخت کے پاس جاتے ہیں جس
کے نیچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر (جہاد کیلئے) بیعت کی تھی تو
آپ نے ایک شخص کو کہہ کر اس درخت کو جڑ سے اکھڑا دیا۔

حضرت عمر کا یہ فعل تخریج کے ساتھ پیچھے گزر چکا ہے۔

یہ روایت تمام ایسی چیزوں کو منادینے کے عین موافق ہے جن کے معبود بن جانے کا اندیشہ ہو۔

مصنف مذکور اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سلوک اس درخت کے ساتھ کیا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے (جہاد پر) بیعت لی تھی اور جس درخت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بے شک اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہو گیا، جب یہ لوگ تیرے ہاتھ پر اس درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

تو اس درخت کے علاوہ اور ایسی چیزوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنا لازم ہوگا جو انصاب میں داخل ہیں اور جن کے سبب سے (عالم اسلام میں) ایک فتنہ عظیم برپا ہے۔ اور ایک سخت مصیبت پیش آچکی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ضرار کو گرا دیا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بڑھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد ضرار کو گرا دینا ہے، جو دلیل ہے کہ اس امر کی کہ تمام ایسی عمارتوں کو گرا دینا چاہئے جو فتنہ و فساد کے لحاظ سے مسجد ضرار کا برابر یا بڑھ کر ہوں، جیسے قبرستان کی مسجدیں وغیرہ اسلام کا حکم ایسی عمارتوں کے متعلق یہی ہے کہ ان کو گرا کر سطح زمین کے برابر کر دیا جائے۔ ایسے ہی قبر کے گنبد کا گرا دینا واجب ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہوں کیونکہ ان کی بنیاد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت اور نافرمانی پر ہے، اور ظاہر ہے کہ جس عمارت کی بنیاد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت پر ہو اس کا ڈھار دینا مسجد ضرار کے ڈھا دینے سے کس قدر اولیٰ و انساب ہوگا۔ نیز ایسی عمارت کے گرا دینے کے وجوب کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں (۱) غرض ہر ایسی چیز کے گرا دینے میں جلدی کرنا واجب ہے جس

(۱) دیکھو حدیث ابو ہریرہؓ مسند احمد (۲/۲۹۲/۲) (۲۷۷)

کا بنانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جس کا بنانا والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ملعون ہے۔

قبر سے چراغ اور قندیل کا اٹھا دینا

اسی طرح قندیلوں اور چراغوں کا اٹھا دینا بھی واجب ہے جو قبروں پر روشن کئے جائیں اس لئے کہ قبروں پر چراغ جلانے والوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور جس فعل پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی اس کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ (۱)

ایسی نذر معصیت ہے

ایسے ہی موقع کے متعلق علمائے کہا ہے کہ قبروں کے لئے چراغ اور روغن وغیرہ کی نذر ماننا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ یہ معصیت ہے اس کا پورا کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی شخص ایسی نذر مان کر اسے پورا بھی کر دے تو اس پر کفارہ قسم کی مانند کفارہ دینا لازم آتا ہے پھر یہ بھی جائز نہیں کہ قیل وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز قبروں کے لئے وقف کی جائے کیونکہ ایسا وقف صحیح وقف نہیں ہے اور اس کا قائم و نافذ ہونا بھی حلال۔

چوتھا واقعہ

معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کے حق میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَّكَانَ عَمْرُو

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہوتے۔ (۲)

وہ فتنہ قبر پرستی وغیرہ جو زشتہ اقوام اور ہماری قوم میں شرک کا سرچشمہ بن رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قول اور عمل سے اس طرح تلبیہ میٹ کر دیا کہ موحّد مسلمان کے ذہن میں اس کا کوئی تصور بھی باقی نہ رہ گیا جس میں جتلا ہونے کا خوف ہو سکتا۔

- (۱) لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج، رواه ابن عباس أخرجه ابوداؤد والجنائز ۷۸، والترمذی (الصلوة ۱۲۱) والنسائی (جنائز ۱۰۳) هم (۱/۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۸، ۳۳۸) والحاکم (۳۷۳/۱)
- (۲) أخرجه احمد (۱۵۳/۳) والترمذی (۲۱۹/۵) والحاکم (۸۵/۳) وهو حسن

صحیحین میں عاص بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے جو بعض کی رائے میں صحابی اور بعض کے نزدیک تابعی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق علاوہ ان امور کے جن کا ذکر ہو چکا ہے اور جو تیز تلواری طرح اس شہر کا قلع و قمع کرتے ہیں، ایک روایت میں درج ہے۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يَقْبِلُ الْحَجَرَ وَيَقُولُ لَا عِلْمَ أَنْتَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا إِيْنِي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقْبِلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ

عاص بن ربیعہؓ نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔ (۱)

پس حجر اسود کا یہ حال ہے کہ جو خدا نے بہشت سے اتارا اور بیت اللہ شریف کے کونہ میں نصب کیا گیا تو دوسرے پتھروں، درختوں اور مقبروں کی کیا حقیقت ہے جو شرف و مرتبت میں اس کے سامنے حقیر و بے حقیقت ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ جو تمام تر ہدایت میں، یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ حجر اسود کے چھونے یا چومنے کی دلیل لینا قیاس مع الفارق ہے اور عقل اسے ٹھکراتی ہے اور حجر اسود کا چھونا یا چومنا محض سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی خاطر جاری کیا گیا ہے۔

آپ کے اس ارشاد میں ایک اور بھی اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص حجر اسود میں نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت تسلیم کرے اور اس وجہ سے خوف یا طمع دل میں رکھ کر اس کی تعظیم کرے یا اس کو بوسہ دے تو یہ شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کے بغیر کوئی چیز نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ صحیحین میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ:

لَمْ أَزِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْلِمُ مِنَ النَّيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانَيْنِ. (۱)

(۱) ج۔ ۹ ص ۴۲ (۵) ۷۴۸ (۸) م ح ۲۴۔ ت ج ۳۵

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکن یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے سوا کعبہ کی کسی اور چیز کو بوسہ دیتے نہیں دیکھا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکن یمانی کو چوما جہور کا بھی یہی خیال ہے۔ رکن شامی کے چومنے میں البتہ کلام ہے، لیکن اس پر بھی شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ صرف حجر اسود کو چومنا چاہئے اور رکن یمانی کو چومنا ہی کافی ہے۔

محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں زبیر بن عربی تابعی سے ایک روایت لائے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حجر اسود کو چومنے کے متعلق سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْبِلُهُ وَيَقْبِلُهُ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے چھوتے اور چومتے دیکھا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قرون اوّلیٰ میں مسلمان شرک خفی سے بھی اس قدر ڈرتے اور عقیدہ توحید پر قائم رہنے کے لئے اس قدر اہتمام کیا کرتے تھے کہ حجر اسود کو چومنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء سے دریافت کر لیا کرتے تھے اور جب انہیں ایسا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو جاتا تو اسے چومتے تھے۔ (۲)

مگر افسوس آج کل مسلمان بالکل بے باک ہو کر صراط مستقیم چھوڑ کر اور نیزھی راہ اختیار کرتے ہوئے نہیں گھبراتے۔ وہ جس پتھر اور مقام کی نسبت سن پاتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی یادگار ہے اسی پر جھک جاتے اور دور دراز مقامات سے اس کی زیارت کے لئے اور حاجت روائی کی خاطر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس پر شیرینی، پھول اور خوشبوئیں چڑھا کر اس شخص کا قرب ڈھونڈتے ہیں جس کی طرف اس چیز کی نسبت ہو اس طرح تسبیح کو خاک شفا اور صحت بخش جانتے

(۱) ح۔ ۶۔ حجرات ۱۰۰/۲

(۲) جیسا کہ حضرت عمر سے منقول ہے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔

ہیں اور پیر کے عصا کو پیر کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔

عصائے موسیٰ علیہ السلام

یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کی کبھی تعظیم نہیں کی، نہ لوگوں کو اس کی زیارت کا حکم دیا، حالانکہ یہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی معرفت ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ملا تھا، قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آپ نے اس عصا کے متعلق صرف اسی قدر فرمایا۔

هِيَ عَصَايَ اَنْزَلْتُ عَلَيْهَا وَاهْشُ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيْ فِيْهَا مَازٍ اُخْرٰى
یہ میری لاشعری ہے اس کا سہارا لیتا ہوں اسی سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور بھی طرح طرح کے کام ہیں۔

بدعتیوں کا اپنے پیروں کو شہرت دینے کا طریقہ

پھر کوئی تو کہتا ہے کہ صاحب مجھے فلاں بزرگ کی گدڑی سے وہ فیض ملا ہے جو زندہ بزرگوں سے ہرگز نہیں مل سکتا۔ اور کوئی کہتا ہے اجی! فلاں پیر کا جبہ پہننے ہوئے جو کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے وہ کسی دوسرے وقت دیکھنے میں نہیں آتی۔

پھر ان مریدوں میں سے اکثر تو ان اشیاء کو عطر اور خوشبوئیں لگا کر ہمیشہ سنبھالے رکھتے ہیں بعض کبھی کبھی تبرک جان کر ان چیزوں کو استعمال بھی کر لیتے ہیں اور بعض جو ہوشیار مرید ہوتے ہیں سال میں ایک دن ان کی زیارت کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ اور اسی روز ان چیزوں کی طرف تکلف سے متوجہ ہو کر بیٹھتے ہیں اور اس ساری تعظیم و تکریم کو منسوب الیہ بزرگ کی خوشنودی و رضامندی کا باعث یقین کرتے ہیں۔

تنبیہ

خفی ندر ہے کہ اشیاء بزرگان کی تعظیم و تکریم فوراً ہی کفر و شرک کا موجب نہیں بن جایا کرتی۔ یہ مرض آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے۔ اور جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو طبیعت میں شرک کے ساتھ منافقت بھی پیدا کر دیتا ہے جس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عالم ربانی ان کو ان کی تعظیم کرنے سے روکتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ عذر اور حیلے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ

معرفت سے نا بلند اولیاء اللہ سے نا واقف اور ان کی کرامتوں کے منکر ہیں۔ یہود نے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت عزیر علیہ السلام کا منکر کہا تھا، اور عیسائی اسی طرح مسلمانوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر کہتے ہیں اور ان گمراہوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کا قصور فقط اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے تھے اور مسلمان کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے تھے، بیٹے نہیں تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ گمراہ لوگ قدرتی طور پر حق پرستوں کو بدنام کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اس لئے ان کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا کرنے کے لئے مشہور کرتے ہیں کہ یہ گمراہ فلاں بزرگ یا کرامت کا منکر ہے۔

چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو سابی یعنی بے دین کہتے تھے اور ملت ابراہیمی کے منکر شمار کرتے تھے، لیکن اہل بصیرت پر لازم ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں محفوظ طریقہ اختیار کریں اور ایسی راہ نہ چلیں جس کا نتیجہ شرک و بدعت ہو۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے سچے تابعین کی سنت رہی ہے (چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں فرماتا ہے)

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ مُلْكًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (الانعام: ۸۱)

اور میں ان چیزوں سے کیوں کر ڈروں جن کو تو نے شریک بنایا ہے، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے بے خوفی و اطمینانی کا زیادہ حق دار کون ہے؟ (بتاؤ) اگر تم علم رکھتے ہو۔

مقام ابراہیم علیہ السلام

وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کرتے تھے (اور بقول بعض) دیوار کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہوتا گیا، اور تمام عمارت میں کسی دوسرے پتھر کی ضرورت ہی نہ

پڑی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کی انگلیوں کے نشان اس میں پڑ گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح حدیث میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الرُّسُكُنُ وَالْمَقَامُ يَأْفُوتَانِ مِنْ يَأْفُوتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا وَلَوْلَا ذَلِكَ لَأَضَاءَ أَمَّا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.

رکن یرانی اور مقام ابراہیم جنت کے دو موتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی چمک دمک بجھادی ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو مشرق و مغرب ان کے نور سے منور ہو جاتے۔ (۱)

اس پتھر کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقام ابراہیم رکھا ہے اور اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرہ: ۱۲۵)

(اور ہم نے حکم دیا) کہ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہمیشہ کے لئے نماز کی جگہ بنالی جائے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر نماز پڑھا کرتے تھے غرض اس پتھر کی بابت کہیں یہ مذکور نہیں کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے کسی ایک نے اس پر ہاتھ پھیرایا اسے کسی وقت بوسہ دیا ہو۔ ہاں اس کے برعکس ان باتوں سے ان کا انکار کرنا ضرور مروی ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۶۱۴)

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسے گروہ کو دیکھا جو مقام ابراہیم کو چھو رہے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

”دیکھو! خدا نے تمہیں اس کو چھونے کا حکم نہیں دیا، اس کا حکم تو صرف اس قدر ہے کہ اس کے قریب نماز پڑھو۔“

(۱) اسے عبد اللہ بن عمر بن خطابؓ نے نہیں بلکہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مسند احمد (۳۱۳/۲) اور سنن ترمذی (ایضاً، باب فصل الحجج الاثبات ۲۲۶/۳) اور صحیح ابن الخزیمہ (۲۱۹/۳) اور صحیح ابن حبان (المواہم ۱۰۰۳) اور مستدرک حاکم (۳۵۶/۱) و سنن بیہقی (۷۵/۵) اور قاضی کی اخبار کلاہ (۱/۳۳۰، ۹۶۰) میں ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (الخیر آبادی)

اسی طرح مجالس الا برار نے لکھا ہے کہ عربی میں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ محققین سلف نے اس پتھر پر ہاتھ پھیرنے سے بھی منع کر دیا جس پر خدا نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ارزقی نے آیت وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی۔

کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں کو مقام ابراہیم علیہ السلام پر صرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس کو چھونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر لکھا ہے کہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ حجر اسود کے سوا (کعبے کی) کسی چیز کا چھونا اور چومنا جائز نہیں، بجز رکن یمانی کے کہ اس کو بھی چھونا صحیح ہے چومنا صحیح نہیں۔ (الدر، ۱/۲۹۲)

شیاطین کا ڈھنگ

لیکن شیاطین کا ڈھنگ ہی جیسا کہ ذکر ہو چکا، نرالا ہے۔ وہ ہر زمانہ اور مقام میں پہلے تو ایک بزرگ کی قبر کو تنظیم کے لئے چن لیتے ہیں پھر اس کو اللہ کے سوا عبادت اور بندگی کے لئے بت بنا ڈالتے ہیں اور اپنے ہم نشینوں میں اس امر کی اشاعت کرتے رہتے ہیں کہ جو شخص اس کی پوجا سے روکے یا اس پر اجتماع کرنے سے منع کرے وہ درحقیقت اس بزرگ کی بے عزتی کرنا چاہتا اور اس کے حق کو تلف کرنا چاہتا ہے پس (اس پر اپیل کنندہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) وقت کے جاں لوگ ان غیر اسلامی حرکات سے روکنے والوں کے قتل کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو کافر قرار دیکر سزا کے درپے ہو جاتے ہیں، حالانکہ ان کا اس کے سوا اور کوئی جرم نہیں ہوتا کہ وہ اس بات کا حکم دیتے ہیں جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا اور ایسی بات سے روکتے ہیں جس سے اللہ اور اس کے رسول نے روکا ہے پھر لکھا ہے کہ چند باتوں نے ان قبر پرستوں کو فتنہ میں ڈالا جن میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی اس علت غائی سے جہالت و بے خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کی تحقیق اور شرک کے اسباب کی بیخ کنی کے لئے بھیجا ہے، پس جن لوگوں کو علم کا حصہ بہت کم ملا ہوتا ہے جب ان کو شیاطین قبر پرستی کے فتنہ کی طرف بلاتے ہیں تو چونکہ ان کے پاس اس قدر علم نہیں ہوتا کہ ان کی دعوت کو رد کر سکیں اس لئے قبول کر لیتے ہیں اور جو کچھ جہالت و کم علمی ہوتی ہے وہ محفوظ رہتی ہے۔

جھوٹی حدیثیں

مجملہ ان دلائل کے جو یہ لوگ قبر پرستی کے حق میں پیش کرتے ہیں ایسے ایسے اقوال ہیں جو بت پرستوں کی طرح انھوں نے خود گھڑ لئے اور معتبر بنانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ مثلاً یہ جھوٹی حدیث کہ:

(۱) إِذَا تَخَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا بِأَهْلِ الْقُبُورِ۔ یا یہ حدیث وضعی کہ

(۲) إِذَا آغْيَاكُمْ الْأُمُورُ فَعَلَيْكُمْ بِأَصْحَابِ الْقُبُورِ۔ یہ جھوٹی حدیث کہ

(۳) لَوْ حَسُنَ أَحَدُكُمْ ظَنَّهُ بِحَجَرٍ لَنَفَعَهُ۔ (۴)

ایک بڑی غلط فہمی

یہ اور اس قسم کی اور بے شمار جھوٹی حدیثیں ہیں جو اصول دین کے خلاف ہیں۔ (جو ان قبور کے بتوں کی عبادت کرنے والوں سے جاہل اور گمراہ لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں)۔ جاہل اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے بھیجا تھا کہ پتھروں اور درختوں سے نفع و نقصان کا اعتقاد رکھنے والوں کو قتل کر دیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کو قبروں کے ساتھ نفع و نقصان کا اعتقاد رکھنے سے ہمیشہ روکا ہے۔

اس طرح قبر پرستوں نے جو من گھڑت حکایتیں اپنی تائید کے لئے مشہور کر رکھی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص مصیبت میں مبتلا تھا۔ جب فلاں قبر والے سے مدد مانگی تو مصیبت سے نجات پائی، فلاں شخص پر آفت نازل ہوئی اُس فلاں جگہ پر پہنچ کر صاحب قبر سے دعا مانگی پس صاحب قبر نے اس کی تکلیف کو رفع کر دیا اور فلاں شخص نے اپنی حاجت برآری کے لئے دعا مانگی اس کی حاجت پوری ہو گئی۔ ان خادموں اور مجاوروں کے پاس ایسی ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔

الغرض یہ لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ جھوٹے ہیں اس لئے مردہ اور زندہ دونوں کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہتے ہیں۔ انسانی طبیعت نفع کی طالب اور نقصان سے خائف

(۱) جب تمہیں کسی امر میں پریشانی آئے تو اہل قبور سے مدد طلب کرو۔

(۲) جب تم مشکلات میں پھنسو تو اہل قبور کا دامن پکڑنا لازم سمجھو۔

(۳) تم میں سے اگر کسی کا چہرہ پر بھی اعتقاد ہو تو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۴) (کشف الظہار، ۱۵۳/۲، ۲۰۸۷)

واقع ہوئی ہے اور انسان اپنی ضروریات کے حل کے لئے بے چین رہتا ہے۔ اور خصوصاً جب تکلیف پہنچتی ہے تو جلد از جلد اس سے نجات پانے کا ہر شخص خواہشمند ہوتا ہے اور ہر طریق سے خواہ برائی ہو علاج چاہتا ہے ہر مصیبت زدہ جب یہ سن لیتا ہے کہ فلاں قبر حاجت روائی میں تریاق کا حکم رکھتی ہے تو دوڑ کر اس کی طرف جاتا اور پوری توجہ، زاری، عاجزی اور مسکینی کے ساتھ دعا کرتا ہے اور خداوند کریم اس کے عجز کو دیکھ کر اس کی دعا سن لیتا اور حاجت پوری کر دیتا ہے، پھر یہ شخص یقین کر لیتا ہے کہ قبر میں دعا کے قبول کرنے کی تاثیر ہے۔ اتنا خیال نہیں کرتا کہ خداوند کریم تو ہر مضطرب کی دعا سن لیتا ہے۔ اور اس کی حاجت برآری کرتا ہے خواہ وہ کافر ہو۔ اگر یہ شخص اسی ذلت اور فروتنی سے دکان، بازار یا سام میں بھی دعا کرتا تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا اس امر میں قبر کی تاثیر بھٹانا دانی ہے جس کسی کی دعا قبول ہوتی ہے اس کے لئے خدا کی خوشنودی اور محبت ضروری نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مومن، کافر اور فاجر سب کی دعا قبول کرتا ہے۔

يَسِّرْنَا اللَّهُ تَعَالَىٰ مِنَ الدُّعَاءِ وَالْعَمَلِ مَا يَكُونُ مُوَافِقًا لِرِضَائِهِ وَيُلْطِفَهُ وَتَكْرِمَهُ

إِنْتَهَىٰ

حدیث ابی الہیاج الاسدیؓ

صحیح مسلم ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابی الہیاج الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

أَلَا أُنَعِّفُكَ عَلَىٰ مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَلَّا تَدْعَ تَمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرَ مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ.

کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے کہ کسی مورت کو منائے بغیر اور بلند قبر کو سطح زمین کے برابر کئے بغیر نہ چھوڑو۔ (۱)

حضرت ابی الہیاج الاسدی رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبُورُ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا

وَأَنْ تُوَلَّطَ

منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے سے اور ان پر لکھنے اور ان کے روندنے سے۔ (۱)

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں یقعد کے نیچے لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ قبر پر بیٹھا جائے کیونکہ قبر پر بیٹھنا مومن کی عزت کے منافی ہے اور بعض نے کہا کہ قبر پر بیٹھنے سے مراد قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا اس حدیث کے متعلق خیال

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ افشا میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ جس سبب کی بنا پر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا اور جس کے سبب سے خدا کی بے شمار مخلوق شرک جلی میں مبتلا ہو گئی وہ سب یہ ہے کہ جو شخص اپنی تمام قسم کی فلاح اور اصلاح قبر کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے وہ اپنے اعتقاد و اثر کے لحاظ سے اس شخص کی نسبت کہیں زیادہ قریب ہوتا ہے جو کسی درخت یا پتھر کو اپنی حاجت و توقعات کا قبلہ و کعبہ سمجھتا ہے اور تو دیکھتا ہے کہ اکثر آدمی اس قدر اس کے قریب گزر آتے، روتے اور خشوع و خضوع کرتے ہیں۔ خاص بیت اللہ شریف میں اور بحری کے وقت بھی ظاہر نہیں کرتے۔ (۲) اس طرح قبروں پر نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے وقت وہ جس طرح برکت کے امیدوار ہوتے ہیں ویسے مساجد میں نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے وقت نہیں ہوتے پس اسی فساد عظیم کے مادے کو مٹانے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو مقبرے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا خواہ نماز پڑھنے والے کے ذہن میں نماز پڑھنے کے وقت قبر کی کوٹھری کی برکت ملحوظ بھی نہ ہو۔ (۳) جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلوع، استواء اور غروب آفتاب کے وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ مشرکوں کے آفتاب کی عبادت کے وقت ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ جس وقت کوئی شخص قبر کے نزدیک حصول برکت کی نیت

(۱) مسلم (۹۱/۳) ابوداؤد (۷۰/۳) والشمائی (۲۸۵/۱) والترمذی (۱۵۳/۲) وہود (۳۴) وسنن لاطیسی (۱۶۸/۱) واحمد

(۲) ابوسعید قال نہی صلی اللہ علیہ وسلم ان یسئ علی القبور ویقعد علیہا اور یصلی علیہا (ابن ماجہ ابویعلیٰ ۱۶۶/۲)

(۳) مسلم بروایت عقبہ بن عامر بحوالہ مشکوٰۃ باب اوقات النہی

سے نماز پڑھتا ہے تو اس کا نماز پڑھنا درحقیقت قبر کی پرستش کرنا ہوتا ہے، پس یہ ارادہ صریح کفر ہے، اور خدا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے خلاف ہے، اس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

صاحب مجالس الابرار نے لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے صرف اس لئے روکا کہ کہیں غیر اللہ کی عبادت کے لئے ویل جواز نہ بن جائے تو قبروں سے مدد طلب کرنے کا کیا کہنا جو خود ہی شرک اور شرک جلی کا کھلم کھلا ذریعہ ہے، بہت لوگوں کو حاجتوں کے جھوم نے برباد کیا کہ گھبرا کر اہل قبور سے حاجتیں مانگنے لگے اور کئی ایک کو اس اعتقاد نے ہلاک کر دیا کہ مسجدوں کی بہ نسبت انبیاء کرام کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا افضل ہے۔

اسلام اور قبر پرستی

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اعانہ میں فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص موجودہ مسلمانوں کے اقوال و افعال کا موازنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کرے تو وہ ان کی کسی چیز کو بھی آثار و سنت کے موافق نہ پائے گا، کیونکہ دونوں کی آپس میں خدا اور عدم مطابقت ظاہر ہے۔ مثلاً

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبور انبیاء پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا مگر آج مسلمان شوق

سے پڑھتے ہیں۔ (۱)

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے روکا مگر آج ان پر بڑی عمارتیں بنائی جاتی ہیں اور ان کا نام مشاہد و درگاہ رکھا جاتا ہے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبور پر چراغاں کرنے سے منع فرمایا مگر قبر پرست مسلمان قبروں پر قندیلیں اور شمعدان روشن کرتے اور اس کام کے لئے جائیدادیں وقف کر جاتے ہیں۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کو پختہ بنانے سے روکا، مگر یہ مسلمان ان پر شاندار

گنبد بناتے ہیں۔ (۲)

(۱) مسلم بروایت ابی مریم غنوی لا تجلسوا علی القبور ولا تصلو علیہا بحوالہ مشکوٰۃ باب دفن المیت

(۲) من ابی اثیر بن جابر (ابن ابی شیبہ ۳/۳۷۷)

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر پر زائد مٹی ڈالنے سے منع فرمایا مگر یہ لوگ مٹی کی بجائے اینٹ، پتھر اور چونہ سے ان کو پختہ بناتے ہیں (۱)۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے اور قبروں پر کتبے لکھنے سے منع فرمایا، مگر یہ لوگ شاندار عمارتیں بنا کر آیات قرآنی قبروں پر لکھتے ہیں۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قبروں کو عید گاہ نہ بناؤ (۲) مگر یہ لوگ ان پر عید کی طرح اجتماع کرتے اور دن مقرر کر کے سالانہ عرس منعقد کرتے ہیں۔

غرض یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کے مخالف اور دین کی ہر رسم کے دشمن نظر آتے ہیں۔

قبر پرستوں کا غلو

صاحب مجالس الابراہیم کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ ضالہ اس حالت تک پہنچ گیا ہے کہ بعض حد سے بڑھانے والوں نے بیت اللہ (اللہ تعالیٰ اس کی عظمت اور شرف کو بڑھائے) کی طرح قبروں کے آداب اور ارکان مناسک مقرر کر دیئے ہیں اور اس موضوع پر کتابیں لکھ کر ان کا نام مناسک حج المشاہد رکھ دیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں، مگر مخفی نہ رہے کہ ایسا کرنا درحقیقت اسلام کی جگہ بت پرستی اختیار کر رہا ہے، کیونکہ ان کا طریقہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے بالکل مختلف ہو گیا ہے۔

عملی غلو

پس دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اور اس کے درمیان جو انھوں نے قبور کے متعلق مذہب بنا رکھا ہے کس قدر فرق ہے اور اس میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں کہ شرک کی اس گمراہ کن بدعت کے مفاسد حد سے زیادہ ہیں اور ایک یہ فساد ہے کہ قبور کو مساجد پر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور محبوب ہیں، فضیلت دیتے ہیں، یہ جب قبروں پر جاتے ہیں تو اس قدر رقت اور ادب، خشوع اور عاجزی کے ساتھ قبرستان میں داخل ہوتے ہیں کہ خدا کی مساجد میں اس

(۱) مصنف نے یہ بات ولا قبر مشرفا سے اخذ کی ہے۔

(۲) عن جابر مر فوعا ابن ابی شیبہ (۳۳۰/۳) تک ۸۵۸ ک ۲۱ ب ۹۶ ج ۶ ب ۷۲

کیفیت کے ساتھ کبھی داخل نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، ان پر حج اٹھانا کرنا، اعتکاف کرنا، پردے لگانا، عود و آگریجی جلانا اور ان کی صفائی کیلئے ملازم مقرر کرنا اور ان کی پوجا کے لئے اشاعت کرنا، ان کی مجاورت سے افضل اور ان کی خدمت مساجد کی خدمت سے بہتر ہے۔

صاحب مجالس الابرار نے جو کچھ کہا اظہر من الشمس ہے، ان لوگوں کی حرکات راز ہائے سر بستہ نہیں ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا ہے اور اس گروہ کی باتوں کو اپنے کانوں سے سنا ہے۔

چیلنج

آگے لکھا ہے کہ قبروں کے لئے نذریں ماننا، ان کی زیارت کے لئے دور اور نزدیک سے سفر کر کے آنا۔ ان کے پاس نمازیں پڑھنا، ان کے گرد طواف کرنا، ان کو چومنا یا چھونا اور ان پر ہاتھ یا منہ رگڑنا، ان کی مٹی یا کنکر اٹھا کر گلے میں لٹکانا، اہل قبور سے دعا مانگنا، رزق اور اولاد کے لئے یا بیماری سے شفا یا قرض سے خلاصی کیلئے دعائیں کرنا یا دیگر مہمات دنیوی میں ان سے مدد چاہنا بھی اس قبر پرستی میں شامل ہیں علاوہ ازیں تمام وہ حاجتیں جو بت پرستوں سے چاہتے ہیں یہ ان قبروں سے مانگتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا مَشْرُوعًا بِاتِّفَاقِ أَيْمَةِ الْمُسْلِمِينَ إِذْ لَمْ يَفْعَلْ شَيْئًا
مِنْهَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَالتَّابِعِينَ وَسَائِرِ أَيْمَةِ
الَّذِينَ صَلَوَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ السَّلَامُ.

مسلمانوں کے تمام مسالک فکر کے علما کا اتفاق ہے کہ ان میں سے ایک کام بھی جائز نہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بات نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی نہ صحابہ کرام میں سے کسی نے کی اور نہ مسلمانوں کے اماموں نے کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام کا دور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خیر القرون (۱) (بہترین زمانہ) ہے جب ان لوگوں نے ایسے کام نہیں کئے تو ان کاموں کا جائز اور اچھا ہونا محال ہے۔

(۱) متفق علیہ بروایت عمران بن حصین خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم (مکتوۃ باب مناقب الصحابہ)

اب جو شخص ایسی باتوں کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے جس کا ثبوت ان زمانوں میں نہیں ملتا تو اس کے فاسق ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی ہے، آگے لکھا ہے:

جو شخص ہمارے کلام میں شک کرے اسے چاہئے کہ ان تین زمانوں میں سے کوئی ایک مثال پیش کرے جس سے قبر پر نماز پڑھنا تو بڑی بات ہے صرف اتنا ہی ثابت ہو سکے کہ صحابہ کرام، تابعین یا تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے فلاں شخص نے اپنی مصیبت میں فلاں قبر کا قصد کیا، اس سے مدد چاہی یا اسے چوما اور چھوا چہ جائیکہ قبروں کے نزدیک نماز پڑھنے اور ان سے حاجت روائی چاہنے کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کیا جائے ہرگز ہرگز ایسا ممکن نہیں۔

ہاں قرونِ ثلاثہ کے بعد ان لوگوں نے ایسی حرکتیں کی ہیں جو ناخلف جانشین تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشُّهُوبَ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ
عَذَابًا

لیکن پھر ان کے بعد ایسے نا اہل جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کی حقیقت کھودی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے۔

اصل بات یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور عہد رسالت دور تر ہوتا گیا، یہ فتنہ رواج پاتا گیا اور اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس موضوع پر کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے بعض کو پڑھ کر افسوس ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان میں ایک لفظ بھی منقول نہیں، بلکہ گور پرستی کے خلاف بہت سی مرفوع روایات ہیں جن کی سند مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے انہی میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُزُورَ فَلْيُزِرْ فَلَا تَقْفُلُوا هَجْرًا (۱)

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کرویا تھا پس جو کوئی قبروں کی زیارت کا ارادہ کرے وہ جائے مگر بے ہودہ گفتگو نہ کرے۔

(۱) تحریکِ خباہت ۱۰۰ ج ۳/ ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰

صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں کہ ہجر کے معنی بے ہودہ گفتگو ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان شرکیہ افعال و اقوال سے بدتر کون سی بیہودہ بات ہوگی جو یہ لوگ قبروں کے پاس کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کے ان بدعتوں کے رد میں اس قدر بے شمار واقعات ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، ان میں سے ایک یہ ہے، جو صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے قریب نماز پڑھتے دیکھا تو تیزی سے کہا:

القبر! القبر! (قبر ہے قبر) قبر سے پرہیز کر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا القبر! القبر! فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ قبر کے قریب نماز پڑھنے سے بچنا چاہئے۔ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز سے ڈرانا ہو تو اس کا نام بار بار لیتے ہیں تاکہ اس سے جلدی بھاگ جائے۔ جیسے جب ایک شخص کو شیر کے قریب پہنچا ہوا دیکھتے ہیں یا مہلک سانپ کے قریب پاتے ہیں تو کہتے ہیں: شیر! شیر! سانپ! سانپ!

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قبر کے قریب جا کر نماز پڑھنا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ قبر کے قریب جائز سمجھ کر نماز پڑھتے تھے۔ غالب احتمال ہے کہ انہیں قبر کا علم ہی نہ ہوا انہوں نے دیکھی ہی نہ ہو اور یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبر کے قریب جا کر نماز پڑھنے کی ممانعت سے خوب واقف و باخبر تھے۔ پس جو نبی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈرایا کہ قبر ہے تو معلوم ہو گیا کہ قبر ہے۔ (۱)

حدیث لاتجعلوا قبری عیدا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

(۱) اس اثر کو امام بخاری نے (الفتح ۱/۳۳۷) میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے البتہ عبد اللہ بن زراق نے مصنف میں (۱۰۸۱، ۳۰۳/۱) میں اور ابوالحسن دینوری نے جزء فی مجالس من امام ابی الحسن القزوينی (۱/۳) میں اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ دائر الخیر آبادی

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ
میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ البتہ مجھ پر درود پڑھو تم جہاں ہو گے مجھے تمہارا درود پہنچ جائے
گا۔ (۱)

غور کرو جب گنبد خضرا کو مسجد بنانے سے روک دیا گیا جو شرف اور فضیلت میں دنیا بھر کے
مقابر و آثار سے افضل ہے تو دوسری قبریں بہت زیادہ اس ممانعت کی اہل ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ میں ایک لطیف
اشارہ ہے کہ چونکہ درود پڑھنے کا ثواب دور و نزدیک سے یکساں طور پر ملتا ہے، اس لئے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کو عید گاہ بنانے کی ضرورت نہیں اور قبروں کے عید گاہ بنانے میں خرابیاں
ہیں، جن کی تفصیل سے اللہ تعالیٰ ہی بہتر واقف ہے۔

معجزات و کرامات

مذکورہ بالا احادیث و آثار مردیہ کو بغور و فکر دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ صراط مستقیم یہی ہے
کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے عاجز اور فرمانبردار بندے ہیں، زندگی میں اور مرنے کے
بعد بھی اس کے کارخانہ میں کچھ بھی قدرت و اختیار نہیں رکھتے، رہے ان کے معجزات و کرامات، تو
ان کی حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اختیار سے
ان کے دُشمن کے بغیر، بعض اوقات مافوق الفطرت امور کا اظہار ان کے ہاتھ سے فرما دیتا ہے جن
سے مقصود یہ ہے کہ لوگ ان کے پیچھے لگ کر صراط مستقیم پر جو انہیں انعام کے طور پر نصیب ہوا ہے،
چل سکیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں جو انسان کی پیدائش کی اصلی غرض ہے پس جن
لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریق کو چھوڑ دیا اور
زید و بکر کے قول و فعل پر فریفتہ ہو کر یوں کہنے لگے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى (۳۳۹)

ہم صرف اس لئے انہیں پوجتے ہیں کہ ہمیں خدا کا مقرب بنادیں۔

تو یہ لوگ پہلی گمراہ اور باطل قوموں کی طرح غلط راہ پر ہیں، اللہ تعالیٰ (ان کے اور اہل
ایمان کے درمیان جو اختلاف ہے) اس کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا۔

(۱) حدیث ۲۰۳۲، ۱، ۲ (۲۶۷/۲) و سند حسن

إِنَّ اللَّهَ يَخْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيمَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ

لوگوں میں شرک کی قسموں کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک شرک جماعت کا نماز ٹھو یہ ہے۔

جماعت ٹھو یہ

۱۔ اس جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ موجودات کے دو خالق ہیں یزدان اور اہرمز۔

۲۔ ستارہ پرست، ان کو صابی بھی کہتے ہیں۔

۳۔ ہنود، ان کا خیال ہے کہ منتظمین عالم مختلف روحانی وجود رکھتے ہیں۔ اور ان منتظمین عالم کو راضی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی مورتیاں بنا کر پوجا جائے۔

۴۔ پیر پرست اس جماعت کے شرکیہ عقائد کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی خدا کا نیک بندہ اپنی ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے مستجاب الدعوات اور عند اللہ مقبول ہو جاتا ہے تو مرنے کے بعد اس کی روح کو بہت سی قوت و وسعت عطا ہو جاتی ہے اگر اس بزرگ کے نشست و برخاست کے مقام پر یا اس کی قبر پر اس کا تصور باندھ کر عاجزی اور ذلت کا اظہار کیا جائے تو یہ سب قوت و وسعت مذکورہ کے اس کے حال سے واقف ہو جاتی ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کی شفاعت کرتی ہے۔

جماعت پیر پرست

اس جماعت کے رد میں بے شمار آیات الہی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد ہیں اللہ کا ارشاد ہے:

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أُولَئِكَ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ
کیا ان شرک لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو معبود قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہیں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں؟

دعا عبادت کا نام ہے

اور ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفْلُونَ.

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے شخص کو پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو اس کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو۔

سچ ہے غیر اللہ کو پکارنے والے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گمراہ نہیں۔ اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ جن عائب ارواح اور پوشیدہ اجسام کی دنیا میں پرستش ہو رہی ہے اور ان سے حاجت روائی کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں وہ ارواح و اجسام دعائیں مانگنے والوں کی دعاؤں سے بھی غافل اور بے خبر ہیں، خواہ وہ انبیاء علیہم السلام کے ارواح و اجسام ہوں یا اولیائے کرام رحمہم اللہ اجمعین کے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ انہیں بتلائے گا اور وہ اپنے پکارنے والوں کی باتوں پر مطلع ہوں گے تو بجائے اس کے کہ وہ ان کی سفارش کریں یا ان پر خوش ہوں، انہیں ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ سَخَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءُ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ
اور جب تمام لوگ اکٹھے کئے جاویں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جاویں گے اور ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے۔

اس آیت سے دریافت ہو گیا کہ ان کی دعا عبادت ہے، پہلی آیت میں صرف دعا کا ذکر تھا۔ اب دعا کو عبادت سے بدل کر حقیقت واضح کر دی کہ دعا ہی عبادت ہے، چنانچہ اس کی تائید دوسری جگہ سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي
سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔

اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ

دعا ہی عبادت ہے۔ (۱)

(۱) تخریج تفسیر ۲۹۰، ۱۶۰، ۱۳۰ اس کی سند صحیح ہے۔ فتح دارالرحمہ ۴/۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳ اس کی سند ضعیف ہے۔

زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أَبِيهِ فَبَكَى مِنْ حَوْلِهِ فَقَالَ
اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَهُ يُوَظَّنُّ لِيْ وَأَسْتَأْذَنْتُ فِي أَنْ أُرْوَرَ
قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِيْ فَرَوَّزُوا الْقُبُورَ فَإِنَّمَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ کے ساتھی
روپڑے اور (آپ نے) فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لئے بخشش
مانگنے کی اجازت چاہی تھی مگر نہ ملی پھر میں نے قبر کی زیارت کے لئے درخواست کی
تو منظور ہو گئی پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ ان کی زیارت کرنے سے اپنی
موت یاد آتی ہے۔ (۱)

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کے لئے
بخشش مانگنے کی اجازت چاہی اور وہ نہ ملی تو جو لوگ بزرگوں کی قبروں پر جاتے ہیں اس لئے کہ
شرکیہ افعال کریں وہ ایسا کر کے ان بزرگوں کی شفاعت کے مستحق کیونکر ہو سکتے ہیں، جبکہ شرک
شفاعت ہی کے منافی ہے۔

زیارت قبور سے مقصود کیا ہونا چاہئے؟

غرض جب معلوم ہو گیا کہ زیارت قبور سے ذکر موت و آخرت ہے تو موت و آخرت کو یاد
کرنے، دنیا سے بے رغبتی حاصل کرنے اور اہل قبور کے لئے بخشش مانگنے کی غرض سے اگر کوئی
سنت کے مطابق زیارت کے لئے جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں اور جو لوگ اس کے برخلاف
طلب حاجات اور ارتکاب منکرات کے لئے وہاں جاتے ہیں، ممکن ہے ایسے زائرین پر لعنت کے
مستحق بھی ہو جائیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض زائرین پر لعنت بھی فرمائی
ہے۔ ابو یوسفی ترمذی، امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ رحمہم اللہ اجمعین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لُعِنَ ذُوَا زَاتِ الْقُبُورِ. (۱)

کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت ہے۔

(۱) تحریح دا جنازہ ۷۸ - ص ۱۲۱۶ - ن / ج ۱۰۳ - ح ۱ / ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱

بعض علما نے کہا ہے کہ عورتوں پر قبروں کی زیارت اس لئے منع ہے کہ عورتیں نرم دل ہونے کی وجہ سے رونے پینے سے باز نہیں رہ سکتیں اور بین کرنے لگتی ہیں جو حرام فعل ہے، غرض وہی زیارت لعنت کا موجب ہوگی جس میں خلاف شرع امور کا ارتکاب ہوتا ہو خواہ ایسا کرنے والی عورتیں ہوں یا مرد اسی طرح وہ زیارت جائز و مباح ہے جو مسنون طریقہ سے کی جائے خواہ مستورات ہی کریں یا مرد، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سید الشہید احمدہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی قبروں کی زیارت کی۔

زیارت قبور کا مسنون طریقہ

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت میں کیا کرنا چاہئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا دستور رہا ہے، مشکوٰۃ باب زیارت القبر پہلی فصل میں بروایت مسلم پریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ

پہلی حدیث

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْقَبْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَأَنَا أُنْشِئُ اللَّهُ بِكُمْ لِلْآخِرُونَ نَسْنَالُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھایا کرتے تھے کہ جب کسی قبرستان میں جائیں تو یوں کہیں سلامتی ہو تم پر اے ہستی کے پاسی۔ مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت مانگتے ہیں۔ (۱)

اسی باب کی دوسری فصل میں بحوالہ ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مدینہ کے قبرستان سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

(۱) تخریج، مسلم بروایت پریدہ مشکوٰۃ باب زیارت القبر

دوسری حدیث

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ وَأَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْآثِرِ
اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخش دے تم ہمارے سلف ہو اور ہم

تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ (۱)

تیسری حدیث

اور تیسری فصل میں مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا میں اگر قبرستان میں جاؤں تو کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا: یوں کہا کرو:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَخْرِينَ وَإِنَّا أَنْشَاءُ اللَّهُ
بَكُمْ لَاجْفَؤُنَ۔ (مسلم بروایت عائشہ۔ باب زیارة القبور)

سلامتی ہو اس بستی کے باسی مومنوں! اور مسلمانوں! تم پر، اللہ تعالیٰ ہمارے اگلوں اور
پچھلوں پر رحم فرمائے۔ ہم بھی انشاء اللہ تم سے آٹنے والے ہیں۔

ان تینوں حدیثوں کا مفہوم

ان تمام احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی
اللہ عنہم کے نزدیک زیارت قبور سے بجز ذکر موت و یاد آخرت کے کوئی اور چیز مقصود نہ ہوتی تھی اور
آپ اپنے لئے اور اہل قبور کے لئے دعائے رحم و مغفرت فرمایا کرتے تھے، تاکہ اہل قبور کو زندوں
کی دعائے مغفرت سے فائدہ پہنچے اور ہمیں بھی اس کا رخیہ سے اجر نصیب ہو۔ کیونکہ کسی کا اپنے
لئے اور مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا مشترکہ طور پر دونوں کے واسطے موجب ثواب ہے۔

لیکن جو لوگ فائدہ حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے کے لئے زیارت کرتے ہیں اور
بزرگوں کی روجوں کو تمام حالات سے باخبر جان کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ ان سے دعائیں
کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ہماری فلاں حاجت پوری کرو اور فلاں مشکل حل کرو تو ان لوگوں کے
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سب اس

(۱) ترمذی بروایت ابن عباسؓ، وقال ہذا حدیث حسن غریب۔ مشکوٰۃ باب زیارة القبور

نئے دین سے سخت بیزار ہیں۔

بچنے کا طریق

مسلمانوں کو چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و اقوال کی پیروی کریں۔ جن کو ہزار ہا دیندار متقی اہل علم نے جمع کیا اور زید و بکر کے بے سرو پا اقوال کے پیچھے نہ جائیں، جن کی صحت کی کوئی صحیح سند نہیں ملتی۔ اس فتنہ کے زمانے میں لازم ہے کہ اپنے بزرگوں کے اقوال کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کے میزان میں تول لیا کریں۔

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَفْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ (سورہ ہود: ۱۰)

کیونکہ اس شرک و بدعت کے زمانے میں رحمت الہی کے سوا بچانے والا کوئی نہیں۔

اختلاف فتنہ ہے جس نے قوموں کو ہلاک کر دیا

مسند احمد ایسے فتنوں کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بواسطہ وحی ظاہر ہو گیا تھا کہ اختلاف اور تفریق کا سمندر میری امت کو بھی قوم نوح علیہ السلام کی طرح طوفان ضلالت و گمراہی میں غرق کر دے گا۔ اور میرے اور میرے اصحاب اولاد (رضی اللہ عنہم کی) جو حقیقی معنوں میں میرے اہل بیت ہیں، سنت کی کشتی میں سوار ہوئے بغیر کوئی صورت بچنے کی باقی نہ رہ جائے گی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باواز بلند فرمایا:

أَلَا إِنَّ أَهْلَ بَيْتِي فِيكُمْ مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مِمَّنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمِمَّنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا

هَلَكَ

میرے اہل بیت تمہارے لئے سفینہ نوح کی مانند ہیں، اس ناؤ میں بیٹھ گیا نجات پائے گا، اور جس نے اس میں بیٹھنے سے پس و پیش کیا وہ ضرور ہلاک ہو گیا۔

حدیث اہل بیت

بظاہر یہ حدیث صرف اہل بیت کے تعریف میں معلوم ہوتی ہے چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں اس کو اہل بیت ہی کی تعریف میں لائے ہیں، مگر معنای خلفائے راشدین رحمہم اللہ بھی اس میں شامل ہیں جیسے عرابض بن ساریہ رضی اللہ عنہ والی حدیث شاہد ہے

جو صحاح اور سنن میں وارد ہے، کہ خلفائے اربعہ کے ذکر میں اہل بیت بھی داخل ہیں اور وہ حدیث میں وارد ہے، کہ خلفائے اربعہ کے ذکر میں اہل بیت بھی داخل ہیں اور وہ حدیث یہ ہے۔ (۱)

مَنْ يَعْشُ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرِي اخْتِلَاْفًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِي تَمَسَّكُوْا بِهَا وَغَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُوْر فَإِنَّ كُلَّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بدعات سے بچو کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

غرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی تمام مسلمانوں کے لئے ہر زمانہ ہر مقام میں لازم و واجب ہے۔ اور یہ متابعت کسی شخص کی خاطر چھوڑی نہیں جاسکتی اور فاسقوں کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جان بوجھ کر سنت کو ترک کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَمَلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ. (۲)

جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین کے مطابق نہیں ہے وہ مردود ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ایسے شخص کا اتباع کرنا بھی ٹھیک نہیں اور دانستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت چھوڑ کر بیروں فقیروں کی اطاعت کرنا ان کو معبود بنا لینے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو احبار و رہبان کا پرستار اسی لئے کہا کہ وہ ان کا اسی قسم کا اتباع کرتے تھے۔ جب آیت اِتَّخَذُوْا اٰخِيَارَهُمْ وُرُثِيَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳) نازل

(۱) تخریج، احمد، ابوداؤد، ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(۲) مسلم بروایت حضرت عائشہؓ باب نقص الاحکام الباطلہ و رد محذات الامور

(۳) الدرر (۱۷۳/۳) اخرجه ابن سعد وعبد بن حميد والترمذي وحسة وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی وابو الشيخ وابن مردويه والبيهقي في سننه عنه واللفظ، قال اتيت النبي وهو يقرأ في سورة براءة (اتخذوا) وقال ما انهم لم يكن بعد ولعنهم ولكنهم كانوا اذا حلوا لهم شينا استحلوه واذا حرموا عليهم شينا حرموه

ہوتی تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے ان کو کس لئے عالموں اور دہلیزوں کا پرستار کہا حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جس حرام چیز کا حبار اور جہان حلال کرتے تھے اسے حلال جانتے تھے اور جس حلال چیز کو حرام کرتے تھے، حرام جانتے تھے۔ حالانکہ ان کا حکم شریعت کے صریح مخالف ہوتا تھا اور یہی ان کی پرستش ہے۔

مقبولیت بارگاہ الہی کی علامت

صراطِ مستقیم میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام اور واجب یا مستحب قرار دے کر لوگوں کو اس پر چلنے کا حکم دیتے ہیں وہ اپنے متبعین سے کہیں زیادہ ملامت کے قائل ہیں جو ان کا کہنا مانتے ہیں۔
سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي الْأَنْعَمَ الْمُضِلِّينَ (۱)

مجھے اپنی امت کے گمراہ کن اماموں کا خوف ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

يَكُونُ أُمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهَدَايَتِي وَلَا يُسْتَشَوْنَ بِسُنَّتِي وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ. (۲)

میرے پیچھے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نہ میری ہدایت پر عمل کریں گے اور نہ میری سنت پر چلیں گے، ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوں گے ان کے پیشوا جن کے دل شیطانوں جیسے ہوں گے۔

غرض مقبولیت بارگاہ الہی کی علامت یہ ہے کہ تمام اوامر و نواہی میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی جاوے اور درگاہ ایزدی سے مردود ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جملہ امور میں کسی

(۱) بردایت ثوبان بحوالہ مشکوٰۃ (کتاب الفتن)

(۲) مسلم بحوالہ مشکوٰۃ (کتاب الفتن)

ایک سنت کی بھی مخالفت کی جائے اور اس قانون میں امیر و فریب سب برابر ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ساکان منزل عشق الہی کے لئے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمادیا ہے کہ ان کو کہہ دیجئے۔

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تمہیں چاہئے میری پیروی کرو اگر تم ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہاری خطائیں بخش دے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی محبوبیت اور گناہوں کی مغفرت کا حاصل کرنا بغیر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے ناممکن ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین کا اتباع بھی جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں داخل ہے، اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دینی امور میں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا وہی کرے۔ اور جس چیز سے انھوں نے پرہیز کیا اس سے بچ کر رہے تاکہ صحیح معنوں میں سنت کا قیام یاسنی ہو جائے۔

عقائد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مطابقت ضروری ہے

کسی شخص کا زندگی کے سارے اعمال و احوال میں سنت کا ایسا پابند ہو جانا کہ کوئی عمل بھی سنت کے خلاف نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص کے بغیر محال ہے ہاں اتنی بات ہر مسلمان کے لئے ضروریات ایمان سے ہے کہ عقائد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مکمل اتفاق کرنا ہو کیونکہ علمائے محققین نے فرمایا ہے کہ درجات و مراتب میں فرق ہو تو عقائد کے لحاظ سے تمام خاص و عام مسلمان برابر ہیں۔

معیار صحت

مناسب ہے کہ گور پرستی اور پیر پرستی جو کہ ان بزرگوں کے عقیدوں کے خلاف ہے کہ تحقیق قرآن مجید کی محکم آیتوں سے کریں۔ مگر خیال رہے کہ اگرچہ قرآن مجید فاسد خیالات اور بیمار قلوب کے لئے اکسیر بن کر آیا ہے لیکن اگر اس پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے احکام کی

خلاف ورزی بھی کر لی جائے تو اس روگ کا کوئی علاج نہیں اور ایسا کرنا اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے۔

وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا.

ہم نے جو کچھ قرآن میں نازل کیا ہے تو وہ یقین کرنے والوں کے لئے روح کی ساری بیماریوں کی شفا اور رحمت ہے۔ اور جو نافرمان ہیں تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں۔ بجز اس کے کہ انکار و بد بختی کی وجہ سے اور زیادہ تباہ ہوں۔

بالفاظ دیگر کلام پاک بمنزل مفید و اوصالح غذا کے ہے کہ جس سے صحیح مزاج کے لوگ تو مستفید ہوتے ہیں اور طاقت ور ہو جاتے ہیں مگر فاسد مزاج کے لوگ کے اجسام میں داخل ہو کر ان کے مرض یعنی دنیا اور آخرت کے خسارہ کو اور زیادہ کرتا ہے۔

شعر

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

درباغ لاله روید دور شورہ بوم خس

بارش کی برکت میں کلام نہیں فرق یہ ہے کہ اسی سے باغ میں گل ولالہ اُگتے ہیں اور بخر زمین میں گھاس پھوس۔ اور فرمایا:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَجَسًا
كَذَلِكَ نَصَرَفَ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُشْكِرُونَ.

اور دیکھو اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے مگر جو زمین کثمتی ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا مگر یہ کثمتی چیز پیدا ہو، اس طرح ہم حکمت و عبرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لئے دہراتے ہیں جو خدا کی نعمتوں کے شکر گزار ہیں۔

اور فرمایا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ
لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ.

جنی کہیں گے ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس زندگی کی راہ دکھائی

ہم بھی اس کی راہ کبھی نہ پاتے اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا۔
 بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے۔
 اور فرمایا:

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (۷۴۲)
 ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک دوزخ میں۔

اسوۃ ابراہیم علیہ السلام

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عہد میں موافقت رکھنا ضروری ہے تو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی حاجات و مہمات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے انسان کی طرف توجہ نہیں کی۔ چہ جائیکہ وہ بتوں کی طرف رجوع کرتے۔ وہ ساری مخلوق کو رب العزت کے مقابلہ میں اپنی طرح پتیارہ و عاجز سمجھتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بھاگ کر اس کی رضا کی طرف دوڑتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ تمام مسلمانوں کے ہادی و پیشوا ہیں، جس وقت آپ تحقیق سے جدا ہو کر آتش نمرود کی طرف فضا میں سے جا رہے تھے اس وقت آپ نے اپنے قول و فعل سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا اور رہنمائی کی۔ ان میں سے ایک یہ کہ ایسے حالات میں ہر مومن پر آپ کا اتباع لازم ہے۔ دوسرے یہ کہ مقربان بارگاہ الہی کو وہ شرف عطا کیا گیا ہے کہ عوام اس کو بمشکل حاصل کر سکتے ہیں۔ معتبر کتب و تاریخ و تفاسیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر کہا:

جس بات کی ضرورت ہو بتائیے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا اِنَّكَ حَاجَتِي۔ کچھ بھی ہو آپ کی حاجت نہیں۔ جبرائیل نے کہا تو اللہ تعالیٰ ہی کی درگاہ میں دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا حَسْبِيَ عَنْ سِوَالِہِ عَلَمٌ بِخَالِہِ۔ دعا کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ میرے حال سے بخوبی واقف ہے۔ دونوں عبارتوں پر غور کیجئے۔ کہ پہلے جملہ کی ترکیب نحو یوں کے نزدیک دراصل مَہْمَا یُکُنْ مِنْ بَلَاوٍ فَلَا حَاجَتَہُ اِلَیْکَ ہے جو دوسروں کے سامنے حاجت پیش کرنے کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ

غیر، خدا کا رسول ہی کیوں نہ ہو، علما محققین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانوں میں سے ایک امتحان تھا کہ خدائے تعالیٰ نے جس طرح آپ کو کلمات کی آزمائش میں ڈالا تھا ویسا ہی معاملات میں بھی آزمایا اور جبرائیل علیہ السلام کے آنے کی علت میں لکھا ہے کہ جبرائیل کو آپ کے حال زار پر رحم آیا۔ پس اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو ان کی مدد کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا اور پوچھ۔

ابتلا کے اس واقعہ کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ اپنے خزانہ پر کسی شخص کو مقرر کر کے ہدایت کرے کہ میرے سوا کسی کو خزانہ کی چابی نہ دینا۔ پھر خود ہی اس کی اطاعت کا امتحان لینے کے لئے اپنے ایک مقرب کو بھیج دے کہ جا کر چابی طلب کرو، مگر یہ نہ کہتا کہ بادشاہ نے چابی کے لئے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے۔ اب اگر وہ بادشاہ کی ہدایت خاص کے مطابق اس کو بھی چابی نہ دے تو بادشاہ جان لے گا کہ یہ شخص واقعی وفادار ملازم ہے۔

اسوۂ حضرت اسحاق علیہ السلام

لکھا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی خواہش یہ تھی کہ ان کے بعد ان کا بڑا بیٹا عیسیٰ علیہ السلام نامی وارث نبوت قرار پائے، لیکن اس خواہش کی تکمیل کے لئے آپ نے اپنے والد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی روح سے مدد نہ چاہی اور بنگم خداوندی کہ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ **هُوَ الْفَاحِشُ فَوْقَ عِبَادِهِ** عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے یعقوب علیہ السلام نبی ہو گئے۔

اسوۂ یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے صدمہ جدائی میں اس قدر رخت حال ہوئے کہ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور پکارا غم۔

يَا سَفَى عَلَى يُوسُفَ وَأَبْيَضْتُ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ

آہ! یوسف کا درد فراق! اور شدت غم سے روتے روتے اس کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اس کا سینہ غم سے لبریز تھا۔

لیکن باوجود اس بے قراری کے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آبائے کرام سے جو سب کے سب نبی تھے، اور ان کی ازواج مطہرات سے جو امہات المومنین تھیں، کبھی مدد نہ چاہی،

حالانکہ یہ سب آپ کے قریب مدفون تھے۔ آپ نے بڑی سے بڑی تکلیف میں اگر کہا تو یہ کہا:

إِنَّمَا أَشْكُوا بَثْنِي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ

میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔

سورہ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول نقل ہے چونکہ انما کلمہ صر ہے جس سے معلوم ہوا کہ استمداد تو رہی درکنار، آپ نے کبھی کسی سے اپنا حال دل بیان نہیں کیا، چنانچہ آپ کا دوسرا قول ہمارے مطلب کی تائید کر رہا ہے، جہاں آپ فرماتے ہیں:

وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ

اور جو باتیں تم بتاتے ہو، ان میں اللہ کی مدد درکار ہے۔

اُسوۂ یوسف علیہ السلام

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھو جنھوں نے عزیز مصر کے گھر میں اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ مبارک دیکھ کر ایک نہایت ہی اہم آزمائش سے نجات پائی تھی۔ جب قید خانہ کی مصیبتیں جھیل رہے تھے، کبھی والد ماجد کی روح سے مدد نہ چاہی بلکہ اس کے برعکس دوسرے قیدیوں کو بھی (جو غیر اللہ کی محتاجی کرنے کے عادی تھے) غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر خالص ایک خدا کا محتاج رہنے کے قائل کر دیا۔ قرآن مجید میں آپ کا تبلیغی خطبہ مذکور ہے:

يٰۤاَصْحٰبِىَ الْبَنٰى اٰرٰىكُمْ اَنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ خَيْرَ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۚ اِلَّا اَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍۭ اِنْ اِلَٰهَكُمْ اِلَّا اللّٰهُ اَمْرٌۭ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُۚ ذٰلِكَ السَّبِيْۤتُ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ

اے ہر دو یا ران مجلس! کیا بہت سے رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ تم اس کے سوا جن ہستیوں کی پوجا کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو، یہی اصل دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

صاحبی البجن کی تفسیر صوفیا کے نزدیک

صوفیائے کرام جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے پیرو تھے ان کے نزدیک دو قیدیوں سے مراد دو قسم کے لوگ ہیں، اول جو سیم و زر کے غلام ہیں، خدا ان پر لعنت کرے اور یہ امر اور سلاطین کا طبقہ ہے۔ دوسرے وہ جو نفس نابکار کے غلام ہیں، جن کی بے عزتی ذات باری تعالیٰ نے خود کی ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ

کیا تم نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا۔

یہ گروہ شدید ترین دشمن، یعنی نفس کا غلام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ

سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔ اور جان لینا چاہئے کہ حکومت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَوْ يَقُولُ خَيْرٌ صَادِقٌ صَلَّى اللہ علیہ وآلہ وسلم

الَّذِينَ سَجُنَ الْمُؤْمِنِينَ وَجَنَّةَ الْكَافِرِينَ (۱)

دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

جس کا مفہوم دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ آخرت کافروں کے لئے قید خانہ اور مومنوں کے لئے جنت ہوگی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ

جناب پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے ساتھ اکثر جنگیں پیش آئیں اور دشمنوں کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار تکلیفیں اٹھائیں۔ خصوصاً مکی زندگی میں آپ سخت بیماری کی حالت میں تھے مگر باوجود اس کے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ارواح سے کبھی مدد نہیں مانگی، حالانکہ منصب ہدایت کے علمبردار ہونے کے ساتھ وہ آپ کے جدا مجد بھی تھے۔

(۱) مسلم بروایت ابو ہریرہؓ۔ مشکوٰۃ کتاب البرفاق

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی قبر پرست کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مکہ سے بہت دور تھی، اس لئے آپ معذور تھے، تو اسے کہنا چاہئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر تو حطیم کعبہ کے اندر تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم بھی تھی کیونکہ آپ نے ہجرت سے پہلے، اس پر کوئی چیز بطور نذر نہ چڑھائی حالانکہ آپ ان دنوں خوشحال بھی تھے اور غم و فکر کی حالت میں اس پر چہرہ نہ ملا؟ مگر اصل بات یہ ہے کہ آپ جیسے مظہر رشد و ہدایت سے شرکاء نہ افعال کا صدور ہی ناممکن تھا۔ (۱)

واقعہ معراج

واقعہ معراج سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا مگر اس واقعہ میں کہیں بھی درج نہیں کہ ان سے کسی قسم کی مدد مانگی ہو، بلکہ واقعہ معراج سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس کسی سے ملاقات ہوئی، آپ کی طرف سے انہیں کو نفع پہنچا۔ چنانچہ بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقتدی ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام ٹھہرے اور آپ کا ان کو پہلے اسلام علیکم کہنا (جو ایک قسم کی دعا ہے) اسی غرض سے تھا۔ اسی طرح بعض کا آپ کو مرحبا بنی الصالح اور بعض کا مرحبا بنی الصالح کہنا اسی بات کی دلیل ہے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفع عظیم پہنچا۔ اسی لئے انھوں نے مرحبا کہا: (۲)

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث معراج میں مروی ہے۔ (۳)

فَرَضَ اللَّهُ عَلَى أُمِّي خَمْسِينَ صَلَوةً فَرَجَعْتُ بِكَ حَتَّى مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى فَقَالَ مَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَوةً قَالَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَطِيقُ ذَلِكَ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا. إِلَى آخِرِهِ

(۱) صاحب النعمات الدرجات مرقات ہر دو حضرات نے اس کا اثبات کیا ہے۔ اس پر کلام ہے

(۲) مسلم بروایت ابو ہریرہؓ۔ بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب الحجرات

(۳) تخریج متفق علیہ بروایت ابو ذرؓ۔ مشکوٰۃ باب الحجرات

اللہ تعالیٰ نے معراج میں میری امت پر ۵۰ نمازیں فرض کیں۔ میں لوٹا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام طے انھوں نے پوچھا آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے کیا کچھ فرض کیا گیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں: موسیٰ علیہ السلام بولے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائیں اور کمی کرائیں، کیوں کہ آپ کی امت سے اتنا بوجھ نہ اٹھایا جائے گا چنانچہ میں پھر اللہ تعالیٰ کے پاس گیا اور نصف معاف ہو گئیں۔ الی آخرہ۔

تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کا مدد مانگنا نہیں ہے۔ یہ تو بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالم بالا کی وہ کیفیت باوجود قرب اتم حاصل ہونے کے، اب تک معلوم نہ ہو سکیں، جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوراً منکشف ہو گئی۔ یہی سبب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دور یافت کرنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا۔ مدد طلب کرنے کی تو یہ صورت ہوتی کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بالا راہ تشریف لاتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہے آپ اس میں کمی کے لئے سفارش کریں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لے جاتے اور یہ تخفیف عمل میں آتی مگر یہاں تو بات ہی اور ہے۔ حدیث کے الفاظ میں حررت علی موسیٰ یعنی موسیٰ علیہ السلام پر میرا گزر ہوا۔ ظاہر ہے کہ کسی پر گزر ہونا ایک اتفاقی بات ہے جس میں قصد و عزم کو دخل نہیں۔

ایک اور اعتراض

اگر کوئی پیر پرست کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اتم حاصل تھا۔ اس لئے آپ کو کسی واسطہ کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ بغیر کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے، مگر بزرگوں کی ارواح کو واسطہ بنانے کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہم پیغمبر اور رسول نہیں مگر چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ تو ان جاہلوں کو سمجھنا چاہئے کہ حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اللہ کے رسول نہ تھے اس پر بھی مہمات دینی و دنیوی میں تمہاری مانند صاحب گنبد خضراء حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد نہیں مانگتے تھے۔

باب تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسوہ صدیق رضی اللہ عنہ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو سال سے زیادہ خلافت کی۔ اور اس مدت میں آپ کو کئی قسم کی تکلیفیں پیش آئیں مگر کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے کسی بھی مصیبت میں صاحب گنبد خضر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگی ہو اور آپ ایسا شریک فعل کیوں کر کر سکتے تھے۔ جب کہ اس کے برعکس آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے موقع پر اپنی تقریر میں پیر پرستی کی ایسی تردید کی کہ اس کی بیخ و بنیاد ہی ہمیشہ کے لئے اکھاڑ کے رکھ دی۔

واقعہ رحلت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لکھا ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ صدمہ جدائی کے سبب ایسے پریشان حال اور حواس باختہ ہو گئے تھے کہ کسی کو یہ کہنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرے مکان میں کسی دوسرے محلہ میں تشریف لے گئے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو بلوا بھیجا تو آپ آئے اور حجرہ کے اندر تشریف لے گئے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک تھا، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پڑھا۔ (۱)

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ

(اے نبی!) آپ کو بھی مرنا ہے اور ان (لوگوں) کو بھی مرنا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تقریر

پھر مسجد نبوی کے اندر تشریف لائے، کھڑے ہو کر حمد و ستائش الہی کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ

(۱) حوالہ (الدر المنثور ۳/۳۳۷، ابن المنذر عن ابی ہریرۃ والبیہقی فی الدلائل عن عروۃ) مصنف نے ابن المنذر والی روایت لی ہے۔

عَلَىٰ أَغْفَابِكُمْ وَمَنْ يُنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَن يَمَسُّهُ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اگلے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی راہ حق سے اگلے پاؤں پھر جائے گا تو وہ (اپنا ہی نقصان کرے گا) خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور جو لوگ شکر گزار ہیں تو قریب ہے کہ خدا انہیں ان کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ لوگوں کو ڈرایا جائے تاکہ یہ لوگ اس حادثہ عظیم کے سبب سے حواس باختہ ہو کر دین میں سست نہ ہو جائیں۔ پھر فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَتَّبِعُ مُحَمَّدًا فَقَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ أَيْكِ رَوَايَةٍ فِيهِ (فَإِنَّ قَدْ مَاتَ) وَمَنْ كَانَ يَتَّبِعُ اللَّهَ فَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ

لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ زندہ و قائم ہے کبھی فوت نہ ہوگا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بے نظیر تقریر کو سن کر ہوش و حواس قائم کئے، صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ آیت ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ“ گویا ہمارے سینوں سے محو ہو گئی تھی۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھی تو ہمارے سینے روشن ہو گئے۔

اسوۃ فاروقی رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسوۃ حسنہ بھی پیر پرستی و گور پرستی کی بنیاد اکھڑ دینے والا ہے اور بزرگوں کی متروکہ اشیاء کی تعظیم کو مٹا دینے والا ہے۔ آپ نے ایک موقع پر اپنے ہمراہیوں سے فرمایا تھا جب کہ وہ ایک مقام پر نماز پڑھنے کے لئے لپک کر جا رہے تھے، جہاں ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاقاً یہ نماز پڑھی تھی۔

إِنَّمَا هَٰذَا كَمَا كُنْتُمْ تُكَلِّمُونَ الْمَلَائِكَةَ إِنَّمَا يَنْتَبِهُونَ أَفَأَنْتُمْ لَا تَتَذَكَّرُونَ

تم سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ انبیاء علیہم السلام کے نشانات کی پیروی کرتی

تھیں اور انہیں کو قابل عبادت بنا لیتی تھیں)

اسوۂ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۱

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں خطبہ کہنے کے وقت پاس ادب منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پایہ کو چھوڑ دیا کرتے تھے جس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں دو پائے چھوڑ دیا کرتے تھے ایک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور دوسرا خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا۔ شیخین کا یہ عمل اتفاق اور عادت کے طور پر تھا۔ عبادت کے خیال سے نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جرات سے کام لیا اور باوجود اپنے بے مثل ادب اور حیا کے منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے ہی پایہ پر کھڑے ہو گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پایہ تھا۔ آپ نے یہ فعل اس لئے کیا کہ لوگ شیخین کے معمول کو بزرگوں کے موقف اور نشست گاہ تعظیم کیلئے حجت نہ بنا لیں اور شرک خفی اور پیر پرستی کے فتنہ کا دروازہ نہ کھل جائے کیونکہ یہی وہ فتنہ ہے جو پہلوؤں میں تعظیم کے نام سے شروع ہوا اور پچھلوں میں اسخذوا ارباب من دون اللہ تک پہنچ کر رہا اور ضرور ہے کہ امت مرحومہ کے حق میں بھی اسی طرح ہوتا، کیوں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ لَيَرْجِيَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (۱)

بخدا تم وہی طریقے اختیار کرو گے جو انہوں نے کئے۔

اور بعض روایتوں میں شبرا شبرا فرمایا۔ یعنی ہر وہ گناہ جو پہلی امتوں میں رواج پا گیا تم میں بھی ہونے لگے گا، الحمد للہ کہ اس فتنہ کا دروازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بند ہو گیا۔

اسوۂ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۲

جس طرح مذکورہ بالا فعل سے فتنہ تعظیم کی ابتلا رک گئی اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک اور فعل سے ایک دوسرے فتنہ کی مدافعت بھی ہو گئی کہ وہ پیشواؤں کے غیر شرعی امور و افعال سے چشم پوشی کرنے کا فتنہ ہے اور ان کے خلاف شرعی احکام کی تعمیل کو بھی واجب جاننا ہے حالانکہ یہی اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنانا ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جو

(۱) حوالہ ترمذی، برہانیت الہی، بحوالہ مشکوٰۃ باب النعم

اعمار بعد میں سے ہیں، طحاوی، ابوبکر بن شیبہ اور ابن عبد البر رحمہم اللہ اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں:

إِنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بِالنَّاسِ بِمَنْىَ أَرْبَعًا فَأَنْكَرَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَأَهَّلْتُ بِسُكَّةٍ مِنْذُ قَدِمْتُ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَأَهَّلَ بِبَلَدَةٍ فَلْيَصِلْ صَلَوةَ الْمُقِيمِ فِيهَا. (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں لوگوں کے ہمراہ چار رکعت نماز پڑھی (حالانکہ مسافر ہونے کی وجہ سے صرف دو پڑھنی ضروری تھیں) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ منیٰ میں دو گنا نہی پڑھتے تھے) لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا لوگو! جس وقت سے میں مکہ میں آیا ہوں میں نے باقاعدہ یہیں سکونت اختیار کر لی ہے، یعنی مکہ میں میرے اہل و عیال موجود ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں باقاعدہ اہل بنا لے اس کو چاہئے کہ اس شہر میں پوری نماز ادا کرے۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ منیٰ میں دو گنا نہ پڑھا کرتے تھے۔ مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے حج کیلئے تشریف لائے تو آپؐ نے لوگوں کے ساتھ چار رکعت نماز پڑھی اور ہر چند کہ دو رکعت چار رکعت میں داخل ہیں، مگر پھر بھی یہ سب تغیر، سنت صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے اس فعل پر انکار و اعتراض کیا اور جب تک آپؐ سے معقول شرعی عذر نہ سن لیا، خاموش نہ رہے، حالانکہ آپؐ اس وقت کے خلیفہ اور سب کے امام پیشوا تھے تو آپؐ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت مسافرانہ ہوتی تھی، اس لئے آپ دو گنا نہ پڑھا کرتے تھے، مگر میری حالت اس سے مختلف ہے۔ بات یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آتے ہی مکہ شریف میں ایک عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس لئے آپؐ کی حالت مکہ شریف میں مقیم کی سی ہو گئی تھی اور ایسی صورت میں اجماع کا فیصلہ ہے کہ پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیشواؤں کے ان احکام و اعمال پر اعتراض نہ کرنا جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہوں اور پیر پرستوں کا یہ کہنا کہ پیر جو کچھ حکم دے اس کو بلا تاویل ماننا ضروری ہے اور اس کی دلیل میں شعر پیش کرنا کہ:

(۱) حوالہ طحاوی باب صلوة المسافر

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بیاید گفت ایک ماہ و پرویں (۱)

بالکل افواہ اور بے ہودہ عذر ہے۔

اسوۃ فاروقی رضی اللہ عنہ

اس فتنہ کے دور کرنے کی تائید میں ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جس میں ان کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی آیات اتریں، وہ واقعہ (۲) یہ ہے کہ جب مشہور منافق عبداللہ بن ابی بن سلول مر گیا تو اس کا بیٹا، جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا اور وہ مجلس منومن تھا۔ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میرے باپ کی قبر پر تشریف لے چلے اور اس کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی ولداری کے لئے تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنی چاہی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر پکڑ لی اور کہا یا رسول اللہ..... آپ ایک منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہوئے اور نہ دعا فرمائیے، کیونکہ وہ خدا (اور اس کے رسول کا) دشمن تھا۔ اسی جگہ نزول وحی ہوا اور یہ آیت کریمہ اتری۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَدَا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع کرنے کا حق حاصل تھا اور اس پر نہ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہیں ہوئے بلکہ اس کی تائید و موافقت میں آیت نازل ہوئی، جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کی دلیل ہے تو لازم آتا ہے کہ نہ تو

(۱) اگر بادشاہ کہے دن کو کہ اس وقت رات ہے تو جواب میں یہی کہنا چاہئے کہ ہاں! یہ دیکھئے چاند اور تارے۔

(۲) حوالہ مسلم بروایت ابن عمر۔ باب فغائل عمر

پیروں کے آداب حد سے زیادہ بڑھائے جائیں، نہ ان کے اتباع کو سنت کے اتباع پر ترجیح دی جائے کیوں کہ ایسا کرنا سچے مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
نُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۵: ۱۱۵)

اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس پر امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے ہوئے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بری جائے قرار ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ:

أَنْتَظِرُ إِلَىٰ مَا قَالَ وَلَا تَنْتَظِرُ إِلَىٰ مَنْ قَالَ

جو بات کہی گئی ہے اس کو دیکھ۔ کہنے والے کی طرف مت دیکھ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ایسی مکمل فصاحت ہے کہ ہمیشہ کام آنے والی ہے۔ دجال کے عہد میں جن لوگوں کا عمل اس کے خلاف ہو گا وہ اس کی کرشمہ سازیوں اور شعبدہ بازیوں کی پہلی ہی جھلک میں گمراہ ہو جائیں گے اور ہر اس راہ کو جو جہنم کی طرف جاتی ہے جنت کی راہ سمجھ کر اس کے پیروؤں میں داخل ہو جائیں گے۔

خیر الناس کا قصہ (۱)

صحیحین میں ایک واقعہ دجال کے ذکر میں آتا ہے کہ جب دجال مدینہ کے قریب ایک نجر زمین میں پہنچے گا تو ایک شخص جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ

وہ سب لوگوں سے اچھا ہو گا یا اچھے لوگوں میں سے ہو گا۔

دجال کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی نسبت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

دجال حاضرین سے کہے گا اگر میں اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو کیا میری

(۱) متفق علیہ بروایت ابوسعید خدریؓ بحوالہ مشکوٰۃ باب بین یدی الساعۃ

صداقت میں کچھ شک ہے۔ اس کی جماعت کے لوگ کہیں گے نہیں تو دجال اس کو قتل کر دے گا مگر وہ شخص پھر بھی یہی کہے گا کہ اب تو مجھے یقین آ گیا ہے کہ تو واقعی دجال موعود ہے، کیونکہ اس واقعہ کی خبر بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیشین گوئی میں دے دی ہے۔ اب کے دجال دوبارہ اس کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا مگر نہ کر سکے گا۔

الحمد للہ کہ ایمان و اسلام کا انحصار خلاف معمول باتوں کے ماننے پر نہیں رکھا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی شخص بھی دجال کے عہد میں کفر سے نہ بچ سکتا۔

حاصل یہ کہ اس وقت بھی ہم پر لازم ہے کہ کسی کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل کے موافق ہو تو مانیں ورنہ رد کریں۔ نہ اس پر عمل کریں اور نہ اس کو حجت جانیں۔

باب ذکر المشائخ

مشائخ کا فعل حجت نہیں

شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ

شیخ الاسلام نصیر الدین محمود قدس سرہ جو چراغِ دہلی کے نام سے مشہور ہیں، سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے، آپ نے فرمایا ہے کہ مشائخ کا کوئی فعل حجت نہیں، بعض لوگوں نے آپ کے اس قول پر اعتراض کیا تو حضرت سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کرنے والوں سے کہا کہ محمود صحیح کہتا ہے۔

شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

سیر المشائخ میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے اپنی نشست گاہ سے باہر تشریف لائے، آپ کے مرید وضو کر رہے تھے، جب آپ کو دیکھا تو وضو چھوڑ دیا۔ لیکن ایک مرید وضو کرتا رہا اور فراغت پا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا حضرت شیخ نے اس کی یہ اداسی کی اور اس سے کہا ”بھائی تو نے اچھا کیا کہ خدا کی تعظیم کو مخلوق کی تعظیم پر مقدم رکھا۔“

اسوۃ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لوگوں کو آداب سکھانے کیلئے اس سے بڑھ کر ایک واقعہ حدیث میں آتا ہے کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کیلئے یمن سے مدینہ آئے۔ ابھی اونٹوں پر ہی تھے کہ چہرہ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیا سب کے سب اونٹوں سے نیچے کود پڑے اور بھاگ کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ مگر اس جماعت میں ایک شخص تھا، جو پہلے مسجد (نبوی) میں گیا دو رکعت نماز ادا کی اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر سب سے زیادہ خوشی اور شفقت کا اظہار کیا۔ (۱)
اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ اور مشائخ سالکین
رحمۃ اللہ علیہم کے حالات میں ملتے ہیں۔

علم کی فضیلت

اصل میں ساری مصیبت جہالت اور بے خبری کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولَٰؤُا
الْأَلْبَابِ

کیا ارباب علم اور جاہل لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے
ہیں جو جاہل عقل ہیں۔

ایک حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ رجب کی کسی رات مسجد میں
تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہما یہ آیت پڑھ کر رو رہے تھے
إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔
تو یہ خوفِ الہی کی دولت تھی، جو اللہ تعالیٰ نے علم کی بدولت ان کو عطا فرمائی تھی۔ علم وہ چیز
ہے جس کی ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی حالانکہ
خود ان کو سارے جہاں کے لئے معلم بنا کر بھیجا:

رَبِّ ذُنُبِي عَلِّمًا

اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ

(۱) تخریج۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوة حصہ دوم میں روضۃ الاحباب اور دوسرے
ارباب کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ وفد عبدالقیس کا تھا جس میں عبداللہ بن مسعودؓ پہلے مسجد نبوی میں آئے غسل کیا
دو گانہ ادا کیا پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے اس طرز عمل کو حضورؐ نے بہت پسند فرمایا اور فرمایا کہ تم میں دو
فصلتیں ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں۔ علم اور پردہ پاری

علم حاصل کرنا ہر مسلم مرد و عورت پر فرض ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شعر

پے علم چوں شمع باید گداخت

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

مگر جاہل صوفی جن کے متعلق بجا طور پر کہا گیا ہے کہ:

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يُفْقَهُ فَتَزْنَدُقْ

جو شخص تصوف اختیار کرتا ہے لیکن اسے سمجھتا نہیں وہ کافر ہو جائے گا۔

اس آیت اور حدیث کے معانی الٹ کر یوں بیان کرتے ہیں۔

کہ جس علم کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ وہ علم ہے جو سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، ان لیسروں نے اس فریب سے کئی لوگوں کو لوٹا اور ایسا برباد کیا ہے کہ معرفت کی راہ اور صراط مستقیم ان پر ہمیشہ کے لئے گم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ایسے وسوسہ اندازوں کے شر سے بچائے جو لوگوں کے سینوں میں شیطان کی طرح وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں۔

یہ بد بخت علم جیسی نعمت، کو جسے حاصل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان پر فرض فرمایا: دماغ سوزی قرار دیتے ہیں، اور ذومعنی اشعار سنا سنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور آیات و احادیث کے معانی اور بزرگوں کے اقوال کا مفہوم الٹ کر جاہلوں کے ایمان کو لوٹتے رہتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کے اشعار پڑھتے ہیں

علم حق در علم صوفی گم شود

ایں سخن کے باور مردم شود

کہ تصوف کے علم میں ہی حق کا علم گم ہے۔ مگر لوگ اس حقیقت کو کب مانتے ہیں۔

ان میں سے جو عربی جانتے ہیں وہ عربی عبارتیں اپنے مدعا کی تائید میں پیش کر دیتے ہیں تاکہ بے فہم و جاہل مخاطب اسے فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر ان کا مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ سناتے ہیں کہ:

أَلْعِلْمُ جَعَابُ الْكُفْرِ وَالْجَهْلُ عِنْدِي أَحَبُّ مِنَ الْعِلْمِ

علم بہت بڑا پردہ ہے اور جہالت مجھے علم کی یہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔

حاشا وکلا ایسے وہم میں ڈالنے والے کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرمودہ نہیں ہو سکتے صوفیائے متاخرین کا قول ہے کہ **اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اُخْبِرُ** میں **اَلْعِلْمُ** سے مراد خودی کا علم ہے۔ جس کے سبب سے علوم الہی کے دروازے اس پر دائیں ہو سکتے اور **اَلْجَهْلُ عِنْدِي اَحَبُّ مِنْ اَلْعِلْمِ** میں **اَلْجَهْلُ** سے مراد عارفانہ تجاہل ہے جیسے کوئی شخص عالم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو جاہل سمجھے، تاکہ نفس کی شرارت سے محفوظ رہے۔

تو ان اقوال کو اگر کم از کم بزرگان دین کے اقوال بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ان کے معانی یہی ہو سکتے ہیں جو صوفیائے متاخرین نے بیان کئے ہیں، نہ کہ وہ جو یہ گمراہ فرقہ بیان کرتا ہے۔

سلطان الاولیاء ابراہیم بن ادہمؒ رحمۃ اللہ علیہ بڑے مشائخ میں سے ہیں، آپ نے کئی سال علوم دین کی تحصیل اور ریاضت و مجاہدہ کی سعادت حاصل کرنے میں صرف کئے آپ کی ایک رباعی ہے۔

ہرگز دل من ز علم محروم نہ شد

کم بود ز اسرار کہ مفہوم نہ شد

ہفتاد و دو سال سعی کردم شب و روز

معلوم شد کہ بیچ معلوم نہ شد

(میرادل غم سے محروم نہیں رہا۔ بہت کم ایسے بھید ہیں جو مجھ پر نہیں کھلے، بہتر برس دن

رات میں نے طلب علم میں کوشش کی مگر بالآخر یہی معلوم ہوتا تھا کہ مجھے کچھ بھی نہیں آتا) گویا کہ یہ ماعرفناک حق معرفتک کا صحیح ترجمہ ہے۔

انصاف کی نظر سے دیکھو بزرگان دین کے کلام اور ان بھیڑیوں کے شور میں کتنا فرق ہے۔

یہ تو اصل میں لوگوں کو پھاڑ کھانے کے لئے دنیا کے جمعدار بننے ہیں اور شیخ سدو کی طرح جو حقیقت میں راہ دین کے لئے سدا رہے تصوف کا دعویٰ کر کے ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال ہڑپ کرتے رہتے ہیں۔

بدین تفاوت راہ از کجا است تا یہ کجا

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ (۱)

إِنَّ السَّلَةَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ إِنِيزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسَ جُهَالٍ لَا تَسْتَلُوا فَافْتُوا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا

اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے جھین کر نہیں اٹھائے گا۔ اصل میں علما کے ہاتھ جانے سے علم خود بخود اٹھ جائے گا، یہاں تک کہ جب ایک بھی عالم رہا ہی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو امام و پیشوا بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور یوں خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الضَّلَالِ وَنَسْتَلُكَ الْعِلْمَ وَالْهُدَايَةَ
الہی ہم گمراہی سے تیری پناہ چاہتے ہیں اور علم و ہدایت کا تجھ سے سوال کرتے ہیں۔

غلو فی الدین

قرآن مجید کی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین میں مبالغہ کرنا وہ فتنہ ہے جس نے اہل کتاب کو گمراہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے بنی اسرائیل سے فرماتا ہے۔

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا اَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَاصْلُوا كَثِيْرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ.

اے اہل کتاب! اپنے دین میں سچائی اور حقیقت کے خلاف غلو نہ کرو اور اس قوم کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی اور جس نے بہتوں کو گمراہ کر دیا اور خود راہ راست سے ہٹک گئی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا گمراہی ہے۔ چاہے وہ اپنی ہوں یا غیر کی۔ راہ راست یہی ہے کہ دین میں غلو اور مبالغہ نہ کیا جائے۔ مگر مسلمان فتنہ میں اسی طرح مبتلا ہو گئے جس طرح بنی اسرائیل مبتلا ہوئے تھے اور علمائے حق کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرتے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

(۱) حوالہ شفیق علیہ بروایت عبداللہ بن عمرو مکتوۃ کتاب العلم

عُلَمَاءُ أُمِّيِّ كَثَابِيَّاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ (باتفاق ائمہ بے بنیاد حدیث ہے)۔
میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی مانند ہیں۔

بنی اسرائیل میں ایک جماعت کا یہی حال تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اس طرح فرمایا ہے۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَآءَ يَلْ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ حضرت داؤد و عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان سے لعنت کئے گئے یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل گئے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ ایک دفعہ برائیوں میں پڑ جاتے تو باز نہیں آتے تھے ان کا یہ فعل بے شک بہت برا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارتکاب معاصی پر اصرار کرنا ہی اس بد نصیب گروہ کی گمراہی کا سبب بنا، جس سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ منکرات کو مباح کہنے لگے اور جب انبیاء نے اس سے منع فرمایا تو حکم عدولی کرنے لگے، اور خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر اس لئے لعنت فرمائی تھی کہ سبت (۱) کے روز جس میں شکار کھینا منع تھا، حیلہ بازی کر کے پھلیوں کا شکار کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس لئے لعنت فرمائی کہ ان کی دعا سے ملی ہوئی نعمتوں میں سے جن کا ذخیرہ رکھنا منع تھا، کچھ حصہ چرا کر فروخت کر ڈالتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے خلاف عمل کرنا اور حیلہ بازی سے حلال کو حرام بنالینا خدا کی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

فقہاء کے نزدیک گناہ کو جائز جاننا ہی کفر ہے چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں بد زبانی کرنا بھی کفر ہے۔

الصوفی لاندہب لہ

غرض یہ قبر پرست، پیر پرست، آثار پرست اور تصویر پرست وہ تمام چیزیں کرتے ہیں جو

(۱) ہفت میں پچھلی کا شکار یہود کے لئے منع تھا۔

مشرکان قدیم و جدید کرتے ہیں اور جب سمجھایا جائے تو انہیں کاسا جواب دیتے ہیں۔ جابلوں سے کہتے ہیں کہ پیر پرستی خدا کو مقبول ہے اور تعلق باللہ کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ ملا لوگ یونہی بکواس کرتے ہیں۔ ان کی باتیں قطعاً نہیں سنی چاہئے۔ صرف پیروں کے ارشادات کو دل میں جگہ دینی چاہئے۔ حنفی، شافعی کے فضول جھگڑوں میں ہرگز نہیں پڑنا چاہئے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ الصوفی لاندہب لہ (صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا)

حضرت شیخ محی الدین جیلانی حنبلی المذہب تھے

واضح ہو کہ حضرت سید محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مذہب حنبلی رکھتے تھے اور فتویٰ شافعی مذہب کا دیتے تھے حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ شافعی تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی شافعی تھے۔ اور خواجہ عبدالحق غجدانی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ احمد بسوری رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ نقشبندی اور بسویہ سے تعلق رکھتے تھے، حنفی المذہب تھے۔ کوئی پوچھے، یہ لاندہب صوفی جو اپنے بزرگوں کو بدنام کرنے والے ہیں، قیامت کے دن کس جماعت میں انھیں گئے؟ ان کے القاب تو دیکھو تو کوئی قادری کہلاتا ہے، کوئی چشتی، کوئی سہروردی، کوئی نقشبندی، یہ القاب علویہ، جعفریہ، اقلشیہ، زیدیہ، اشاعریہ اور مہدیہ جعفریہ، امامیہ کی طرح بالکل جھوٹے اور بے معنی ہیں۔ جن بزرگوں کی طرف یہ لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال میں سے تو ایک چیز بھی ان کے پاس نہیں۔ اوحدی نے کہا

روح قرآن بر آسماں بردند	نقد تحقیق از میاں بردند
در حقیقت بدست کورے چند	مصحفے ماند و کنہ کورے چند
کور ہاکس نے گوید	سر قرآن کس نے جوید

قرآن کریم کی روح آسمان پر چلی گئی اور تحقیق بھی لوگوں کے درمیان سے اٹھالی گئی اب تو بس چند اندھوں کے ہاتھوں میں قرآن مجید اور اس پر چند اعتراضات رہ گئے ہیں۔ اب یہ حال ہے کہ اندھانہ کسی سے بات کرتا ہے نہ کوئی خود قرآن کے معنی تلاش کرتا ہے۔ یعنی قرآن مجید میں غور نہیں کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (۱)

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يُؤْشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفِي مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَنْفِي مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا زَمْنُهُ مَسَاجِدُهُمْ غَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى غُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَخَبَّ أَدْنِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُوذُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”لوگوں پر ایک وقت آئے گا جب اسلام کا صرف نام اور قرآن کے صرف نقوش ہی باقی رہ جائیں گے۔ مسلمانوں کی مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوں گی مگر ہدایت کا نام و نشان تک ان میں نہ ہوگا اس وقت کے علماء دنیا میں بدترین خلائق ہوں گے۔ انہی سے ایک فتنہ پیدا ہوگا اور انہی کی طرف لوٹے گا۔

اس حدیث کو ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔ ہاں بعض اللہ کے بندے آج بھی موجود ہیں جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طریق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ طریقیت و معرفت کی راہ پر چل رہے ہیں۔ اگر ایسی ہستیوں کا وجود بھی ہم میں نہ ہوتا تو اسلاف کی بزرگی و پارسائی بھی ان نام نہاد و جاہل صوفیوں کی ناشائستہ حرکات کی وجہ سے مشتبہ ہو جاتی۔

بت پرستوں اور قبر پرستوں میں مشابہت

۱۔ جس طرح بت پرست بتوں کو ریشمی لباس پہناتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ قبروں پر ریشمی غلاف ڈالے رکھتے ہیں۔ ان سے پوچھنا چاہئے کہ اگر قبر حیر کی قائم مقام ہے جیسا کہ تم سمجھتے ہو تو جس طرح حیر کے لئے ریشم پہننا حرام تھا، اس کی قبر کے لئے بھی حرام ہوگا۔ اگر قبر حیر کی قائم مقام نہیں تو تمہارا اس سے مراد میں مانگنا کیا معنی رکھتا ہے۔

۲۔ جیسے بت پرست حاجت روائی کے لئے بتوں اور ان کے بجاوروں کے لئے نذریں لے

(۱) بیہقی روایت علی (بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العلم)

جاتے ہیں، ویسے ہی قبر پرست بھی اپنی تمام مشکلات میں بزرگوں کی قبروں اور ان سے مجاوروں کے لئے مژدہ نیاز لے جانا ضروری سمجھتے ہیں۔

۳۔ بت پرستوں کی ایک یہ بھی عادت ہے کہ ہر بت کی زیارت کے لئے ایک دن ششی ماہ کے حساب سے مقرر کرتے ہیں، جس میں سب اکٹھے ہو کر پھول، شیرینی، نقد اور جنس وغلہ وغیرہ اس پر چڑھاتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں، پیر پرست بھی ہر قبر کی زیارت کے لئے قمری ماہ کا ایک دن مقرر کرتے ہیں، جس میں نہ صرف اکٹھے ہو کر وہ سب کچھ کرتے ہیں جو مذکور ہوا بلکہ سرود و رقص وارتکاب فواحش بھی..... پیر کا مجرا سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ جو (درحقیقت) حشر کے دن ان کے بد اعمال میں شمار ہوگا۔ افسوس اس جماعت نے ہنسی مذاق کو دین کی طرح محکم پکڑ رکھا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو کافر فرمایا ہے جو دین کو ہنسی مذاق بنا لیتے ہیں اور ان پر جنت کا آب و دانہ حرام کر دیا ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِمَّا عَلَى الْكُفْرِينَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَاَلْيَوْمَ نَنسِفُهُمْ كَمَا نَسِفُوا الْقَاءَ يَوْمَ مِثْمُ هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ.

اللہ تعالیٰ نے جنت کا آب و دانہ کافروں پر حرام کر دیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج ہم بھی ان کو اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جس طرح ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے۔

۴۔ بت پرستوں کی یہ بھی عادت ہے کہ مقررہ ایام میں اپنے بتوں کو سجا کر جلوس نکالتے ہیں۔ پیر پرست اور قبر پرست بھی جھوٹی قبروں کا تعزیہ بنا کر ایام عاشورہ میں گھماتے ہیں۔

۵۔ بت پرست اپنے بتوں کے نام کے جھنڈے بلند کرتے ہیں اور ان کو بتوں کا قائم مقام سمجھ کر ادب سے اٹھائے پھرتے ہیں، پیر پرست بھی شاہ مدار، خواجہ معین الدین چشتی، سالار مسعود غازی اور نئی سرور سلطان رحمہم اللہ کے نام کے جھنڈے ایام مقررہ میں اٹھا کر پھرتے ہیں اور گلی کو چوں میں گھما گھما کر ان کی منسوبہ قبروں پر گاڑ دیتے ہیں اور اس تمام کارروائی کو کار ثواب جانتے اور مشکلات کے حل کا ذریعہ سمجھ کر کرتے ہیں۔

بیرونی شہادت

بعض اہل علم باہر سے ہندوستان میں وارد ہوئے جنہوں نے یہ سب کارروائیاں چشم خود ملاحظہ کیں، اس جماعت کے حالات دیکھے اور ان کی باتیں سنیں ان بزرگوں میں سے بعض کے الفاظ یہ ہیں:

هُؤلَاءِ عِنْدَ الشُّيُوخِ وَالْقُبُورِ يَقْتَدُونَ بِكُفْرَةِ الْهِنْدِ وَنَبَى عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ۔
یہ لوگ قبروں پر اور اپنے پیروں کے سامنے اسی طرح کرتے ہیں جس طرح مشرکین ہند اپنے بتوں کے سامنے عبادت کرتے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔

پس چاہئے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچے رہو، نیز جھوٹ بولنے سے۔

۶۔ آتش پرستوں اور بت پرستوں کی یہ بھی عادت ہے کہ سال میں ایک دن بتوں کی عید مناتے ہیں۔ ان کی مانند یہ لوگ بھی عید غدیر مناتے ہیں، بزرگوں کے عرس منعقد کرتے ہیں، مشرکین کی طرح داد عیش و طرب اور لہو و لعب دیتے ہیں اور شیطانوں کی خبیث ارواح کو خوش کرتے ہیں۔

ایک عابد کا واقعہ

چنانچہ بعض معتبر لوگوں کی زبانی سنا کہ ایک عابد خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر آیا کرتا تھا اور ایام عرس میں ایک عالم کے پاس فروکش ہوا کرتا تھا۔ اس نے دیکھا جس عالم کے پاس ٹھہرتا ہے وہ عرس میں شریک نہیں ہوتا۔ اس نے وجہ پوچھی تو عالم نے کہا۔ ایام عرس میں زیارت کرنا کچھ ضروری نہیں۔ بلکہ اہل بدعت کے مجمع کو رونق نہ دینا ہی بہتر ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو عید گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد عابد مذکور نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے کمر تک قبر سے باہر نکلے اور لوگوں کے اثر و دام و جہوم سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عابد مذکور نے بھی عرس میں شامل ہونا چھوڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ممانعت سے کہ میری قبر کو عید گاہ نہ بنانا

ہدایت حاصل کی۔ (۱)

علامہ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کا خیال

علامہ ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ مفتی شام جو اپنے زمانے میں حجت الاسلام کے لقب سے مشہور تھے، اپنی تصنیف صراط مستقیم میں زیر حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (کہ جس نے کسی قوم کی ریس کی وہ انہی میں سے ہے) لکھتے ہیں ”مشرکین کے ساتھ ہر قسم کا تہہ منوع ہے“ اس کی تائید حضور کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ (۲)

(مشرکوں کی مخالفت کرو)

علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے، جس کا نام ہے باب تحریم تشبیہ بالکفار در اعیاد و رسوم و عادات، اور اس میں آیات، احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مثالیں دیتے ہوئے ثابت کیا کہ مسلمانوں کو اپنی عیدوں اور رسوم و عادات میں کفار کی ریس کرنا حرام ہے۔ آگے چل کر زیر حدیث۔

مَا أَحَدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةٍ إِلَّا نَزَعَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا.

جب کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی، اللہ تعالیٰ نے اُسی جیسی ایک سنت ان سے اٹھالی (۳) لکھتے ہیں:

”ایام عاشورہ کی بدعات جو شیعہ دروافض کرتے ہیں، تبہ بالکفار میں داخل ہیں“ آگے

لکھتے ہیں۔

(۱) تخریج۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد (۳۰۳۱) و مشکل الآثار (۸۸/۱) واحد (۵۱۱۳، ۵۱۱۵، ۵۱۱۶) میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے (ابن تیمیہؒ نے اقتضا الصراط المستقیم میں (۳۹/۲) جید اور حافظ عراقی نے تخریج احادیث الاحیاء (۳۴۲/۱) میں صحیح اور ابن جریر نے فتح میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) تثنی علیہ بروایت ابن عمر و لفظہ خالفوا المشرکین او فوا العلی واصفوا الشوارب و بروایت ابوہریرہ و لفظہ ان اليهود والنصری والصابیون خالفوہم۔ مشکوٰۃ شریف۔

(۳) تخریج۔ احمد بروایت غضیف بن الحارث و لفظہ ما احدث قوم بدعۃ الارفع مثلها من السنة۔ (دارمی بروایت حسان و لفظہ وما ابتدع قوم بدعۃ فی دینہم الا نزع اللہ من منہم مثلها۔ بحوالہ مشکوٰۃ باب الاعتصام۔

پتھروں کا طواف کرنا ایام جاہلیت کی رسم تھی۔ اب اس کی مثل قبروں کا طواف کرنا ایجاد کیا گیا ہے۔ یہ ہرگز اسلامی رسم نہیں۔ اس کے لئے اجتماع کرنا اور اکٹھے ہو کر قبور کے پاس گانا بجانا منکرات میں سے ہیں۔
پھر لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چلا چلا کر دعا کرنا اور دعاؤں میں حد سے زیادہ ہاتھوں کو بلند کرنا اور قبروں پر مردوں اور عورتوں کا اکٹھا ہونا بدعت ہے۔
آگے لکھتے ہیں:

عید کی دو قسمیں ہیں، عید مکانی اور عید زمانی یعنی کسی مقام پر اکٹھے ہونا یا مقررہ روز جمع ہونا اور فرماتے ہیں:

کسی مقام پر جمع ہونا، مقررہ روز جمع ہونے سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ بت پرستی سے مشابہ ہے کیونکہ کسی مقام پر بت پرست اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ اس مقام کے بت کی خوشنودی حاصل کریں، اسی طرح قبر پرستوں کا کسی جگہ جمع ہونا بھی اس لئے ہوتا ہے کہ اس بزرگ کی خوشنودی حاصل ہو۔

ایام جاہلیت میں لات، منات اور عزی کے پاس اجتماع ہوتا تھا۔ اہل عرب کے یہ تین بت تھے، لات اہل طائف کا بت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ کسی نیک آدمی کا نام تھا، جو حاجیوں کو ستوپلایا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو لوگ اس کی قبر پر جمع ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ اس کا مجسمہ بنالیا اور اس کی پرستش کرنے لگے۔

منات مدینہ والوں کا بت تھا۔ لوگ اسے الہ العالم کہا کرتے تھے، اور اس کے قریب اپنی قربانیاں کیا کرتے تھے۔

”عزی ایک درخت کا نام تھا، جس کے پاس لوگ قربانیاں کرتے تھے، آہستہ آہستہ لوگ اس درخت کی عزت کرنے لگے، اور اس کے نام کا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ اسی طرح ذات انواط ایک درخت تھا، جس پر کفار جنگ کے وقت ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قسم کے درخت مقرر

کر دینے کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے اور اسے تشبیہ بالکفار قرار دیا۔
آگے لکھتے ہیں:

جب درخت پر چھتھیا رلکانے میں کفار کی ریس کرنے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشبیہ بالکفار قرار دیا تو جو شخص کسی قبر پر قبہ بنائے، اس سے حصول برکت کی امید رکھے اور مساجد کی بہ نسبت قبہ میں نماز اور ذکر و دعا کو افضل جانے، اس کا کیا حال ہوگا۔

آگے لکھتے ہیں:

یہ لوگ قبوں پر روشنی کرنے کے لئے تیل ڈالنے کی نذر مانتے ہیں، حالانکہ فقہاء کے نزدیک ایسی نذر ماننا ناجائز ہے۔ چنانچہ ایسی نذروں کے متعلق فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نذر ماننے والے پر کفارہ لازم آتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے اور ان کے دربانوں، مجاوروں، خادموں اور معتکفین کے لئے نقدی وغیرہ کی نذریں ماننا بھی ناجائز ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

یہ دربان تولات اور عزی کے دربانوں کی مانند ہیں، جو لوگوں کا مال ناجائز طریق سے کھاتے اور ان کو صراط مستقیم سے روکتے ہیں، یہ مجاوران ان لوگوں کی مانند ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطاب ہو کر فرمایا تھا۔

مَا هَذِهِ التَّمَائِلُ الْبَنِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ

کہ یہ مورتیاں ہیں کیا چیز، جن پر تم صبح و شام بیٹھے رہتے ہو۔

تمام وہ قدم اور قبریں جو بلا سند انبیاء و صلحا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، مثلاً مسجد الکلف (دمشق) میں ایک ہتھیلی کی تصویر رکھی ہوئی ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی کہا جاتا ہے، سب اسی حکم میں داخل ہیں۔

۷۔ ہندو ہر سال کرشن جی کا یوم ولادت مناتے ہیں، یہ لوگ بھی ۱۲ برس کو ہر سال حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یوم ولادت مناتے ہیں۔ مزید برآں، مجوس کی طرح نوروز بھی مناتے ہیں، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہر دن ہمارے لئے نوروز ہے۔

۸۔ ہنود ملاقات کے وقت سلام کی بجائے جے سیٹا رام یا رام رام کہتے ہیں۔ یہ لوگ بھی

سلام کی بجائے ”یا علی مد“ کہتے ہیں۔

۹۔ مشرک اقوام میں اگر بڑا آدمی مر جائے تو میت کے ساتھ ہلبہ بجاتے ہیں۔ جاہل مسلمان اور پیر پرست بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

۱۰۔ مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ بت خانوں میں عبادت کے وقت ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں، اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ سے تقرب کا ذریعہ اور اس کی رضامندی کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ قبر پرست بھی قبروں پر ہاجے اور ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں (قوالی وغیرہ) اور یہ ممنوع چیزیں بادھو ہو کر سنتے ہیں۔

۱۱۔ مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ بالکل برہنہ رہنے والوں کو بزرگ سمجھتے ہیں، اور ان کے ہاتھ سے بھنگ جیسی نشہ آور چیز متبرک جان کر نوش کر جاتے ہیں (اسی طرح پیر پرست مجاہدوں کے حکم سے بھنگ اور چرس کا استعمال شروع کر دیتے ہیں اور نماز پڑھنا ترک کر دیتے ہیں)

۱۲۔ مشرکین صبح کے وقت بزرگوں کا شجرہ نسب و وظیفہ کے طور پر پڑھتے ہیں، پیر پرست بھی ہر روز پیر کا نسب نامہ اہتمام اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کے مقابل فرض نماز کی پرواہ نہیں کرتے۔

۱۳۔ مشرکین پانی پلانے والی جگہ کا نام جسے عرف عام میں سبیل کہتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کے نام پر رکھتے ہیں۔ پیر پرست بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی سبیل لگاتے اور انہی کے نام سے پانی پلاتے ہیں اور اس فعل کو حضرت امام کی نذر کہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام کی نذر ماننا قطعاً حرام ہے۔ کاش اس کے بجائے اگریوں کرتے کھیتاج کو کھانا وغیرہ اللہ کی رضامندی کے لئے کھلا کر اس کا ثواب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا کسی اور کو پہنچا دیتے تو ثواب بھی ہوتا اور شریعت کی پابندی بھی برقرار رہتی۔

۱۴۔ مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ بتوں کے نام پر جانور کھلا (آزاد) چھوڑ دیتے ہیں، پیر پرست بھی قبور کے نام پر جانور کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

۱۵۔ مشرکین ادب کی وجہ سے بت خانہ کو فضا کر دوا رہ کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ تعزیہ خانہ کو امام باڑہ کہتے ہیں۔

۱۶۔ مشرک بتوں کی نیاز کو متبرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیاز کو متبرک سمجھتے ہیں۔

۱۷۔ ہنود بتوں کی پوجا کے بعد ماتھے پر نقشہ لگاتے ہیں۔ قبر پرست بھی مجادروں کے ہاتھ سے قبر کے پرانے غلافوں کے ٹکڑے سر پر بندھواتے ہیں۔

۱۸۔ مشرک بت خانہ کے خادموں کو بہت دوست رکھتے ہیں اور انہیں خدا کے ہاں اپنا وکیل و شفیع سمجھتے ہیں۔ قبر پرست بھی مجادروں کو خدا کے ہاں اپنا شفیع سمجھتے ہیں اور ان کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔

۱۹۔ ہنود کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد چھتیس جیونوں میں بدلتا ہے کوئی کسی جانور کی شکل میں کوئی کسی جانور کی شکل میں قبر پرستوں اور پیروں پرستوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔
مَعَاذَ اللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ مَسْئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يُهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ.

حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش کے لئے شیطان کو تصرف کی قوت بخشی ہے۔ اس کے ساتھ وہ ہمیشہ انسان کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ سلف سے حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ منقول ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مجھے ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چند روز ٹھہرنا پڑا۔ اتفاقاً ایک دن مجھے پیاس شدت سے لگی ہوئی تھی۔ میں پانی کی تلاش کرنے لگا مگر نہ ملا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا، جس سے پانی برسنے لگا۔ بارش ختم جانے کے بعد بادل میں سے ایک روشنی نکلی، جو تمام آسمان پر پھیل گئی۔ اس روشنی میں ایک عجیب صورت نمودار ہوئی، جو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

اے عبدالقادر! میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تم پر تمام چیزیں حلال کرتا ہوں جو جی چاہے کھاؤ اور جو پسند ہو کرو۔ میں نے کہا اے ابلیس ملعون! دور باش اور استغفار پڑھنے لگا اس کے بعد وہ صورت ناپید ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا اور آواز آئی: اے شیخ! تو نے اپنے علم و مرتبہ کے سبب مجھ سے نجات پائی، ورنہ میں اس مقام پر ستر ہزار گوں کو گمراہ کر چکا ہوں، میں نے الحمد للہ پڑھا اور کہا اے

ملعون! علم و مرتبہ کے سبب سے نہیں، محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔

اس واقعہ پر غور کرو اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری کلمات کو پھر پڑھو، کہ آزمائش میں ثابت قدم رہنے کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھا، محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔

مجھے اپنی ذات پر کبھی بھروسہ نہیں ہوا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اعتماد رہا ہے جس طرح اس نے اس امتحان سے بچایا، آرزو ہے کہ اسی طرح آخری منزل تک اس کا فضل شامل حال رہے۔

شیخ عبدالحق و ہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اخبار الاخیار میں لکھا ہے اور حضرت شیخ نے اپنی تصنیف فتوح الغیب میں بھی ذکر کیا ہے۔

یاد رہے کہ اس سے بھی زیادہ قدرت شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے حاصل ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ انسان آخری دم تک شیطان کے فریب سے غافل نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے امتحان میں ثابت قدم رہنے کے لئے اس کے فضل کا طالب رہے۔

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ

تو خدا کی مخفی تدبیروں سے بے خوف نہیں ہو سکتے مگر وہی جو تباہ ہونے والے ہیں۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا واقعہ کسی دوسرے کو پیش آجائے اور وہ ثابت قدم رہے تو اس کو مغرور نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اب راہ حق کی تمام منزلیں طے کر چکا ہوں اور شیطان کے فریب سے وراء الوراہ مقام پر پہنچ گیا ہوں۔

بھلا جہاں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جیسے ستر بزرگ گمراہ ہو گئے ہوں وہاں کسی کو اپنی ذات پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے۔

نجات کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب و سنت کا دامن نہ چھوڑے اس کے موافق احوال کو قبول کرے اور ناموافقی کو رد کرتا رہے۔

واقعہ مذکور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ بے علم نتوان خدا را شناخت جاہل خدا کو نہیں پہچان سکتا۔

اور علم و معرفت بغیر فقہ پڑھنے کے حاصل نہیں ہوتی، نہ دین درست رہ سکتا ہے اور نہ راہ حق

کی منزلیں ملے ہو سکتی ہیں اور فقہ بغیر علم قرآن وحدیث کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کہا گیا ہے
علم دین فقہ است و تفسیر وحدیث ہر کہ گیرد غیر از میں گردو ضعیث

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن، حدیث اور فقہ سے جا مل رہنے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ آدمی
شیطان و وساوس کا شکار ہو کر ضعیث ہو جاتا ہے، ہر وقت نفسانی خواہشات کی طرف دھیان رہتا ہے
اور شعبدوں کی وجہ سے چاہ گمراہی میں گر کر اپنے آپ کو لوگوں کا امام و پیشوا سمجھنے لگتا ہے۔

قصہ تلاوت سورۃ النجم

لکھتے ہیں کہ شیاطین میں سے ایک سفید شیطان ہے، جو لوگوں کو مذکورہ بالا طریق سے گمراہ
کرنے کے کام پر مامور ہے۔ سورۃ النجم کے قصہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم یہ سورت نماز مغرب میں پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ (۱)

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَنُفُورَ النَّالِثَةِ الْأُخْرَىٰ.

(کیا تم نے لات و عزی اور تیسرے منات کو دیکھا)

تو سفید شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر یوں کہہ دیا۔

بَلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنْ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُنْجِي

(یہ بڑے بت ہیں، ان کی شفاعت کی توقع کی جا سکتی ہے)

یہ سن کر مشرکین آپ سے خوش ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ جحد و تلاوت میں شریک
ہو گئے اور کہنے لگے۔

آج تو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے بتوں کی تعریف کی۔ شاید اب ہم میں
موافقت ہو جائے۔

محققین اہل سلوک نے کہا ہے کہ سفید شیطان کی من جملہ دیگر خصوصیات سب سے
خطرناک خصوصیت یہ ہے کہ ظلمات کو نور سے مشتبہ کر دیتا ہے اور معصیت اور گنہ گاری کو اطاعت
مقبول اور نور بخشی کر کے دکھا دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کے تتبع ناکو نور سمجھ لیتے ہیں اور دوسروں کو

(۱) تخریج۔ ابوحاتم۔ طبری، ابن منذر، ابن اثیر، موسیٰ بن عقبہ اور ابوحشری نے اسے روایت کیا ہے، اگرچہ اس
کے اکثر راوی ضعیف ہیں، راوی منقطع مرسل مضطرب اور غیر صحیح ہیں۔ امام فخر الدین رازی اور قاضی عیاض نے بھی
اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ بحوالہ مدارج النبوة جلد دوم صفحہ ۶۰

اس اطاعت کی طرف دعوت دینے لگتے ہیں۔ ایسے وقت فحوائے۔

يَهْدِي اللَّهُ بَنُوهُ مَنْ يَشَاءُ

(اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت فرماتا ہے)

مومن لوگ جو مضبوطی سے شریعت کی راہ پر قائم رہنے کی وجہ سے شیطانی فریبوں سے محفوظ رہتے ہیں، اس طرح اعلان کرتے ہیں۔

وَيَقُولُ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجْوٰى وَتَدْعُوْنِنِىْٓ اِلَى النَّارِ تَدْعُوْنِنِىْٓ لَا كُفْرًا
بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْغَيْرِ الْغَفَّارِ

(اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا تے ہو! تم مجھے بلا تے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں میں تمہیں زبردست بخشنے والے کی طرف دعوت دیتا ہوں) مگر جاہل لوگ شیاطین کی دعوت پر لبیک کہتے اور ان کے ہاتھ سے شعبہ بازی دیکھ کر ان کے دام فریب میں پھنس جاتے ہیں مگر جو لوگ عسرة الوثقی لانفصام لہا کو پکڑتے ہیں وہ ہر وقت ہر جگہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ منڈوی اور

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے واقعات

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ منڈوی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:

بعض اوقات استدراج سے فاسق اور بدعتی لوگوں کو ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ عوام کے دل اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور شریعت سے بے خبر لوگوں کو راہ حق سے متزلزل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ مجھے دکن جانے کا اتفاق ہوا، میں قاضی شہر عبدالعزیز کے ہاں فروکش ہوا۔ قاضی صاحب سے میں نے ایک روز پوچھا: ”آپ کے شہر میں کوئی صالح اور فقیر منس آدمی ہو تو بتلائیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں“ قاضی صاحب نے فرمایا ”ایک شخص ہے تو سہی، مگر میں اس کی خلاف شرع حرکات کی وجہ سے اس سے خوش نہیں ہوں۔“ بہر حال میں اس فقیر کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ ایک بلند مقام پر بیٹھا ہے۔ ارد گرد مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ فقیر نے مجھے آتا دیکھ کر خوش آمدید کہا اور آؤ بھگت کرنے کے بعد شراب منگائی پہلے خود پی، پھر مجھے دی۔ میں نے کہا میں نہیں پیوں گا۔ یہ حرام اور ممنوع ہے۔ اس نے کئی بار کہا۔ مگر میں انکار ہی کرتا رہا آخر کہنے لگا۔ دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ یہ سن کر چلا آیا اور کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کیا، رات کو جو سو یا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوبصورت باغ ہے، جس میں بے شمار میوہ اور درخت ہیں اور نہریں بہہ رہی ہیں۔ لیکن راہ اس قدر پر خطر اور دشوار گزار ہے کہ وہاں تک پہنچنا سخت مشکل ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فقیر شراب کا پیالہ لئے ہوئے آن پہنچا اور کہنے لگا

کہ یہ شراب کا پیالہ پی لو تو اس باغ میں پہنچا دوں گا۔ میں نے پھر انکار کر دیا۔ اس کشمکش میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے لاحول پڑھی اور کروٹ بدل کر پھر سو گیا۔ لیکن بار بار یہی واقعہ پیش آتا میں پھر جاگ پڑتا اور لاحول پڑھتا آخر جب کئی مرتبہ یہ صورت پیش آئی تو میں تنگ آ کر اٹھ بیٹھا، وضو کیا نوافل پڑھے درود شریف پڑھا اور دعا مانگ کر سو گیا، اب کے خواب میں اپنے آپ کو ہار گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر پایا، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں عصا ہے اور وہ بدعتی وہاں بھی آن پہنچا اور مجھ سے لگا وہی حرکت کرنے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مارنے کے لئے اپنے ہاتھ والی لکڑی اس کی طرف پھینکی، لکڑی لگتے ہی وہ کتے کی صورت بن گیا اور دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا اس شہر میں نہیں رہے گا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو صبح کا وقت تھا، نماز پڑھ کر میں اس کے مقام پر گیا تو سنا کہ واقعی وہ وہاں موجود نہیں چند لوگ بیٹھے کہہ رہے تھے کہ خدا جانے اسے کیا ہوا، اپنا مکان گرا کر کہیں بھاگ گیا ہے۔

زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنا بلاشبہ انسان کے دل اور روح کو منور کرنے والی چیز ہے لیکن وساوس شیطانی کی وجہ سے محققین اہل سلوک رحمہم اللہ نے بہت سی شرائط مقرر کر دی ہیں اور لکھا ہے کہ صرف وہ زیارت معتبر اور صحیح ہے جس میں آپ کی آخری شکل نظر آئے، جبکہ آپ کے تقریباً بیس بال سر اور واڑھی میں سفید ہو گئے تھے۔

مُحْكُوَّةٌ كِتَابُ الرُّوْيَا مِیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَقَعْتُلُ فِي صُورَتِي
مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقُّ (۱)

(جس نے مجھے خواب میں دیکھا اسے یقین رکھنا چاہئے کہ مجھ کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔ جس نے مجھے دیکھا بلاشبہ اس نے مجھی کو دیکھا)

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ان ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ

(۱) متفق علیہ بروایت ابوہریرہؓ ابوداؤدؓ ترمذیؓ و مشکوٰۃ کتاب الرویا

وسلم سے ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے واقعی آپ ہی کو دیکھا، کیونکہ کذب و بطلان کو آپ کی ذات میں دخل نہیں اور وساوس شیطانی سے آپ کی ذات والا صفات بالاتر ہے اور یہ سنت اللہ ہے کہ شیطان باوجود قوت تصرف کے آپ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا، علمائے کرام نے اس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا دوسرے کسی شخص کو یہ خصوصیت حاصل نہیں اور شیطان ہر بڑے سے بڑے شخص کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

زیارت نبویؐ کے متعلق تین خیال

لیکن اس کے باوجود زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تین خیال پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری عمر کی صورت میں دیکھا اس کا خواب صحیح ہے۔ دوسرا یہ کہ جوانی، اوجیز اور آخری عمر کی شکلوں میں سے جوئی دیکھے، صحیح ہے۔ تیسرا خیال پہلے سے ملتا ہے صرف اتنی اور قید لگائی گئی ہے کہ وہی صورت دیکھے جو رحلت کے وقت تھی جب کہ سر اور اوڑھی میں قریباً ہمیں بال سفید تھے۔

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول

مشہور معتبر علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ آپ سے بیان کرتا تو آپ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ پوچھتے جو اس نے خواب میں دیکھا۔ اگر وہ خاص حلیہ بیان کرتا جو ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست تھا تو اس کی تصدیق کرتے ورنہ کہتے ”تم نے کسی اور شخص کو دیکھا ہے۔“ آگے لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے خواب میں سنا ہوا کلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔ اگر صحیح اور موافق نظر آئے تو تصدیق کرنا چاہئے، ورنہ بیان کنندہ کی سماعت کا نقص سمجھنا چاہئے۔

ایک عجیب خواب

میں نے مفتی عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ بلا مغرب کے ایک فقیر نے خواب میں سنا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شراب پینے کی اجازت دے رہے ہیں۔ مشائخ وقت کے سامنے اس خواب کو پیش کیا گیا تو ہر شخص نے اپنی عقل کے مطابق اس کی تاویل کی۔ ان دنوں مدینہ منورہ میں ایک بزرگ رہتے تھے جو سنت کے نہایت شائق اور پابند تھے۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

”بیان کنندہ کی سماعت کا قصور نظر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاشربوا

الخمور (شراب مت پیو) فرمایا ہوگا۔ اس نے اشربوا الخمور (شراب پیو) سمجھا ہوگا“

بعض علما نے کہا کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں شیطان نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں آواز ملا کر لوگوں کو دھوکہ دیا تھا اسی طرح ممکن ہے کہ خواب میں فقیر کو مغالطہ دیا ہو، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں اس شخص سے بولے بھی نہ ہوں ہمارے نزدیک یہی درست ہے۔

ہمزاد کی موت کہیں مذکور نہیں

غرض اس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ جہاں بڑے بڑے متقی عالم خواب میں دھوکا کھا گئے وہاں دوسرے بزرگوں کا کیا اعتبار، جن کی صورت شیطان اختیار کر سکتا ہے؟ مزید برآں، ہر شخص کا ہمزاد اس کی موت کے بعد بھی زندہ ہی رہتا ہے، اس کی صورت اختیار کر کے دھوکا دے سکتا ہے اور جملہ شیاطین کے سالار اعظم ابلیس علیہ اللعین کا زندہ رہنا تا قیام قیامت نص قرآنی سے ثابت ہے تو ابلیس اور اس کے معاونین کے فریبوں سے بچنے کی راہ صرف یہ کہ کتاب و سنت پر عمل کیا جائے اور زندگی کے ہر گوشہ میں اسوہ حسنہ کی پیروی کی جائے۔ بحکم الہ العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَلْيُرُوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ (۵۰:۵۱)

خدا کی طرف دوڑو میں اس کی طرف سے تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔

ایک مغالطہ

بہر پرست کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہمارے ہر کی شکل اختیار کرنا بھی شیطان کے لئے ناممکن ہے، کیونکہ ہر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرح مظہر ہدایت ہیں، مگر یاد رہے کہ یہ مغالطہ ہے۔ صحیح بات وہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔ ان کے اس

قول کی تردید خود انہی کی بیان کردہ حکایتوں سے ہو رہی ہے۔ مثلاً وہ بیان کرتے ہیں کہ:

ہم نے حسین رضی اللہ عنہما کو تعزیہ کے ساتھ ننگے سر پھرتے دیکھا اور ناچار ان کی بیروی کی۔ اور ایک رات مجھے فلاں بزرگ کے مقبرہ میں ایک مرد و عورت نظر آئے جو زنا کاری کر رہے تھے۔ مجھے ان کی حرکت سے طیش آ گیا اور دھکے دے کر مقبرہ کی چار دیواری سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد جو سو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب قبر مجھ سے خفا ہو کر فرما رہے ہیں: ”اے بے خبر خشک ملا! وہ دونوں عاشق و معشوق تھے۔ مدت سے وصال کے طالب تھے۔ آج یہاں انہیں موقع ملا تو تم نے ان کی تمنا پوری نہ ہونے دی تمہیں اتنی عقل بھی نہ آئی کہ انہیں روکنا ضروری ہوتا تو ہم خود روک سکتے تھے۔ یہ کہہ کر مجھے ایسی لات ماری کہ لنگڑا کر دیا۔

فَاتَلَّهْمُ اللَّهُ أَنِّي يُؤْفِكُونِ (۳۰:۹)

خدا انہیں غات کرے کہاں جا رہے ہیں۔

سنا ہے کہ اس واقعہ کے بعد اس مزار کے خادموں نے کسی برے سے برے فعل میں بھی مداخلت نہ کی۔ اور جب پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ جب ہمارا پیر پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی متابعت کیوں نہ کریں؟ اگر کہا جائے کہ تمہارا پیر مظہر ہدایت ہو کر برے کاموں سے کیوں نہیں روکتا تو کہتے ہیں، یہ اس کی مرضی۔ پھر دیوان حافظ کا یہ شعر پڑھ دیتے ہیں۔

نہ قاضی نہ امیر نہ مختب نہ فقیہ

مرا چہ شود کہ منع شراب خوارہ کنم

(میں نہ قاضی نہ امیر نہ مختب اور نہ فقیہ ہوں مجھے کیا پڑی ہے کہ شراب خوری سے روکتا

پھر دوں)

غرض ان داستانوں سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ کرنے کے لئے بزرگوں کی صورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ نیز اس حدیث پر غور کرنا چاہئے کہ دجال جب ایسے لوگوں سے ملے گا جو اس کی دعوت قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے بزرگ دین اسلام پر گزرے ہیں اور ہمیں بھی اسی پر قائم رہنے کی تاکید ہے تو دجال شیاطین کو حکم دے گا کہ ان کے بزرگوں کی صورتیں اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کرو۔ تو وہ ایسا کر کے انہیں گمراہ کر دیں گے۔

مشتوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میں اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ۔

اے بسا ابلّیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

(بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں پھرتے ہیں۔ پس ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے

دینا چاہئے)

اور خود اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کی آخری سورۃ میں من الجنة والناس فرمایا ہے جس کا مطلب ہے کہ خناس جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کی مختصر تفسیر کر دی جائے۔

تفسیر سورۃ الناس

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے عبادت غیر اللہ کی کامل طور پر تردید فرمائی ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِى صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ. (سورۃ الناس)

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ وسوسہ ڈالنے والا جن ہو یا آدمی۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات کا ذکر بندوں کی نسبت سے کیا ہے حالانکہ نسبت کے لحاظ سے ان صفات کا تعلق جیسا ان سے ہے۔ ویسا ہر مخلوق سے ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ بنی نوع آدم کا پروردگار ہے اسی طرح باقی تمام مخلوق کا بھی ہے اور جس طرح انسانوں کا مالک اور معبود ہے اسی طور پر کائنات کی ہر چیز کا مالک و معبود ہے۔

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (۲۴:۱۷)

اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو۔

رب، ملک اور الہ کی تشریح

مفسرین کرام نے اس جگہ خاص طور پر رب، ملک اور الہ کے لائے جانے کے متعلق عجیب عجیب نکتے بیان فرمائے ہیں، جن میں سے بہترین خیال یہ ہے کہ لوگ چونکہ غیر اللہ میں انہی اوصاف کا اعتقاد رکھنے کی بنا پر کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مطلع فرمادیا ہے کہ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہیں۔ ان میں سے کسی صفت کو غیر اللہ میں نہ ماننا چاہئے، کیوں کہ کسی مخلوق کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا بلاشبہ شیطانی وسوسہ ہے بلکہ اوصاف مذکورہ کو صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ مان کر اس کی پناہ طلب کی جائے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اکثر لوگ ان صفات کو غیر اللہ میں ماننے کی وجہ سے شرک کے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی مختلف اقوام کے عقائد پر نظر ڈالو تو تم دیکھو گے کہ بدقوس سے بعض قومیں اس ہلاکت کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں کہ آج تک برابر اس مرض میں مبتلا ہیں:

عَافَانَا اللَّهُ وَإِيَّاهُمْ مِنْ كُلِّ بَلَاءٍ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو دنیا کی آفتوں اور آخرت کے عذاب سے بچائے۔

درجہ فانی الشیخ کا مطلب

کفار کے مذاہب باطلہ کو چھوڑیں اور قبر پرستوں کو لیں۔ قبر پرست بھی انہی پیاریوں میں مبتلا ہیں۔ ان کے نزدیک یہ امر واجبات میں سے ہے کہ عبادت کرتے وقت پہلے پیر کا تصور باندھا جائے اور اس میں اس طرح مستغرق ہو جائیں کہ اپنے تئیں بھول جائیں۔ اس چیز کو ان کے ہاں فانی الشیخ کہا جاتا ہے اور جس پر یہ کیفیت طاری ہو جائے اسے فانی فی الشیخ کہتے ہیں۔

غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ لوگ شیخ میں ربوبیت کی صفت مانتے ہیں۔ اس لئے اس کی شکرگزاری میں محو رہنا لازم سمجھتے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر کو کرامات کا مالک سمجھتے ہیں اور اس کی پہنچ سے باہر نکلنا ناممکن خیال کرتے ہیں۔ اس لئے ایسا کرتے ہیں یا پھر ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ شیخ جی کو مساکین و غناہ کوئی کا پورا علم حاصل

ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ ان باتوں کا ثبوت چاہو تو دیکھ لو کہ جب ان میں سے کوئی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو کس کی طرف رجوع کرتا ہے، خدائے زندہ و توانا کی طرف یا مردوں کی روحوں کی طرف؟ حالانکہ خداوند کریم کی صفت مالکیت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے عاجز بندوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّیْکُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ کُذُّبٍ اَنْتُمْ تَنْشُرُوْنَ (۶۳:۶)

کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس (موجودہ) تکلیف سے اور ہر غم سے نجات بخشتا ہے لیکن تم پھر بھی اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

لیکن یہ لوگ بیماری میں شفا و صحت اور تنگدستی میں خوشحالی و فارغ البالی کے لئے پیروں ہی سے دعا کرتے ہیں، حالانکہ اللہ میں صفت ربوبیت ماننے کے یہی معنی ہیں کہ چونکہ وہ تمام مخلوقات کو صحت اور رزق عطا فرما کر قائم رکھتا ہے اس لئے مخلوقات کا رب ہے۔ پھر یہ لوگ بزرگوں کی قبروں پر ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں بیت اللہ میں کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً غلاف چڑھانا، قربانی کرنا، اس کے غسل کے پانی کو آب زمزم کی طرح حبر کہ سمجھنا، عبادت سمجھ کر قبروں کی زیارت کرنا، ان کو قبلہ توجہ بنانا اور ان میں عبادت کرنے کو تمام مقامات سے بہتر خیال کرنا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو الہ الناس ماننے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے مقرر کردہ آداب اس کے گھر میں جا کر بجالائے جائیں، اور کسی دوسری جگہ ایسی حرکتیں نہ کی جائیں۔

ہر بستی کے لئے حاجت روا جدا ہے

قبر پرستوں نے ہر شہر اور ہر بستی کے لئے الگ الگ دیوں کی قبریں مقرر کر رکھی ہیں اور ان کی طرف تمام مشکلات و مصائب میں حاجت روائی کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ جب بچوں کی شادی کرتے ہیں تو دولہا کو اس ولی کی قبر پر سلام کے لئے لے جاتے ہیں۔ دولہا اس کی پانکٹی میں کھڑے ہو کر سلام کرتا ہے اور کچھ نذرانہ ادا کر کے برات میں شامل ہوتا ہے۔

یہ لوگ مجاوروں کا اس طرح احترام کرتے ہیں جس طرح شاہی خدام کا کیا جاتا ہے اور مہمات میں ان کو اپنا وکیل مقرر کرتے ہیں تاکہ وہ صاحب قبر کے پاس ان کی سفارش کریں۔ عرس کے موقع پر ان کے ہاتھ سے دستار بندی کراتے ہیں اور ان کی دی ہوئی گچڑی کو شاہی خلعت کی طرح قابلِ فخر و عزت سمجھتے ہیں۔

كُلُّ حَزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۵۲:۲۳)

تمام گروہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر خوش و خرم ہیں۔

قبر پرستوں کی گپیں

قبر پرست گپیں بہت ہانکتے ہیں کہ مثلاً کہتے ہیں کہ ایک چشتی نے نقشبندیوں کی حدود میں قدم رکھنا چاہا مگر کچھ پیش نہ گئی اور اسے بے ٹیل مرام واپس جانا پڑا۔

یا شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جب تک کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت نہیں لے لی وغیرہ وغیرہ۔ غصب ہے کہ ایسی ایسی بے سرو پا کہانیاں فقرا کی سوانح عمریوں میں بھی درج کر دی گئی ہیں۔

محکمات اور متشابہات

علمائے محققین نے کہا ہے کہ اولیاء کے احوال کی دو قسمیں ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ جو احوال شریعت کے موافق ہوں وہ محکمات میں سے ہیں اور جو ناموافق ہوں وہ متشابہات سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو احوال حکمت کی مانند اشتباہ سے پاک ہیں وہ قابلِ حجت بھی ہیں اور پیروی کے لائق بھی۔ لیکن جو احوال متشابہات کی طرح مشتبہ المراد ہیں ان سے بچنا ہی لازم ہے۔ نہ قابلِ حجت ہیں نہ لائقِ اتباع ہیں۔ ان کے سبب سے کئی لوگ ہدایت یاب ہو جاتے ہیں اور کئی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (۲۶:۲)

(گمراہ ہو جاتے ہیں اس کے سبب بہت سے اور ہدایت پاتے ہیں اس سے بہت سے)

محکمات اور متشابہات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ. (۷:۳)

اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب نازل فرمائی۔ اس کی بعض آیتیں ہر قسم کے شبہ سے محفوظ ہیں اور بھی آیتیں اس کتاب کا اصل مدار ہیں اور بعض آیتیں ایسی ہیں جو مشتبہ المراد ہیں، پس جن لوگوں

کے دلوں میں ٹیز ہاپن ہے وہ اس کے دوسرے حصہ کی پیروی کرتے ہیں جو مشتبه المراد ہیں، دین میں فتنہ پیدا کرنے اور غلط مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ ان کا صحیح مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

صاحب مصابیح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَى خَمْسَةِ أَوْجُهٍ حَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابِهٌ
وَأَمْثَالٌ فَأَحْلَلُوا الْحَلَالَ وَحَرَّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوا بِالْمُحْكَمِ وَامْتَنُوا
بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوا بِالْأَمْثَالِ (۱)

قرآن مجید میں پانچ قسم کی آیتیں اتاری گئی ہیں۔ حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔ پس ان کے حلال کا حلال جانو، حرام کو حرام سمجھو، محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان رکھو اور امثال سے عبرت پکڑو۔

غرض اولیا کے بعض احوال پر صرف اپنی سمجھ کے فتویٰ پر عمل نہ کرنا چاہئے، کیونکہ بسا اوقات ایسا کرنا فساد کا موجب ہوتا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

کتب احادیث میں ایک بدی صحابی کا واقعہ مذکور ہے بدی صحابی وہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خدا یہ مژدہ سنایا تھا کہ

اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ قَدْ غُفِرَتْ لَكُمْ (۲)

یعنی اللہ فرماتا ہے کہ آج کے بعد جو تمہارا جی چاہے کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

انہی میں سے ایک شخص نے شراب پی لی۔ جب گرفتار کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا گیا تو کہنے لگا میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں خدا نے بخش دیا۔ اس لئے نہ مجھ پر اس فعل سے حد قائم ہو سکتی ہے اور نہ میں گنہگار کہلا سکتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عذر بالکل

(۱) تیسری روایت ابو ہریرہؓ۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

(۲) تفسیر سورہ ۶۰۔ آیت ۸ جہاں ۹۸ تفسیر سورہ ۱۰۶

نہ سنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے اس پر حد لگادی۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام مسلمان بلا لحاظ مرتبہ یکساں طور پر شرعی احکام کے لئے مکلف ہیں اور جو عمل شریعت کی نگاہ میں برا ہے وہ کسی ولی یا متقی کے کرنے سے اچھا نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی متقی یا ولی اس دنیا میں احکام اسلام کی خلاف ورزی کر کے شرعی مواخذہ سے چھوٹ سکتا ہے۔ (۱) باقی رہا عاقبت کا معاملہ، سو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ (۲۸۴:۲)
جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔

تنبیہ

یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ محبت کرنے یا عداوت رکھنے کے لحاظ سے خوارج و روافض کی طرح لوگوں کی دو جماعتیں ہو گئیں ہیں اور دونوں غفلت میں مبتلا اور گمراہی اور ضلالت میں پڑی ہوئی ہیں اور خارجی منش آدمی کہتا ہے کہ فلاں شخص نے اگرچہ بہت سے نیک اعمال کئے ہیں۔ مگر ناشائستہ بات کی وجہ سے مردود ہے اور قابل پیروی نہیں، اور رافضی روش کہتا ہے کہ فلاں بزرگ کا ہر عمل مستحسن اور واجب الاتباع ہے چاہے اس کا ہر عمل احکام اسلام کے مخالف ہو جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغال گوید

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

یعنی مرشد کہے تو شراب پی لو، کیوں کہ سالک منزل طریقت کی راہ و رسم سے ناواقف نہیں

ہوتا۔

(۱) اثربخاری، (المغازی باب فضل من شہد بدرًا) وسلم

(فضائل السنیہ، وفضائل اہل بدر، ۲۳۹۳)

والہوداؤد (الجهاد، باب فی حکم الجاسوس اذا کان مسلماً ۳/۱۰۸، ۱۱۰، ۱۰۸، ۳۶۵)

والترندی الشیخیر سورۃ التحدید ۲۳۰۲ (والدارمی (ارقاق ۲/۳۱۳)

عن ابی ہریرۃ و احمد (۱/۲۸۰، ۲۹۶۔ ابو ہریرہ) والقسائی

فی تفسیرہ (۲/۴۱۳، ۶۰۵)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: "اے علی تیری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے، کہ یہود نے ان کی عداوت میں یہاں تک کہ غلو کیا کہ معاذ اللہ ان کی والدہ محترمہ پر بہتان باندھے اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو خدا کا پیٹنا بنا کر چھوڑا۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:

يَهْلِكُ فِي رَجْلَانِ مُحِبٍّ مُفْرِطٍ يُفْرِطُنِي بِمَا لَيْسَ فِي رَمِيضٍ يَحْمِلُهُ
شَنَائِي عَلَى أَنْ يَبْهَتَنِي

میری وجہ سے دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک حد سے زیادہ مجھ سے الفت کرنے والے کہ مجھ میں وہ چیز ثابت کریں گے جو مجھ میں نہیں ہے اور دوسرے مجھ سے دشمنی کرنے والے کہ بے جا عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان باندھیں گے۔ (۱)

غرض الفت و عداوت میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہو جانے کی یہ دلیل کافی ہے۔

طریقہ اہل سنت

مفسرین کرام نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں، جن کی مثل مسلمانوں میں فرقہ خوارج ہے، جو بزرگوں کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں، جن کی مثال اہل اسلام میں روافض کی جماعت ہے، جنہوں نے تعظیم و الفت کو حد تحریم تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ راہِ توسط پر چلنے والی صرف ایک جماعت ہے یعنی اہل سنت، جو ہر قسم کے افراط و تفریط سے محفوظ ہیں۔ اہل سنت کا اصول ہر معاملہ میں:

خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَذَرَ

(اچھی چیز لے لو اور بری چیز کو چھوڑ دو)

یہ ہے۔ یہ جملہ اس حدیث کا اہم معنی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

(۱) مسند احمد (۱۶۰/۱) والی الحکم (۱۲۳/۳) وصحیحہ وخالفہ الذہبی بقولہ! الحکم بن عبدالمالک وصاحابہ ابن معین

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو فرمایا:

دُعْ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا يُرِيكَ

(مشکوٰۃ چیز کو چھوڑ دو اور غیر مشکوک چیز اختیار کرو)

اہل سنت سلف صالحین رحمہم اللہ کے حق میں سوائے نیک گوئی کے لب کشائی نہیں کرتے۔

ان کی دعا ہے:

رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ

أَنْتَ الْوَهَّابُ (۸:۳)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا

غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (۱۰:۵۹)

اے ہمارے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ سمجھ، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرماؤ (کیوں کہ) تو ہی رحمت عطا فرمانے والا ہے۔

اے پروردگار ہمارے! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کینہ پیدا نہ

ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! تو ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

وظائف شرکیہ

قبر پرستوں کی دوسری علامت یہ ہے کہ اپنے شیخ کو واقف الاسرار سمجھتے ہیں اور دور اور نزدیک سے اپنی جملہ مہمات میں شیخ کو امداد کے لئے پکارتے ہیں۔ بعض لوگ اس قسم کے وظیفے، جو بالکل سلسلہ کے ناموں پر مشتمل ہوتے ہیں، مسنونہ اور اوداؤ کار کی طرح بلا ناغہ صبح و شام پڑھتے ہیں۔ بعضوں نے پیروں کے نام کے استعارے تجویز کر رکھے ہیں، تاکہ ان کو پڑھ کر مہمات کا انجام بزرگوں کی ارواح سے معلوم کر لیں۔

شرکیہ وظائف کے چند نمونے

بعض لوگ اٹھتے بیٹھتے ”یا بہاء الدین مشکل کشا“ پڑھتے ہیں، اور اپنے آپ کو حضرت خواجہ بہاء الدین کا محب کہتے ہیں۔ بعض فراخی رزق کیلئے ”یا نظام الدین اولیاء زری زربخش“ کا وظیفہ

پڑھتے ہیں اور بعض ہر مشکل کیلئے ”یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ“ کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ (۱)
ایسے وظیفہ پڑھنے کی ممانعت

خبردار رہنا چاہئے کہ یہ وظیفہ سب انفرادی اور بہتان ہیں یہ صحیح طریقت کے کسی پیر سے مروی نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی روایت کرنے والے معتبر ہیں، بلکہ بزرگوں کے صحیح حالات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام بزرگ اپنے مریدوں کو مخلوق کی طرف نگاہ امید رکھنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ عارف المعارف میں حضرت شیخ اشيوخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا يَتَحَقَّقُ صِدْقُ الْمُرِيدِ وَإِخْلَاصُهُ إِلَّا بِإِتِّبَاعِ السُّنَنِ وَبِمُتَابَعَةِ أَمْرِ الشَّرْعِ وَقَطْعِ النَّظَرِ عَنِ الْمَخْلُوقِ وَكُلِّ الْأَلْفَابِ خَلَّتْ عَلَى أَهْلِ الْبِدَايَةِ لِمَوْضِعِ نَظَرِهِمْ إِلَى الْمَخْلُوقِ وَبَلَّغْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ الْمَرْءِ وَحَتَّى يَكُونَ النَّاسُ عِنْدَهُ كَمَا لَا بَاعِرٍ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى نَفْسِهِ فَيَبْرَأَهَا أَصْغَرَ صَاحِرًا

کسی مرید کا صدق و اخلاص صحیح اور درست نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ شریعت کا پورا پورا پیر و کار نہ ہو جائے اور مخلوق سے پورے طور پر بے نیاز ہو کر امید منقطع نہ کر لے۔ اس راہ کے مبتدیوں پر اسی لئے آفتیں نازل ہوتی ہیں کہ ان کی نگاہ امید مخلوق پر لگی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک کوئی شخص مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام انسان اس کے نزدیک اونٹ جیسے نہ ہوں اور جب تک کہ اپنے کو سب سے کم درجہ نہ سمجھے (یعنی جب تک تمام انسانوں کو اپنے سے زیادہ درجہ والا نہ سمجھے گا اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو معمولی نہ سمجھے گا اس وقت تک مومن کامل نہ ہوگا)

خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں مولانا جاجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نغمات الانس میں فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے!

(۱) اخراج الترمذی (القیامات باب (توکل ۲۵۴۰) والقرانی (۸، ۳۴۷، ۳۲۸) باب الخلف علی ترک المشیبات) وادھر (۲۰۰/۱) وقال الترمذی حسن صحیح۔ الحاکم (۲/۱۳، ۱۳، ۹۹) کلہا حسن حسن بن علی۔ مسجود افتخار الذہبی والبیہقی (۸/۲۰۲۳، ۱۷۷) عن الحسن بن علی و مسجود ابن حبان (۵۱۲)

”خدا کا مجاور بننا اس کی مخلوق کے مجاور بننے سے بہتر ہے۔“ خوبصورت صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

تو تا کے گور مرداں را پرستی

مگر دوکار مرداں کن درستی

تو کب تک قبر پرستی کرے گا۔ جا لوگوں کے کام آ۔

حضرت سید المشائخ ابو محمد محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیا متحققین کے سرخیل و سپہ سالار ہیں، اپنی کتاب فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

مَنْ أَرَادَ السَّلَامَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلَعَلَّهِ بِالصَّبْرِ وَالرَّضَى وَتَرْكِ

الْبِسْكَوْى إِلَى الْخُلُقِ وَإِنْزَالِ خَوَانِجِهِ بِرَبِّهِ غَوْ وَجَلَّ وَانْظَارِ الْفَرْجِ

مِنْهُ تَعَالَى إِذْ هُوَ خَيْرٌ مِنْ غَيْرِهِ

جو شخص دنیا اور آخرت میں سلامتی کا طالب ہے، اسے چاہئے کہ صبر کو اپنا شعار بنائے، ہر حال میں راضی برضا رہے، مخلوق سے شکایت نہ کرے اور اپنی حاجات کا سوائے پروردگار کے بذریعہ دعا و سوال یا زبانِ قائل و حال کے اور کسی سے ذکر نہ کرے۔ ہر ایک مشکل کشائی کی توقع اسی کی ذات سے رکھے، کیونکہ اسی کی ذات تمام موجودات سے برتر و اعلیٰ ہے۔

ایک عجیب خطبہ

قبر پرستوں کی یہ بھی عادت ہے کہ جب آیات کلام الہی، احادیث رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اقوال اولیا کرام رحمہم اللہ پیش کئے جائیں تو ان کا جواب اپنی عقلی تاویلوں سے دیتے ہیں، کہتے ہیں ارواح اولیا کرام رحمہم اللہ اگرچہ خدا کی مخلوق ہیں مگر بوجہ اس قرب کے جو ان کو برحقہ دوسری مخلوق کے اپنے خدا کے ساتھ حاصل ہے، ان کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا برا نہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے۔

اولیا را ہست قدرت ازالہ تیر جستہ باز کردانند زراہ

(اولیا اللہ کو خدا کی طرف اسے ایسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے تیر کو راہ سے

واپس پلٹا دیتے ہیں)۔

حاشا وکلا! اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے:

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِذْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ. (۱۰:۱۰۷)

اگر اللہ تعالیٰ تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی شخص اس کو دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ کوئی راحت پہنچانا چاہے تو بھی اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے:

لَوْ جَمَعَ الْعِبَادُ عَلَى أَنْ يُنْفَعُوا بِشَيْءٍ لَمْ يَقْضِهِ اللَّهُ لَكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَلَوْ جَمَعَ الْعِبَادُ عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَقْضِهِ اللَّهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا!!

اور تمام لوگ اکٹھے ہو کر تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں جو خدا کو منظور نہیں تو نہیں پہنچا سکتے اور (اسی طرح) اگر نقصان پہنچانے پر اکٹھے ہو جائیں جو خدا نے تیرے مقدر میں نہیں لکھا تو نہیں پہنچا سکتے۔ (۱)

اس حدیث کا پہلا حصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ:

بَيْنَ أَنَا رَدِيفُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِذْ قَالَ لِي يَا غُلَامُ احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللَّهَ تَجْعَلَهُ أَمَامَكَ فَإِذَا سَأَلَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعْنَتْ فَاسْتَعِينِ بِاللَّهِ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَاتِبُ الْخ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ باب التوکل)

میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے فرمایا اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ (کے امر و نہی کو) نگاہ میں رکھ اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا اگر تو اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ رکھے گا تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اگر سوال کرنے کی حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر، اور اگر مدد کی ضرورت ہو تو اس کی مدد مانگ، ہر چیز کی نسبت قلم لکھ کر خشک ہو چکا۔

تمام کتب صحاح میں مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے۔ فتوح الغیب میں اس حدیث کے بعد لکھا ہے:

(۱) اخرجہ الترمذی (قیامہ ۵۹، ۲۶۳۵) وقال حسن صحیح احمد (۱/۲۹۳، ۳، ۳۰۷) والقضای فی مسند الشہاب (۷۳۵، ۳۳۳/۱) واللم فی الکبیر (۱۱۳۳)

فَيَنْبَغِي لِكُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يُجْعَلَ هَذَا الْحَدِيثَ مِرَاةً لِقَلْبِهِ وَشِعَارًا وَدِنَارًا وَحَدِيثًا فَيَعْمَلَ بِهِ جَمِيعَ حَرَكَاتِهِ وَسَكَاتِهِ حَتَّى يُسَلِّمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَجِدَ الْعِزَّةَ فِيهِمَا بِرَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى.

ہر مومن کو چاہئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ بنائے، اور اپنی گفتگو، لباس اور جملہ حرکات و سکنات میں اس پر عمل کرے تاکہ خدا کی رحمت سے دنیا و آخرت میں نجات اور عزت پاسکے۔

آگے لکھا ہے:

وَأَرْضَاهُ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ مَا سَنَلُ إِلَّا بِجَهْلِهِ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَضَعْفَ إِيمَانِهِ وَمَغْرَبِيَّةَ وَيَقِينِهِ وَقَلَّةَ صَبْرِهِ.

جو شخص ضرورت کے وقت لوگوں سے مانگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے بے خبر ہے۔ یہ اس کے ایمان کی کمزوری ہے اور طبیعت کی بے صبری کی علامت ہے۔

حدیث شریف اور شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ پیر پرستوں کا طریق شریعت اور طریقت دونوں سے جدا ہے اگر وہ کہیں کہ یہ مقام حقیقت کی باتیں ہیں تو انہیں بتانا چاہئے کہ منزل طریقت و حقیقت کے امام حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

كُلُّ حَقِيقَةٍ لَا يَشْهَدُ لَهَا الشَّرْعُ فَهِيَ ذَنْدَقَةٌ

(جو حقیقت شریعت کے مخالف ہو وہ کفر والحاد ہے)

حقیقت، شریعت کے مخالف نہیں

اس قول کی تشریح میں شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حقیقت، شریعت کے مخالف نہیں ہو سکتی، کیونکہ کسی چیز پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر کار بند ہو کر اس کی حقیقت کو پہنچ سکیں۔ اور یہ ایک ہی راستہ ہوگا۔ جس کی انتہا اس کی ابتدا کے مخالف نہیں۔ پس اگر کسی کو کوئی امر خلاف شرع نظر آئے تو اسے باطل سمجھنا چاہئے اور اس پر عمل نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ جان بوجھ کر باطل پر عمل کرنے والا کافر ہوتا ہے۔

ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ کا قول

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بسا اوقات مجھ پر ایک نکتہ ظاہر ہوا مگر میں نے اسے اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک کہ کتاب وسنت سے اس کی تصدیق نہ کر لی۔
آگے فرماتے ہیں:

جان لو کہ (حدود شریعت کی حفاظت کے ساتھ) مقام شہود و توحید صدیقیوں اور عارفوں کا مقام ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے سالک پہنچ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں، بلکہ بعض تو ایمان و دین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔
پھر فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ دین ایک ہے شریعت، طریقت اور حقیقت جدا جدا، تینوں دین نہیں ہیں بلکہ یہ اسی ایک کی شاخیں ہیں، واللہ بقول الحق وهو یهدی السبیل..... انتہی کلام۔

حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ اکابر مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ آپ کا قول ہے:

كُلُّ بَاطِلٍ يُخَالِفُهُ الظَّاهِرُ فَهُوَ بَاطِلٌ وَمَلُومٌ

جس باطن کا ظاہر مخالف ہو وہ باطل ہے، اور ملامت کے قابل ہے۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

کتاب سیر المشائخ میں باطن کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ملتانى حسب معمول صبح کی جماعت میں شریک ہوئے ایک رکعت ہو چکی تھی اس لئے تشہد میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نماز کے بعد امام نے کہا: اے شیخ! امام کے سلام پھیرنے سے پہلے مقتدی کو اٹھنا جائز نہیں۔ کیوں کہ ممکن ہے ابھی کچھ باقی ہو اور امام کی متابعت فوت ہو جائے۔ شیخ نے جواب دیا ”اگر نور باطن سے پتہ لگ جائے کہ نماز ہو چکی اور کچھ باقی نہیں تو ایسی صورت میں سر امام سے پہلے اٹھنے میں کیا مضائقہ ہے۔“ امام نے کہا ”ہرگز جائز نہیں۔ جو نور شریعت کے مخالف ہو وہ نور نہیں تار کئی ہے۔“ اس پر حضرت شیخ نے کہا ”آمن“

شیخ ابو عبد اللہ حارث بن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابو عبد اللہ حارث بن اسدی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حنفی من اہل طریقت کے علما میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

مَنْ صَحَّ بَاطِنُهُ بِالْمُرَاقَبَةِ وَالْإِخْلَاصِ زَيْنَ اللَّهِ ظَاهِرُهُ بِالْمُجَاهِدَةِ وَاتِّبَاعِ السُّنَّةِ

جس کا باطن مراقبہ و اخلاص سے درست ہو گیا اس کا ظاہر اللہ تعالیٰ سنت کی پیروی اور ریاضت سے آراستہ فرما دیتا ہے۔

ابو حفص کبیر حداد رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ابو حفص کبیر حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَزِنْ أَحْوَالَهُ وَأَقْوَالَهُ وَأَفْعَالَهُ بِمِيزَانِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَمْ يَتَّخِذْ خَوَاطِرَهُ فَلَا تَعْدُوهُ فِي دِيْوَانِ الرِّجَالِ

جو شخص اپنے اقوال، احوال اور افعال کو کتاب و سنت کے مطابق نہیں رکھتا اور خواہشات کی پیروی کو برائیاں سمجھتا اسے مردوں کی فہرست میں شمارت کرو۔

ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

سلطان العارفین ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَوْ نَظَرْتُمْ إِلَى رَجُلٍ أُعْطِيَ أَنْوَاعًا مِنَ الْكَرَامَاتِ حَتَّى يُطَيَّرَ فِي الْهَوَاءِ أَوْ مَشَى عَلَى الْمَاءِ لَا تَغْتَبِرُوا بِهِ حَتَّى تَنْتَظِرُوا كَيْفَ تَجِدُونَهُ بِأَدَاءِ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَحِفْظِ الْحُدُودِ وَأَدَاءِ أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ

اگر تمہیں ایسا شخص نظر آئے جو تمہاری دانست میں بے شمار کرامتوں سے مشرف کیا گیا ہو، یہاں تک کہ ہوا میں اڑ سکتا ہو اور پانی کی سطح پر چل سکتا ہو تو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی، حفظِ حدود شرعی اور پابندی احکام اسلامی میں کیسا ہے، کبھی اعتبار نہ کرو اور اس کی کرامات کے قائل نہ ہو

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا قول

امام طریقت سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طُرُقَ إِلَى اللَّهِ بَعْدَ انْفَاسِ الْخَلَائِقِ وَكُلِّهَا مَسْدُودَةٌ عَلَى الْخَلْقِ الْأَعْلَى مَنِ اقْتَنَى أَثَرَ الرُّسُولِ

اللہ تک پہنچنے کے راستے خلق خدا کی سانسوں کی مقدار کے مطابق ہیں مگر یہ سب اس وقت تک ہر شخص پر بند ہیں جب تک کوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم نہ چلے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان تمام بزرگوں نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور امر و نہی پر استقامت کو واجب سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَذُرُوا ظَاهِرَ الْأَيْمَنِ وَبَاطِنَهُ (۱۲۰:۶)

ظاہر اور باطن دونوں طرح کے گناہ چھوڑ دو۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت کی ظاہر میں مخالفت کرنا بھی گناہ ہے اور یہ کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔ اسی طرح شریعت کی خلاف ورزی کرنے والے کی پیروی کرنا بھی ظاہری گناہ ہے اور یہ کسی کے لئے جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ابراہیم بن میسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وَقَرَّ ضَاغِبٌ بِذَعَةِ فَقَدْ أَغَانَ عَلَى هَذَا الْإِسْلَامِ

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے (گویا) دین حق اسلام کی تباہی اور بربادی میں امداد

دی۔

یعنی یہ صحیح ہے کہ کسی بدعتی کی کبھی تعظیم و توقیر نہ کی جائے کیونکہ بدعت کی عزت کرنا درحقیقت اسلام کی تذلیل و تحقیر کرنا ہے۔

مشائخ کا حزم و احتیاط

شریعت کی مخالفت سے بچنے کے لئے اکابر مشائخ کا یہ حال تھا کہ ہر معاملہ میں کمال درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے، لکھا ہے کہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی عبادت گزار شخص تھا۔ ہزار نفل ایک رات میں پڑھا کرتا تھا۔ مگر باوجود اس زہد و عبادت کے جب اس نے اتنا الحق کہا

یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ابن عدی نے انکامل (۱/۹۴) اور ابن حبان نے انضعاف (۱/۲۳۵) میں اور ابن جوزی نے موضوعات میں (۱/۲۷۱) کی ہے۔

تو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کے دوسرے مشائخ نے اس کو قابل سزائے موت قرار دیا اور اس کے قتل کا فتویٰ لکھ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ ابن منصور حلاج کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ مردود ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مردود کہا جو وقت کا پیشوا تھا۔

سید محی الدین جیلانی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: ”منصورؒ کی کسی شخص نے اصلاح نہ کی، اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو اس کی اصلاح کرتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔“ ہو سکتا ہے جس چیز کو منصور کے مخالف حق سمجھتے ہوں وہی چیز ان کے بزرگوں کے نزدیک غلط ہو۔ غرض اس قصہ سے یہ ثابت ہوا کہ جو لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مخالف ہیں وہ مشائخ و بزرگان دین کے طریقہ کے بھی مخالف ہیں۔ ایسے لوگوں کا اپنے آپ کو محبت مشائخ کہنا غلط ہے، ٹھوٹا ہے۔

يَقُولُونَ بِأَفْوَهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ (۱۶:۳)

(جو بات منہ سے کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں)

اس جماعت کا عجب حال ہے۔ جب آیات و احادیث اور آثار مشائخ رحمہم اللہ سے دلائل پیش کئے جائیں تو ردافض کی طرح نا جواب ہو کر کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں سے یہ باتیں مروی نہیں ہیں، ممکن ہے کہ یہ باتیں انھوں نے اپنے خاص لوگوں سے کہی ہوں، خیال کرو کہ یہ لوگ کس طرح اپنے بزرگوں پر تفتیح کی تہمت لگاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی لوگوں کی نسبت ارشاد فرمایا اور ان سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد ہے:

يَكُونُ فِي أَخْبَرِ الزَّمَانِ كَذَّابُونَ ذَبَّالُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاءُكُمْ لَا يُضِلُّوكُمْ وَلَا يُفْتِنُوكُمْ (۱)

آخری زمانہ میں کذاب اور دجال پیدا ہوں گے۔ تم ان سے ایسی باتیں سنو گے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہ سنیں۔ ان سے بچنا، کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(۱) مسلم (مقدمہ ۶) مسند احمد (۲/۳۴۹) بخاری (۱/۲۲۳) الجامع (۱/۱۰۳)

لفظ ”دجالون“ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کس عیاری سے اپنے شعبدوں کو کرامت ثابت کر کے گمراہ کریں گے، ان سے بچنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ

جو شخص فساد کے وقت میری سنت کی متابعت کرے گا اسے سو شہید کا ثواب ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر ایک خط کھینچا اور فرمایا: ”هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ“ (یہ اللہ کا راستہ ہے) پھر اس کے دائیں بائیں خط کھینچے اور فرمایا: ”هَذَا سَبِيلُ عَالِي كَل سَبِيلِ مِنْهَا الشَّيْطَانُ يَدُو مَوَالِيهِ“ (ان راستوں میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے) پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعْنَةً تَتَّقُونَ. (۱۵۳:۶)

یہ میرا راستہ سیدھا ہے اس پر چلو دوسری راہوں پر مت چلو ورنہ خدا کی راہ سے ہٹ جاؤ گے۔ یہ خدا کا تاکید کی حکم ہے تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ۔

یعنی دین حق کی بتلائی ہوئی صراط مستقیم پر چلے بغیر، شیطانی راہوں سے بچنا محال ہے۔ شرح السنہ میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوں جو میں

(۱) من حدیث ابن عباس رواہ ابن عدی فی الکامل (ل/۹۰/ب) وابن بشران فی المالیہ (ل/۹۳.....م/۳۳۱/ب) و مسندہ ضعیف جدا و اعزہ المنذری فی الترغیب (۸۰/۱) السی البیہقی و رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ (۲۰۰/۸) والطبرانی فی الاوسطہ کما فی المجمع (۱/۱۷۲) قال ابو نعیم ”غریب“ وقال الہیثمی ومحمد ابن صالح العدوی لم ار من ترجمہ ومنہ تعلم ان قول المنذری: و اسنادہ الایاس بہ لیس کما ینفی مسند احمد (۱/۳۳۵، ۳۶۵) والدارمی فی سننہ (المقدمۃ، باب کراہتہ اخذ الآی ۱/۶۷) والحاکم (۲/۲۳۹/۳۱۸) وصححہ ووافقه الذہبی

لے کر آیا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ مقدمات ایمانی اور امور اسلام میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرے، ورنہ ایمان جاتا رہے گا اور وہ قیود شرع سے آزاد ہو کر شیطان کی غلامی میں پھنس جائیگا۔
عقائد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ
سے موافقت ضروری ہے

مخفی نہ رہے کہ دین اسلام دو چیزوں پر مشتمل ہے، عقائد اور اعمال بلاشبہ یہ مشکل امر ہے کہ ہمارے اعمال زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال جیسے ہو جائیں اور جو جو کام انھوں نے اپنی مبارک زندگیوں میں انجام دیئے ہم بھی انجام دے لیں۔ یعنی اعمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ پوری پوری مماثلت پیدا کر لینا چونکہ ہر شخص کے لئے مشکل بات تھی اس لئے شریعت نے ہر شخص کو بقدر طاقت و وسعت مکلف کیا ہے لیکن عقائد کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ عقائد میں تو ان کے ساتھ پوری مماثلت پیدا کرنا ہر مسلم کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے اور ادنیٰ سی مخالفت کو بھی بے دینی اور گمراہی بتایا گیا ہے، کیا یہ انبیاء علیہم السلام سے عقائد میں اختلاف کرنے کا نتیجہ نہ تھا جس نے یہود و نصاریٰ کو گمراہ کر دیا اور وہ اکثر اے، بہتر ۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے؟ اسی چیز سے متنبہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي زَمَانٌ كَمَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذَّ وَالنَّعْلَ بِالنَّعْلِ حَتَّىٰ
إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّةً غَلَابِيَّةً لَّكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يُصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ
تَفَرَّقَتْ عَلَى اثْنَيْنِ وَسَبْعِينَ مِثْلًا وَتَفَرَّقَ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِثْلًا كُلُّهُمْ فِي
النَّارِ إِلَّا مِثْلًا وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ مَا أَنَا
عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (۱)

جو واقعات بنی اسرائیل پر گزر رہے ہیں وہی واقعات میری امت پر گزریں گے۔ ٹھیک
ایسے ملتے جلتے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے

(۱) الترمذی الایمان باب افتراق مذہب الامم قال حدیث حسن و غریب

اگر کسی نے اپنی ماں سے بدکاری کی ہوگی تو مسلمانوں میں بھی ایسے شخص پیدا ہوں گے جو اسی طرح کریں گے۔ اور بنی اسرائیل بہتر ۲ فرقوں میں بٹ گئے۔ مسلمان بہتر ۳ فرقے بن جائیں گے جن میں صرف ایک جماعت جنتی ہے باقی تمام دوزخی ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنتی گروہ کونسا ہے؟ فرمایا اس طریق پر چلنے والے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس حدیث کو ابویسٰیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں اس کے خاتمہ پر یہ الفاظ بھی ہیں:

وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَانَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمِّي أَلْوَامَ تَتَجَارَى بِهِمْ بَلْكَ الْأَهْوَاءُ
كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ وَلَا يَنْفَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصَلٌ إِلَّا دَخَلَهُ. (۱)

وہ ناجی گروہ ایک جماعت ہے اور مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جن میں یہ باتیں (بنی اسرائیل کی عادتیں) اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح دیوانے کتے کا زہر آدمی کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے کہ وہ جو میں کوئی ٹھہ اور ریشہ اس کے اثر سے بچا ہوا نہیں رہتا۔

حاصل یہ ہوا کہ کہ ہوائے نفس کے پیچھے چلنا بے دینی پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کی پیروی کرنا یقیناً موجب نجات ہے پس جب یہ صحیح ہے کہ سنت کی پیروی میں نجات اور اس کی مخالفت میں ہلاکت اور تباہی ہے تو ہر حال میں اپنے احوال، افعال اور اقوال کو کتاب و سنت کی ترازو پر جانچتے رہنا چاہئے۔ بڑے بڑے علما و مشائخ نے یہی کہا ہے اور ان کے اقوال اور پر گزر چکے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وسیع مضمون کو ایک شعر میں ادا کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں

خلاف پیبر کے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہ رسید

(جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود تک نہیں

پہنچے گا)۔

بلاشبہ عملی مخالفت بھی معصیت اور گناہ ہے لیکن اگر اس کے مرتکب کو اپنے اپنے قصوروں کا اعتراف ہو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ حضرت شیخ

(۱) احمد (۱۰۲/۳) ابوداؤد (۵/۵۵) (۳۵۹۷) السنۃ باب اول اسناد صحیح

سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق بھی اشارہ فرمایا ہے۔

نمائند بھصیاں کسے درگرو کہ وارد چنیں سید پیشرو
جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا پیشو رکھتا ہے وہ ہرگز گناہوں کے بدلے عذاب میں نہ
جائے گا۔

شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد میں پیشرو کا لفظ عمل میں کوتاہی کی طرف اشارہ کرتا
ہے۔ کیوں کہ جو لوگ سرے سے اعتقاد ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متفق
نہیں، آپ ان کے پیشرو کس طرح ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا ادِّينُهُمْ وَكَانُوا شَيْعًا لَّسْتُ مِنْهُمْ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ. (۱۵۹:۶)

جن لوگوں نے اپنے دین کے کٹڑے کٹڑے کر ڈالے اور گروہ گروہ ہو گئے (اے نبی) آپ
کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ان کو ان کی کارگزاریاں
جتلادے گا۔

تنبیہ

اے مدعیان طریقت، زمانہ نبوت کو گزرے مدت دراز ہو گئی اور قرون مٹا شیکا وہ دور ختم
ہو سکتا، جس کی دینداری و تقویٰ کی تعریف خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی۔ اب
یاد رکھنا چاہئے کہ اولیا کرام رحمہم اللہ اور علمائے دین کے مشہور اقوال و احوال کا معاملہ جو تو اتر کے
ساتھ ثقہ راویوں سے مروی نہیں، بالکل اہل کتاب کی روایتوں کے مانند ہو گیا ہے، جن کا ایک
حصہ قرآن مجید کے موافق ہے، دوسرا مخالف ہے اور تیسرا نہ مخالف ہے نہ موافق۔ ہمیں حکم یہ دیا گیا
ہے کہ جو حصہ موافق ہے اس کی تصدیق کرو اور جو مخالف ہے اس کی تکذیب و تردید کرو اور تیسرے
حصہ سے کچھ سروکار نہ رکھو۔

علمائے ربانی کا ارشاد ہے کہ شعائر اسلام کی مخالفت کرنے والے کو سمجھانا چاہئے اور اس کی
بد عملی سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ہم نشینی نہ رکھنا چاہئے۔ کیوں کہ ایسا کرنا ان
سے پیار کرنے کے برابر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ. (۱)

جس نے کسی قوم کو دوست رکھا وہ انہی میں سے ہے۔

فاسق و فاجر سے میل جول کا انجام عذاب الہی ہے

یہودیوں میں سبت کے روز مچھلی پکڑنا حرام تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی تین جماعتیں ہو گئیں۔ ایک وہ جس نے سبت کے دن مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ دوسری وہ جو ان کو منع کرتی رہی اور تیسری وہ جو مذکورہ بالا جماعتوں کے بین بین رہی یعنی پکڑنے والوں کو تو کچھ نہیں کہا، لیکن روکنے والوں کو روکنے سے منع کرتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کا حال یکجا بیان فرمایا ہے:

أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (۱۶۵:۷)

ہم نے (صرف) ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے روکتے تھے اور باقی ظالموں کو سخت عذاب میں پکڑ لیا کیونکہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔

مفسرین کا خیال ہے کہ عذاب الہی سے صرف وہ جماعت بچ سکی جو روکنے والی تھی۔ باقی دونوں جماعتیں بسبب ارتکاب واعانت فسق ہلاک ہو گئیں۔ یعنی وہ بھی جو سبت کی بے حرمتی کرتی تھی اور وہ بھی جو یہ کہتی تھی:

لِمَ تَعْطُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا (۱۶۳:۷)

(یعنی تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا عذاب شدید کا مزہ

چکھائے گا۔)

مسلم کی ایک روایت

صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب مدافعت کی طاقت نہ ہو اور بالکل بیچارگی کی حالت ہو گئی ہو تو بھی مکررات کے مرتکب سے بغض و نفرت رکھنا ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ نَفْسٍ بَغَتْهُ اللَّهُ فِي أَمَّتِهِ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ فِي أَمَّتِهِ خَوَارِثُونَ وَأَصْحَابٌ

(۱) ان الفاظ میں یہ حدیث ابھی تک نہیں ملی البتہ ۷۲ پر ایک حدیث بلغۃ الرمع من احب سے آئی ہو جو صحیح ہے

يَاخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَقْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (۱)

دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اس کی امت میں ایک جماعت حواریوں کی ہوتی ہے جو نبی کی سنت پر چلتے اور اس کا حکم مانتے ہیں جب یہ لوگ اٹھ جاتے ہیں تو ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں جنہیں خود نہیں کرتے اور ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں کرنے کا حکم نہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف زبان اور دل سے جہاد کرنے والا مومن ہے اور زبان سے جہاد کرنے والا مومن ہے اور دل سے جہاد کرنے والا مومن ہے اور جودل سے بھی جہاد نہیں کرتا وہ رائی کے دانہ برابر بھی ایمان دار نہیں ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سنت کی مخالفت کرنے والے سے محبت رکھنا کفر سے قریب اور ایمان سے دور کر دیتا ہے اور ضمنتا یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قبور پر منکرات کا ارتکاب کرنے والوں سے اولیائے کرام کی رو میں اگر بدنی اور لسانی جہاد سے قاصر ہیں تو بدرجہ اقل قلبی بغض تو ضرور رکھتی ہوں گی۔

مکالمہ

ایک دفعہ جوانی کے ایام میں مجھے ایک پیر پرست سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا کہنے لگا متشرع لوگ اولیاء اللہ کی قدر نہیں جانتے۔ انہیں جامد اور بے خبر سمجھتے ہیں اور ان کے حزاروں سے فائدہ نہیں اٹھاتے حالانکہ کہا گیا ہے۔

مردان خدا خدا خدانہ باشند لیکن ز خدا جدا نہ باشند

اللہ کے بندے خدا تو نہیں ہوتے لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔

میں نے کہا ”اہل شریعت اولیاء اللہ کی نسبت ایسا خیال کیوں کر سکتے ہیں جبکہ انہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ شہدائی سمیل اللہ زندہ ہیں اور پروردگار کے ہاں سے رزق پاتے ہیں اُوہ تو ان کی پرستش سے منع کرتے ہیں، ورنہ ان کی قبروں کی زیارت کرنے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے سے نہیں روکتے۔ رہا ان کے حزارات سے فائدہ اٹھانے کی بدعت تو یہ بعض

(۱) مسلم ایمان باب بیان کون النبی من لم یکن من الایمان (۱/۶۶۷) و احمد (۱/۳۵۸)

فقیروں کی من گھڑت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک بھی اس کا وجود نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور قبر پر پہنچ کر انہیں خیال آیا کہ خدا جانے میرے آنے کی خبر حضرت خواجہ کو ہوتی ہے یا کہ نہیں، اس پر قبر سے آواز آئی۔ من آیم بحان، مگر تو آئی بہ تن۔

”تو جسم کے ساتھ آیا ہے تو میں جان سے حاضر ہوں۔“

اس نے کہا: ”اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں قبروں سے فائدہ اٹھانے کا وجود نہیں تھا، حالانکہ سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ فائدہ اٹھانے کے قائل تھے۔“

میں نے کہا: ”آپ کا اس شک میں پڑ جانا کہ خدا جانے میرے آنے کی خبر ان کو ہوئی ہے یا نہیں، یہی بات میرے خیال کی تائید کرتی ہے۔“

اس نے کہا: ”تو ان کے سوا باقی بزرگ سب قائل ہوں گے کیونکہ اس زمانہ کے کسی بزرگ سے انکار مروی نہیں۔“

میں نے کہا: ”لو سنو! حضرت خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔“

تو تا کے گور مرداں را پرستی بگرد کار مرداں کن درستی

اس نے کہا: ”کہاں فائدہ اٹھانا اور کہاں پرستش“

میں نے کہا: ”فائدہ اٹھانے کا طریقہ بتاؤ“

اس نے کہا: ”جس طرح زندہ بزرگ کی صحبت میں بیٹھ کر باطنی توجہ کرنے سے فائدہ ہوتا

ہے اسی طرح بزرگوں کے محارات سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کیوں کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں۔

ان اولیاء اللہ، لا یموتون،

میں نے کہا: ”یہ قول تمہارے دعویٰ کی دلیل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ امور دینیہ کی دلیل صرف

کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت پر مبنی ہے، نہ زید، بکر، عمر کے اقوال پر چنانچہ

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مریدوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے، دوستوں نے بٹھانا چاہا، مگر نہ بیٹھے اور فرمایا:

”یہ کام سنت کے خلاف ہے۔“

دوستوں نے کہا کیا آپ سماع کے منکر ہیں، حالانکہ آپ کے پیرومرشد اس کے جواز کے قائل تھے۔ آپ نے فرمایا: مشائخ کا کوئی فعل شرعی حجت نہیں، لکھا ہے، اس بات کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ہوا تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ ”نصیر الدین نے سچ کہا ہے“ اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شیخ نصیر الدین سماع کے قائل ہو گئے تھے۔

میں نے کہا: خیر الجالس میں تو لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ سے ساز کے ساتھ گانے اور قص کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: دیکھو جو شخص مقام طریقت سے گرے گا، مقام شریعت میں پڑے گا، لیکن اگر مقام شریعت سے بھی گر جائے تو جہنم کے سوا کہاں جائے گا۔ پھر فرمایا، پہلے تو مطلق سماع ہی میں اختلاف ہے، بعض مشائخ نے چند در چند شرائط کے ساتھ خاص اقصیٰ لوگوں کے لئے جائز کہا ہے اور وہ بھی بغیر ساز کے۔ ساز کے ساتھ تو بالا جماع حرام ہے۔

اس نے کہا شیخ موصوف نے سماع تو کیا ہے، خواہ مزامیر کے ساتھ نہ کیا ہو۔ میں نے کہا: اگر انھوں نے سماع کیا ہے تو میں انہی کے الفاظ میں کہوں گا کہ مشائخ کا کوئی فعل شرعی حجت نہیں ہے، خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ میں نہ ساز کے ساتھ سماع کرتا ہوں نہ بغیر ساز کے۔

میں نے کہا: آپ کو قبوروں سے فائدہ حاصل کرنا ثابت کرنا تھا۔

اس نے کہا: اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی ہوئی موجود ہیں، شاید آپ نے دیکھی نہیں۔

میں نے کہا: یہ سب مجاوران قبور کی تصنیف ہیں، جن میں بزرگوں پر بہتان لگائے گئے ہیں، چنانچہ خیر الجالس کے حوالہ سے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے

کہ آپ نے فرمایا:

دو مادہ گائیں ذبح کرنا ایک قتل انسان کے برابر اور دس بھیڑ بکریاں ذبح کرنا ایک قتل انسان کے برابر ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا خولجہ صاحب ہارونی نہیں تھے۔ ہر دن ایک بستی کا نام ہے جو آپ کا وطن تھا۔ پھر فرمایا یہ الفاظ خولجہ صاحب کے نہیں ہو سکتے۔ میں نے اور بھی اس قسم کی باتیں ان کے متعلق سنی ہیں۔ مگر یہ سراسر بہتان و افتراء ہے، جو خولجہ صاحب پر ان کے ناخلف مریدوں نے تراشا ہے پھر فرمایا، حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی تصنیف نہیں لکھی، کیوں کہ مجھ سے بہتر شیخ فرید الدین اور شیخ قطب الدین و دیگر چشتی خواجگان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کوئی تصنیف نہیں لکھی۔

اس نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ دیگر اصفیا و علما نے ہزاروں تصانیف لکھی ہیں۔

میں نے کہا: شاید اس لئے کہ کوئی تصنیف نہ لکھی ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی تصنیف نہیں لکھی۔ مزید برآں یہ خیال آیا ہوگا کہ بزرگان سلف کی تصانیف لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی ہیں۔

اس نے کہا: صوفی کے لئے سلف کے طریقے کی متابعت ضروری نہیں ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ انصونی لاندہب لہ اور مولانا روم فرماتے ہیں۔

ملت عشق از ہمہ ملت جدا است عاشقان را مذہب و ملت خدا است

عشق کا مذہب تمام مذاہب سے نرالا ہے، عاشقوں کا مذہب خدا ہے۔

میں نے پوچھا: کس طریقہ سے تعلق رکھتے ہو؟

اس نے کہا: تینوں طریقوں سے، مگر سلطان المشائخ کے ساتھ میری خاص محبت ہے۔

میں نے کہا: فوائد الفوائد دیکھی ہے:

اس نے کہا: ہاں دیکھی ہے، یہ کتاب فقرائے نزدیک قرآن مجید کے بعد سب سے بلند درجہ رکھتی ہے۔

میں نے کہا: اس کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ بزرگان سلف کا مذہب رکھتے تھے اور اپنے مریدوں کو بھی سلف کے اعمال و عقائد کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور آپ کا یہ قول بھی

مذکور ہے جو شخص مقام طریقت سے گرے مقام شریعت میں پڑے گا لیکن جو شخص مقام شریعت سے تجاوز کرے گا وہ کہیں کا نہ رہے گا۔

اسی کتاب میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ حسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا: آپ کے مرید اکٹھے ہو کر سازن رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو اس سے ان کو منع کر دیا ہے۔ نہیں باز آتے تو برا کرتے ہیں۔ میرے نزدیک تو نماز میں غلطی سے امام کو آگاہ کرنے والی عورت کو تالی بجانا بھی جائز نہیں کیوں کہ یہ حرکت ساز بجانے سے مشابہ ہے اور لہو میں داخل ہے۔

اسی کتاب میں آپ سے ایک حکایت منقول ہے۔ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص سے سوال ہوگا، کیا تو نے سماع کیا۔ وہ کہے گا ہاں یا اللہ۔ پھر کہا جائے گا تو تو مضامین سماع کو ہی ہمارے اوصاف سمجھتا ہوگا۔

وہ اثبات میں جواب دے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا شاعروں کے مضامین میں بیان کردہ اوصاف تو فانی تھے اور ہماری ذات قدیم ہے۔ فانی کا اطلاق ذات قدیم پر کیوں کر درست سمجھا؟ عرض کرے گا بار خدا یا! تیرے ساتھ محبت کی وجہ سے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ایسا کیا تو معاف کرتا ہوں۔ یہ حکایت بیان کر کے آپ رو پڑے اور فرمایا، غور کرو، جب اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے متوالوں سے اس طرح باز پرس کرے گا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں، میں نے کہا! اے بھائی تمہارا کلام موضوع سے دور جا پڑا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جس طرح زندہ پیر سے استفادہ ہو سکتا ہے اسی طرح پیر کی قبر سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ خیال آپ کے ذہن میں کس طرح بیٹھ گیا۔ جب کہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے اس کا ثبوت مذکور نہیں۔

اس نے کہا: ان لوگوں سے تو ہمیں بھی اتفاق نہیں جو مردہ پیر کو زندہ پیر کی طرح قادر بر کمالات سمجھتے ہیں، اور قلبی اور لسانی ذکر کے لئے محض قبروں کو قبلہ توجہ بناتے ہیں لیکن جو شخص قبر کی بجائے صاحب قبر کی روح کو قبلہ توجہ بنا کر ذکر الہی کرے اس سے جواز میں کیا کلام ہے؟ میں نے کہا: دیکھو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ ہی

زندگی میں قبلہ توجہ نہ بنایا اور نہ بعد وفات آپ کی پاک روح کو یہ منصب دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی تمام امت کے لئے صرف ایک قبلہ توجہ الی اللہ قرار دیا، جسے کعبہ کہتے ہیں اور اس کے سوا کسی بشر کو اجازت نہیں دی کہ کسی نیک آدمی کی روح کو قبلہ توجہ بنا کر مشغول ذکر اللہ ہو۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی شخص ایسا کرے تو دین اسلام سے اس کے باغی ہو جانے میں کیا شک ہے، کیوں کہ وہ اپنے لئے نئی شریعت تجویز کرتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم نہیں دیا۔

اس نے کہا: کیا متاخرین نے اس معاملہ میں غلطی کھائی؟

میں نے کہا: اگر متاخرین نے نہیں کھائی تو کیا متقدمین نے غلطی کھائی جن میں تابعین رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، کہ اختیاری قبلہ کو چھوڑ کر مجبوری قبلہ اختیار کیا اور اتنی بڑی پابندی اپنے سر لے لی؟

اس نے کہا: ہمارے نزدیک کسی نے خطائیں کی متقدمین نے اگر ذکر و دعا کے وقت ارواح و وسائل کے فیض سے بے پروائی کی تو اس زمانے کے لئے وہی ٹھیک تھا اور اگر متاخرین نے فائدہ اٹھانے کا طریقہ گھڑا تو اس وقت تعلق باللہ کی یہی قریب ترین راہ ہے۔

قبلہ توجہ کی دلیل

میں نے کہا: اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب بھی دین میں تسخ جاری ہے اور احکام میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ دین مکمل کر چکے اور تسخ اور تبدیلی کو بند فرما چکے ہیں۔

ارشاد ہے: اَلْهُوْمُ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۳:۵)

میں نے آج تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند فرمالیا ہے۔

اس نے کہا: آگے بھی تو پڑھئے:

فَمَنْ اضْطُرَّ فِىْ مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِآيَاتِ اللّٰهِ غَوْرًا رَّحِمَتْ (۳:۵)

اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے، مجھے معاف کر دے۔

حالانکہ ظاہر ہے کہ شب قدر میں فرشتوں اور ارواح کا نزول ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ (سورة القدر)

شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس میں فرشتے اور روح، اللہ کے حکم سے برابر خبر کو لے کر اترتے ہیں۔

اور تمہارا یہ کہنا کہ اضطراب کی وجہ سے ارواح کو قبلہ توجہ بنانا جائز ہے، یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ شرک یا مشابہ شرک ہے، جو حرام ہے۔ غور کرو وہ کلمہ رکفر جو اضطراب کی حالت میں جان بچانے کے لئے کہنا جائز ہے اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ صرف زبان سے کہے دل سے اس پر یقین نہ رکھے۔ کیونکہ دل سے کسی چیز کو مان لینا اضطراب میں داخل نہیں ہے، اضطراب کی تو یہ کیفیت ہے کہ غالب جان مارنے کی دھمکی دے اور مغلوب معلوم کرے کہ حرام عمل کے ارتکاب کے بغیر چھٹکارا نہیں، تو حرام عمل کا ارتکاب کر لے، مگر دل میں اس سے نفرت ہی رکھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۶:۱۷)

جو ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے سوائے اس شخص کے کہ جس پر زبردستی کی گئی ہے، مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہے۔ لیکن جو شخص دل کھول کر انکار کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اس آیت پر غور کرو، میں نے صرف تمہارے سمجھانے کے لئے لمبی تقریر کی ہے، ورنہ خود تمہاری پیش کردہ آیت تمہارے لئے ثانی جواب ہے، کیونکہ وہ آیت فطرت انسانی کی صحیح ترجمان ہے۔ ارشاد ہے

فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳:۵)

پس جو شخص بھوک سے بے قرار ہو اور گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو، اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

یعنی مجبور، اگر عداً گناہ کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے، یا علانیہ شریعت کی مخالفت کرنے پر کمر بستہ ہے تو ایسے مجبور سے ہرگز بخشش اور مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔

غرض انصاف سے بتاؤ کہ بزرگ کی روح زندوں کی التجا پر متوجہ ہو سکتی ہے اور ذکر و تعلیم کا القا کر سکتی ہے؟ کیا یہ محض ظن نہیں ہے؟ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ.

وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔

دوسری دلیل

اس نے کہا، یہ آیت تو بدگمانی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ بدظنی سے اجتناب کیا جائے مگر ہم حسن ظن رکھتے ہیں، جس کا ذکر اسی حدیث قدسی میں ہے کہ:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي (۱)

یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق ہوں

اس کا جواب

میں نے کہا: یہاں تو ”بی“ (میرے ساتھ فرمایا گیا ہے، نہ کہ بسقبس عبدی) میرے بندے کی قبر کے ساتھ)

اس نے کہا: ہم فقیر لوگ جھگڑا نہیں کرتے۔

میں نے کہا خوب: اب تک فقیر لوگ کیا کرتے رہے؟

ایک وضعی حدیث

اس نے کہا: ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَا عِبَادَ اللَّهِ فَأَعِينُونِي (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو) کے متعلق کیا کرو گے، جو صحیح حدیث میں وارد اور صاف طور پر بندگان خدا سے استعانت پر دلالت کرتی ہے اور استفادہ بھی استعانت ہی کی ایک قسم ہے۔

(۱) بخاری (التوحید باب ۱۵، ۳۸۴، ۷۰۵) مسلم (التوبہ، باب ۱۰۲، ۱۰۳، ۲۶۷۵)

اس کی تشریح

میں نے کہا، تم نے اسے صحیح حدیث کیوں کر مان لیا، درآن حالیکہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اور امام مسلم اور دیگر اصحاب صحاح ستہ رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی اپنی کتابوں میں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث غالباً حصن حصین میں بروایت طبرانی مذکور ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کے معانی پر غور کریں، یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ آیا طبرانی سے لے کر روایت کنندہ صحابی تک جس قدر راوی ہیں، ثقہ بھی تھے یا نہیں؟ اور آیا یہ حدیث متواتر ہے یا مشہور، منقطع ہے یا مرسل اور ضعیف ہے یا صحیح؟

دوسرے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حصن حصین میں **يَا عِبَادَ اللَّهِ فَاعِينُونِي** کی بجائے **أَعِينُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ** لکھا ہوا ہوگا۔ تیسرے اس کے سیاق و سباق پر غور کرنا بھی لازم ہے، نہ کہ بے دین لوگوں کی طرح صرف **لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ** پڑھ رہنا۔ جمع الجوامع میں ابو یعلیٰ سے یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

إِذَا انْقَلَبْتَ ذَاتَ أَهْبَةٍ أَحَدُكُمْ بَارِضٌ فَلَاةٌ فَلْيُنَادِ يَا عِبَادَ اللَّهِ اٰخْبِسُوا عَلَيَّ يَا عِبَادَ اللَّهِ اٰخْبِسُوا عَلَيَّ فَإِنَّ لِلَّهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا يَخْبِسُهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ.

جب بیانات میں تمہارا کوئی چار پایہ گم ہو جائے، تو کہا کرو، اے اللہ کے بندو، میرے چار پایہ کو روکو، کیوں کہ اللہ کی طرف سے زمین پر حاضر رہنے والے مقرر ہیں، جو تمہارے جانوروں کو روک رکھتے ہیں۔

اور عقبہ بن غردان سے اس طرح مردی ہے۔

إِذَا ضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ غَوًى وَهُوَ بَارِضٌ لَيْسَ بِهَا أَيْسٌ فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعِينُونِي فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا تَرَوْنَهُمْ.

جب تم میں سے کسی کا کچھ جاتا رہے یا وہ مدد چاہے اور ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی یا ر و مددگار نہ ہو، تو وہ یوں کہے:

”اے اللہ کے بندو! میری فریادری کرو تو ان کی امداد کے لئے اللہ تعالیٰ سامان پیدا کر دے

گاہ کیوں کہ خدا کی طرف سے لوگوں کی امداد کے لئے صحراؤں میں ایسے نفوس مامور ہوتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے۔

ان دونوں حدیثوں سے حسب ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں۔

اول: یہ کہ صرف ان ہند گان خدا کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے جو خدا کی طرف سے لوگوں کی امداد کے لئے صحراؤں میں مامور ہیں۔

دوم: یہ کہ اس قدر استعانت بھی اس شرط کے ساتھ شروط ہے کہ زندوں میں سے کوئی اس کا یار و مددگار موجود نہ ہو۔

سوم: استعانت ایسے امور میں ہو جن میں لوگ ایک دوسرے کی امداد کیا کرتے ہیں۔
چہارم: اگر یہ حدیث معتبر ہے تو یہ استعانت خاص طور پر حکم پیغمبر علیہ السلام مشروع ہوگی اور اگر یہ حدیث ہی معتبر نہ ہو تو حدیث کی رو سے اس پر عمل کرنا ممنوع ہوگا۔
اب صحیح حدیث سنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا ہے۔

وَإِذَا اسْتَعْنَتْ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ (۱)

جب مدد مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو

پھر قرآن شریف میں ارشاد ہے۔

إِنَّا كَ نَعْبُدُ وَإِنَّا كَ نَسْتَعِينُ.

اے اللہ تعالیٰ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

جس میں عبادت اور استعانت دونوں پر الگ الگ لفظ ”ایاک“ آیا ہے، جو حصر کے لئے ہے (یعنی عبادت و استعانت دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں) بہر حال جملہ اَعِيْنُوْنِيْ يٰ اَعْبَادُ اللّٰهِ سے استعانت بالقہر کے جواز کی دلیل لینا یا استفادہ من القہر کو استعانت کے مساوی جاننا گویا حاضر اور غائب کو برابر جاننے یا دو مخالف چیزوں کو ایک چیز سمجھنے کے مترادف ہے جو بحال ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس حدیث میں اگر صحیح ہے) ان

(۱) سورہ قیامتہ (۵۹) سورہ حم/۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵

بندگان خدا کی زندگی، ان کا وظیفہ حیات اور ایسے مواقع پر ان کا حاضر ہونا سب کچھ واضح کر دیا ہے کہ ان للہ عباد لا تروہم اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس، اہل قبور کی وفات و رحلت اور اس دنیا سے انتقال و رخصت ایک ثابت شدہ امر اور ایک مسلمہ چیز ہے۔

ایک اور حدیث

اور اگر صوفیائے کرام ہی کی روایات پر اعتبار ہو تو سنو اس حدیث کو صوفیا نے روایت کیا ہے۔ یعنی:

مَنْ ذَا رَحْبًا وَلَمْ يُرْزَقْ شَيْئًا فَكَانَتْ رَاةَ مَيِّتًا

(جس شخص نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور اسے کچھ نہیں دیا گیا اس نے گویا مردہ کی زیارت کی) (کیوں کہ مردوں سے کچھ دستیاب نہیں ہوتا)

ثمرات الحیات میں لکھا ہے کہ صوفیا اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ آدمی اگر کسی شخص سے ملے اور کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پائے تو اس نے گویا مردہ سے ملاقات کی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں جو انھوں نے کئے ہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس نے کسی زندہ ولی کو پایا اور اس سے کوئی باطنی فائدہ حاصل نہ کیا تو اس نے گویا مردہ کی زیارت کی۔ (ابھی کلامہ) اور بقول حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں رزق کے معنی عام ہیں، یعنی کھانے پینے اور فائدہ اٹھانے کی چیزیں، لکھا ہے کہ بعض درویشوں نے جب آپ (شیخ بہاء الدین) پر اس وجہ سے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا، فلاں بزرگ اپنے ملنے والوں کو اس حدیث کی بنا پر کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو ضرور دیا کرتے تھے اور اگر کوئی شخص آپ کی عطا کردہ چیز نہ لیتا یا اس تکلف کی وجہ دریافت کرتا تو آپ یہ حدیث پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے۔ غرض (آپ کے نزدیک) ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے فائدہ اٹھانے پر رزق کا اطلاق ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے۔ لہٰذا یُرْزَقُ شَيْئًا کہا گیا ہے لہٰذا یُرْزَقُ طعاما نہیں کہا گیا جیسے کہ اس مسنون دعا میں علم و فہم وغیرہ کے عطا کئے جانے پر رزق کا لفظ بولا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عِلْمًا نَّافِعًا وَفَهْمًا كَامِلًا

(یعنی الہی، مجھے فائدہ دینے والا علم اور فہم عطا فرما)

اس نے کہا: اگر یہی بات ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو زیارت قبور کا حکم دیا

ہے اس سے کیا فائدہ ہے؟

میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خود ہی اس کا فائدہ بیان فرما دیا ہے کہ اس سے موت اور آخرت یاد آتی ہے مگر جو فائدہ تم ڈھونڈتے ہو، وہ کسی ایسے فقیر کی ایجاد ہے جس نے نذر و نیاز کی طمع سے یہ بدعت اختراع کی ہے، اور جس کا فقر قریب ہے کہ کفر ہو جائے گا اَلْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا (۱) اس کا فقر وہ فقر نہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے فخر کہا تھا اَلْفَقْرُ فَخْرِي (۲) اور جس کی سب سے بڑی صفت ہر بدعت سے اجتناب و پرہیز ہے۔

اصل فقر کیا ہے

حضرت سیدی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وصایا میں فرمایا ہے کہ:

حَقِيقَةُ الْفَقْرِ اَنْ لَا تَفْتَخِرَ اِلَى مَنْ هُوَ مِثْلَكَ

(اصل فقر یہ ہے کہ اپنے جیسے محتاج انسان کے سامنے اپنی ضرورت و احتیاج کبھی پیش نہ

کرے)

اور قرآن مجید کی رو سے تمام لوگ یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ (۱۵:۳۵)

اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔

اس نے کہا: اس طرح تو ہدایت و ارشاد کا کارخانہ اور پیری مریدی کا سلسلہ بالکل درہم

(۱) حدیث کساد الفقراں یكون کفرا رواہ احمد بن یونس عن ابی نعیم فی الحلیۃ وابن السکون فی مصنف والبیہقی فی شعب الایمان (ابن عدی فی الکامل وهو ضعیف) انظر مقاصد الحسنۃ (ص ۳۱۱) وکشف الخفاء (۲/۱۰۸-۱۰۷) حدیث کساد الفقراں یكون کفرا اخرجہ بلفظ الفاظہ بناد (۳/۲۶۸-۱۲۶) وابن ابی شیبہ (۹/۹۴) وابو نعیم فی الحلیۃ (۳/۵۳-۱۰۹، ۲۵۲/۸) وفی اخبار اصبهان (۱/۲۹) وابن الجوزی فی العمل المتناهیہ (۲/۳۲۰) اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۲) و حدیث الفقر لخری فہو موضوع باطل کما قال ابن حجر انظر المقاصد الحسنۃ (ص ۳۰۰) وکشف الخفاء (۲/۸۷)

برہم ہو جائے گا اور بزرگان دین پر خطا لازم آئے گی، حالانکہ کہا گیا ہے
 رح خطائے بزرگاں گرفتار خطاست
 (بزرگوں کی نکتہ چینی کرنا گناہ ہے)

میں نے کہا: اصل یہ ہے کہ جو فضل گناہ ہے وہ تو کسی بزرگ کے کرنے سے بھی گناہ ہی رہے گا۔ اور ایسے فعل کی پیروی کرنے والا بھی گنہگار ہوگا مگر میرے نزدیک اسی مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ بزرگوں کی عیب چینی کرنا اور عیب نمائی کے لئے ان کی اجتہادی غلطیوں کا جابجا ذکر کرنا خطا ہے لیکن تحقیق حق کے لئے ذکر کرنا گناہ نہیں اور اس سے ان کی اجتہادی خطائیں قابل غنہ و مغفرت ہیں۔ اور اس سے پیری مریدی کا سلسلہ درہم برہم نہیں ہو سکتا۔ دیکھو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قبر کو عید گاہ بنانے سے منع فرمایا اور لوگوں کو تاکید فرمائی کہ آپ کے مرقد پاک کے ساتھ پرستاری کا ہرگز کوئی معاملہ نہ رکھیں۔ مگر تاحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری اور پیروی اسی طرح برقرار ہے اور قائم و جاری رہے گی۔

کَمَا يَنْسُ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ کی تفسیر

اس نے کہا، میں نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر ایک پیر صاحب سے اس طرح سنی ہے:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ
 كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ. (۱۳: ۶۰)

اے مسلمانو! اس قوم کو دوست مت رکھو جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ وہ لوگ آخرت کے ثواب سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح کفار جو قبروں میں مدفون ہیں، ناامید ہیں۔ پیر صاحب نے فرمایا: میرے قلب پر اس آیت کے متعلق وہ چیز القا کی گئی ہے، جو معتقدین اور متاخرین کی تفسیروں میں بھی نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم سے دوستی مت قائم کرو جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے، اس لئے کہ وہ آخرت کے فائدہ سے اسی طرح مایوس ہے جس طرح اس امت کے کافر لوگ اہل قبور کے استفادہ سے مایوس ہیں۔

میں نے کہا: تفسیر تو نئی ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جملہ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تفسیر کے مخالف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ہے اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے کہ جس نے اپنی رائے کے مطابق قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کی اس کا مقام جہنم ہے۔

اس نے کہا: قرآن پاک کی ساری تفسیر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول نہیں، ضروری بات ہے کہ مفسرین نے بعض آیات کے معانی اپنی رائے کے مطابق کئے ہوں گے۔

میں نے کہا: ضروری بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم ان کے معانی کے مخالف نہ ہوں یہ مطلب نہیں کہ ان کی رائے سے ملتی ہوئی رائے بھی نہ ہو اور جو کچھ تمہارے پیروں نے کہا وہ تو بالکل مخالف ہے اسے روکنا چاہئے۔

اس نے کہا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے متعلق کیا مذکور ہے؟
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر

میں نے کہا: اصحاب القبر سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مرے ہوئے کافر ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مغضوب قوم اجر آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکی ہے۔ چنانچہ درمشور میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، مغضوب لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اس کی آمد کے امیدوار ہیں۔ وہ اجر آخرت سے ایسے مایوس ہو چکے ہیں جیسے مرے ہوئے کافر نہ امید ہو چکے ہیں۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد مرے ہوئے کافر ہیں، جو آخرت کے ثواب سے مایوس و ناامید ہیں۔ یہ قول ابھی نہیں ملا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اصحاب القبر سے مراد مرے ہوئے کافر ہیں۔ حضرت مجاہد اور عکرمہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کفار جب قبروں میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ (۲)

(۱) درمشور (۱۳۳/۸) عزاء الیہ الطیر الی ولین جریر وابن ابی حاتم والطبرانی

(۲) تفسیر ابن کثیر (۳/۳۵۶) لقول مجاہد وعکرمہ وہ مایوس کہ قال ابن جریر نے خرّج کیا ہے (۸۲/۳۸)

تفسیر ابن جریر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ کفار میں سے جب ایک شخص مر جاتا ہے تو پس ماندگان اس کے دوبارہ جی اٹھنے سے مایوس ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ انسان مرنے کے بعد زندہ نہ ہوگا۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا، جیسے زندہ کافر، مردہ کافروں سے مایوس ہو چکے (۱)۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سے مراد یہود ہیں، جو آخرت میں جی اٹھنے سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے کفار مر کر جی اٹھنے سے مایوس ہیں (۲)۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر کی وجہ سے آخرت کے ثواب سے مایوس ہو چکے ہیں جیسے کفار اپنے اعمال سے آخرت کو مایوس ہوں گے۔ (۳)
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب ایک کافر مر جاتا ہے تو اس کے پس ماندگان اس کی ملاقات سے مایوس ہو جاتے ہیں، جیسا مرنے والا آخرت کے اجر و ثواب سے مایوس ہو جاتا ہے (۴)۔

تفسیر مدارک

تفسیر مدارک میں ہے کہ زندہ کافر آخرت کے اجر سے مایوس ہیں، جیسے ان کے اسلاف جو قبروں میں آخرت کے ثواب سے مایوس پڑے ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل

تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ مغضوب قوم سے مراد یہود ہیں، اس طرح کہ محتاج مسلمان امرائے یہود کو مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے اور ان سے اس خدمت کا اجر لے لیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات سے منع کر دیا تو یہود اپنی شرارتوں کے کامیاب ہونے سے ایسے مایوس ہو گئے جیسے مرے ہوئے کافر آخرت سے مایوس ہیں۔

غرض میں نے کہا: صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی تفسیر تو یہ ہے، اب تمہیں معلوم

(۱) ابن جریر (۸۱/۲۸) (۲) ابن جریر (۸۲/۲۸) (۳) اخراج مجاہد فی تفسیرہ (۶۷۰/۲)

(۴) ابن جریر (۸۲/۲۸)

ہو گیا ہوگا کہ پیر صاحب کے معافی ان کے مفہوم کے کس قدر متضاد ہیں۔

اس نے کہا: اتنی روایتیں تمہیں کیوں کر یاد رہ گئیں۔

میں نے کہا: دو تین روز سے میں تمہارے سوالات پر غور کر رہا تھا اور خیال تھا کہ شاید یہ آیت

تمہارے لئے وسوسہ کا موجب ہو، اس لئے معتبر تفاسیر کے حوالے یاد کر لئے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلَى سَوَاءِ الطَّرِيْقِ.

مسئلہ توسل

اس نے کہا: تقرب الہی کے لئے بزرگوں کو وسیلہ بنانا کیسا ہے؟

میں نے کہا: جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهِ

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ (۳۵:۵)

مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ

فلاح پاؤ۔

لیکن اس کا استفادہ من القہور سے کوئی تعلق نہیں کسی بزرگ کو وسیلہ بنانے کا یہ مطلب ہے

کہ قرب الہی حاصل کرنے کے لئے اس کے اعمال حسنة کی پیروی کی جائے جو کتاب و سنت کے

مطابق ہوں۔

آیت کے معنی

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اصل میں ہر شخص کا وسیلہ اس کا اپنا عمل ہے نیک عمل اللہ کی رضا

کا وسیلہ اور برا عمل اس کے غضب کا وسیلہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایمان و تقویٰ کا وسیلہ اس سے

پہلے کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصّٰلِحُ يَرْفَعُهُ (۱۰:۳۵)

اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے اور نیک عمل صالح اس کو پہنچاتا ہے۔

بعض نے اس سے قرآن مجید کی تلاوت مراد لی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ

علیہ کے خواب کا قصہ پیش کیا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

حضرت امامؒ نے کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور سوال کیا کہ بارخدا یا! تیرا قرب کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے؟ جواب یہی ملتا رہا کہ قرآن مجید کی تلاوت سے۔ حضرت امامؒ نے عرض کیا کہ تلاوت بے فہم یا بے فہم؟ جواب ملا کہ دونوں طرح کی تلاوت سے۔

حب پیغمبر علیہ السلام بھی وسیلہ ہے

بعض علما متاخرین نے کہا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت عظام اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ محبت رکھنا بھی وسیلہ نجات ہے، کیوں کہ محبت اعمال قلبی میں سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، المراء مع من احب (۱) اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص قیامت کے دن جس کی ہمراہی چاہتا ہے دنیا میں اس کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

سجدہ تعظیمی

اس نے کہا: اچھا وسیلہ سے مراد عمل صالح ہے، تو جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: جہاد فی سبیل اللہ کفار اور نفس نابکار کے ساتھ جنگ کرنے کا نام ہے۔ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ تو ظاہر ہے۔ نفس امارہ بھی ضرر رسائی میں کفار سے کم نہیں یہ لذت و آرائش دنیا کے سبز باغ دکھا دکھا کر گمراہ کرتا ہے اور ان لوگوں کو جو عمل صالح کی پروا نہ کرتے ہوئے بزرگوں کو مان لینا ہی تقرب الہی کا وسیلہ سمجھتے ہیں، یہ سبق سکھا کر صراط مستقیم سے روکتا ہے کہ بزرگ اگرچہ مخلوق خدا ہیں تاہم عوام کے لئے بمنزلہ خالق کے ہیں اور چونکہ انہیں حاضر و ناظر و غیب کا تمام علم حاصل ہے، اس لئے ان کی تعظیم کرنا لازم ہے اور ان میں سے بعض حد سے بڑھنے والوں نے شیخ کے لئے سجدہ تعظیمی بھی جائز بنا لیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں صرف تعظیم کے لئے ہے۔ کوئی پوچھے کہ کیا عبادت کے لئے جو سجدہ کیا جائے اس میں مسجود کی تعظیم مد نظر نہیں ہوتی؟ اگر ہوتی ہے تو دونوں میں فرق کیا رہ گیا؟

(۱) اخرجہ من ابی موسیٰ الاشعری البخاری ۱/۵۵۷ و مسلم ۲/۳۶۳ مسند احمد ۳/۳۹۲ و صنادید زحہد ۱/۵۷۱

اس نے کہا: کیا شیخ کو وسیع العلم ماننا جائز نہیں؟

میں نے کہا: نہیں یہ صحیح نہیں، کیوں کہ کامل الاطلاع اور وسیع العلم ہونا اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے۔ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ امام الحنفی حضرت ابراہیم خلیل صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے ان شرکوں کو جو بزرگوں کی ارواح کو وسیع العلم مانتے تھے، یہی دلیل پیش کر کے ڈرایا کہ:

وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يُشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَبِيعَ رَبِّي كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا أَقْلًا تَتَذَكَّرُونَ. (۸۰:۶)

(میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو، ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے تو دوسری بات ہے کیوں کہ میرے پروردگار کا علم ہر چیز پر حاوی ہے کیا تم اس سے نصیحت اندوز نہیں ہوتے؟)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری اور اس کی جماعت کے رد میں جو گوسالہ پرستی کرتے اور گوسالہ کے پاس مراقبہ کے اعکاف میں بیٹھے تھے، یہ ارشاد فرمایا کہ:

وَأَنْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنْتَحَرِّقَهُ ثُمَّ لَتَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا. إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا. (۹۸-۹۷:۲۰)

اور دیکھ تیرے گھڑے ہوئے معبود کا اب کیا حال ہوتا ہے، جس کی پوجا پر تو جم کر بیٹھ رہا تھا، ہم اسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور وہ راکھ سمندر میں ڈال دیں گے معبود تو تمہارا اللہ ہی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں وہ ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے۔

فرشتوں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ یوں کہا کرتے تھے:

رَبَّنَا وَبِعْتَ كُلُّ شَيْءٍ رُحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ. (۷:۳۰)

(اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنے علم اور رحمت میں گھیر رکھا ہے۔ پس

توبہ کرنے والوں اور اپنی راہ پر چلنے والوں کو بخش دے)

غرض نفس کا جہاد یہی ہے کہ اس نابکار کو شریعت کے خلاف کہنے، کرنے اور سوچنے سے روکا جائے، تاکہ نجات حاصل ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب

میں نے کہا: اے بھائی اب تک تو تم سوال کرتے رہے اور میں جواب دیتا رہا۔ اب میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اب تم اس کا جواب دو۔ سوال یہ کہ قرآن مجید سے سامری اور اس کے قبیلین کا تعلق کوسالہ کے ساتھ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے۔

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَظِيمِينَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَى (۹۱:۲۰)

انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو جواب دیا کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام، ہمارے پاس واپس نہ آ جائے، ہم اس کے پاس اعکاف میں بیٹھے رہیں گے۔
شریعت موسوی کا انکار ان سے کہیں مروی نہیں، بلکہ شریعت کی رو سے اپنے فعل کی یوں تاویل کرتے تھے کہ:

هَذَا إِلَهُكُمْ وَاللَّهُ مُوسَى فَنَسِيَ (۸۸:۲۰)

(یہی ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے مگر وہ بھول میں پڑ گیا)

یعنی وہ اتنا کہنے سے کافر ہو گئے۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو ان کو توبہ کرائی گئی۔ اور ایسا کرنے والوں کو قتل کیا گیا، کیوں کہ ان کے ہاں شرک کی توبہ اسی طرح قبول ہو سکتی تھی کہ شرک کو قتل کر دیا جائے۔ تو اب میں پوچھتا ہوں کہ کسی چیز میں قدرت الہی کا ظہور دیکھ کر اسے فیض رساں سمجھنا اور اس سے مستفید ہونے کے لئے اس پر اعکاف بیٹھنا اور ایسا کرنے کو عبادت سمجھنا یا ثواب کا موجب جاننا ہماری شریعت میں کیسا ہے؟

اس نے کہا: ہماری شریعت میں مباح ہے اور طریقت میں واجب، مشغولی شریف میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

ابلہاں تعظیم مسجد سے کنند درجائے اہل دل جدے کنند

آں مجاز است ایں حقیقت اے خراں نیست مسجد جز درون سردراں

مسجد سے کال اندرون اولیا ست مجدہ گاہ جملہ دآں جا خدا است

(۱) بیوقوف مسجد کی تعظیم کرتے ہیں، مگر اہل دل کو ایذا دیتے ہیں۔

(۲) ان سے کہئے اے یہو قوفو! وہ مجاز ہے اور یہ حقیقت۔ اصل مسجدیں تو برگزیدہ لوگوں کے سینوں میں ہیں۔

(۳) اولیاء اللہ کے اندر جو مسجد ہے وہی تمام لوگوں کی سجدہ گاہ ہے اور اسی جگہ خدا ہے۔ میں نے کہا: تو ان مظاہر کی عبادت و پرستش کی دلیل و جواب یہی مثنوی شریف کے اشعار ہیں یا کبار اہل طریقت کا کوئی قول بھی ہے؟

اس نے کہا: ”اہل طریقت اس مسئلہ کی پوشیدہ اشاعت کرتے تھے اور اپنے خاص دوستوں کے سوا کسی سے یہ راز نہیں کہتے تھے۔“

میں نے کہا: شریعت و طریقت کے جس قدر امور ہیں وہ تو سب کھلے کھلے اور ظاہر باہر ہیں، باقی جس قدر پوشیدہ راز بتلائے جاتے ہیں وہ سب بے ہودہ خیال اور بزرگوں پر تہمت و الزام ہیں، جن سے ان کا وجود بری اور پاک ہے اور مظاہر کی تعلیم میں مبالغہ کرنے والوں کی نیت اگرچہ نیک ہو مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ انھوں نے غلط راہ اختیار کر رکھی ہے۔ ان کا اتباع کسی صورت میں بھی جائز نہیں نہ شریعت میں نہ طریقت میں۔ بزرگان طریقت نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ:

كُلُّ حَقِيقَةٍ لَا يَشْهَدُ لَهَا الشَّرْعُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ.

ہر ایسی حقیقت کفر ہے جس پر شریعت کی مہر تصدیق نہ ہو۔

اس نے کہا: یہ کس بزرگ کا قول ہے؟

میں نے کہا: یہ قول فتوح الغیب میں درج ہے، جو حضرت سید محمد بن جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

اس نے کہا: جو کچھ آپ نے بیان فرمایا درست اور صحیح ہے۔ کا ملان طریقت نے بجا فرمایا

ہے۔

از حق جز حق نخواہد حید ایں است از سایہ خود گریز تفرید ایں است

توحید یہ ہے کہ خدا سے حق کی طلب کر اور تفرید یہ ہے کہ اپنے سایہ سے بھی بھاگ

میں نے کہا: اے شیخ، واقعی یہ سب رسمی اور رواجی باتیں ہیں جو ایک دوسرے کو دیکھ کر رواج

پاگئی ہیں، شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔

اس نے کہا: حضرت میں سمجھ گیا، انشاء اللہ تمام ایسی رسوم کو اپنے خاندان سے محو کر دوں گا۔
میں نے پڑھا:

وَأَخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

یہ بحث رسالہ ہذا میں اس لئے لکھ دی گئی ہے کہ تاکہ ناظرین اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو جائیں۔ قبر پرست عام طور پر اسی قسم کے سوالات کیا کرتے ہیں۔

وسیلہ کی بحث

اب تک جو کچھ بیان ہوا، مرض قبر پرستی کے لئے بیان کیا گیا۔ اب کتاب ختم کرنے سے پہلے مناسب نظر آتا ہے کہ وسیلہ کی تشریح بھی کر دی جائے اور ایسی حدیثوں کا ترجمہ لکھ دیا جائے جو اس مسئلہ کا مآخذ ہیں، تاکہ یہ مسئلہ پوری طرح روشن ہو جائے اور غلط اور صحیح وسیلہ میں پہچان پیدا ہو سکے۔

ناہینا والی حدیث

ایک ناہینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ سے دعا فرمائیے کہ مجھے بصارت عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا، وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ اور اس طرح دعا کر:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتُوْجِّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الرَّحْمَہِ یَا
مُحَمَّدُ یَا نَبِیُّ اللّٰہِ اِنِّیْ اَتُوْجِّہُ بِکَ اِلَیْ رَبِّیْ فِیْ قَضَائِ حَاجَتِیْ
لِیُقْضِیَہَا اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْہُ لِیْ. (ترمذی) (۱)

اے اللہ میں تیری جناب میں التجا کرتا ہوں، اور تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں اپنی اس حاجت میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری کر دے۔ یا اللہ میری اس حاجت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) رواہ الترمذی (مخوات ۳/۳۸۱-۳۵۷۸) کما قال المصنف وقال الترمذی حدیث حسن صحیح غریب ورواہ ابیضا النسائی (عمل اليوم والليلة ۳۵۸، ۲۵۹، ۶۶۰) وابن ماجہ (اقامة صلوة الحاجة ۱/۲۵۲-۱۳۸۱) وابن خزيمة (۲/۲۲۵-۱۲۱۹) والحاکم (۱/۳۱۳، ۵۲۶/۱) وشمس (۳/۱۳۸)

وسلم کی شفاعت قبول فرما۔

تایینانے اس طرح دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے بصارت عطا فرمائی۔

اس حدیث سے وسیلہ کے دو طریق صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو شرک کی آمیزش سے سالم ہے اور دوسرا وہ جو اسلم ہے۔

اسلم طریق یہ ہے کہ یہ صورت جو حدیث کے الفاظ سے نظر آئی ہے وہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایک تایینا آیا اور آپ کی تلقین کے مطابق اس نے عمل کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے ساتھ دعا میں شریک ہو گئے۔ اس کی تائید چار باتوں سے ہوتی ہے۔ (اول) الفاظ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیْ سے (دوم) علانے اس واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ شمار کیا ہے (سوم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا اعلان نہیں فرمایا اور (چہارم) اصحاب کبار میں سے کبھی کسی نے اس طرح دعا نہیں کی۔ اور احادیث پر نظر رکھنے والوں سے یہ امر غلطی نہیں کہ بہت سی ایسی حدیثیں موجود ہیں جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل نہیں کیا اس لئے ان کا حکم جاری نہیں رہا، انہی میں سے یہ دعا بھی ہے۔

واقعہ کی یہ صورت معلوم ہوتی ہے کہ تایینا کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی شفاعت کرنے پر متوجہ ہوئے اور جب تایینا کو معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دعا میں شریک ہیں تو اس نے یوں عرض کیا، یا اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے، فرض کیجئے کہ ایک بادشاہ کی طرف سے کسی شخص کو تکلیف پہنچی۔ وہ بادشاہ کے وزیر خاص کے پاس گیا، اور کہا: ایسی تدبیر بتلائیے جس سے بادشاہ میری تکلیف دور فرمائے۔ سائل کی اس درخواست پر وزیر نے یہ صورت بیان کی کہ میں بادشاہ کی طبیعت سے خوب واقف ہوں وہ عجز و انکساری کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے جب تک کمال عاجزی سے تو خود اس کے حضور میں اپنے مدعا کو عرض نہ کرے گا، اس وقت تک تیرے متعلق میری سفارش موثر و مقبول نہ ہوگی۔ تمہاری درخواست کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ جب بادشاہ کے دربار میں آؤ تو پوری توجہ

کے ساتھ اس کی طرف دھیان رکھو، اور ضرورت بیان کرنے کے بعد میرے ساتھ جو دلی الفت ہے اس کا اظہار بھی ان الفاظ میں کرو کہ اے بادشاہ! تو اپنے وزیر پر بڑا مہربان ہے اور میں اس کے شیدائیوں میں سے ہوں۔ اس کی محبت کے وسیلہ سے تیرے دربار تک پہنچا ہوں۔ اور دیکھ لے یہ تیرا وزیر بھی میرے ساتھ تیرے دربار میں موجود ہے اور میرے لئے سفارش کر رہا ہے۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہنا کہ اے میرے بادشاہ کے وزیر میں نے اپنی عاجزی اور انکساری کی رو سے اپنی اس حاجت میں جو آپ کو معلوم ہے، آپ کا وسیلہ اختیار کیا ہے اس امید پر کہ بادشاہ میری یہ حاجت پوری کر دے اس وقت میں تیرے لئے سفارش کروں گا۔ مگر غافل نہ ہو جانا، میری سفارش کے بعد فوراً اس طرح عرض کرتا۔

اے شہنشاہ اپنے وزیر کی سفارش میرے حق میں قبول فرما، اور میری حاجت پوری کر، کیوں کہ تیرے سوا کوئی حاجت روا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسوہ

بعینہ یہی مفہوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فعل میں پایا جاتا ہے جب کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارانِ رحمت کے لئے دعا کی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خشک سالی کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی دعا کا وسیلہ بنا کر اس طرح دعا فرمائی۔

اے خدا! ہم پہلے ایسی حالت میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اب تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا رضی اللہ عنہ کو (اپنی دعا کا) وسیلہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ ہم پر بارانِ رحمت نازل فرما۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر اس طرح زعموں کو اپنی دعاؤں میں وسیلہ بنایا جائے تو جائز ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نایابا کو اسی طرح سکھایا تھا۔ اس میں یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ دعائیں کسی بزرگ کو شریک کرنے سے بجز توسل کے اور کوئی چیز مطلوب و مقصود نہ ہو۔

طریق سالم یہ ہے کہ اس کلام میں مشارالہ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے اس

لئے مخاطب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی ہو سکتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو مشار الیہ سمجھنا مجازی طور پر ہو سکتا ہے حقیقی طور پر نہیں ہو سکتا تو اب اطلاق مجاز کے لئے علاقہ مجاز کا ہونا لازمی ٹھہرا ہے۔ جس کے معانی یہ ہیں کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے، اور مسائل کی مراد اس سے یہ ہے کہ اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا میری دعا کی قبولیت کا وسیلہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا محمد کے ساتھ اسی لئے یا نبی اللہ کا جملہ تعلیم فرمایا تھا۔

خیالی اضطراب

حاصل یہ کہ خدا سے دعا کرنے والا بعض اوقات اپنے دل میں حصول مراد کے لئے ایک خیالی اضطراب پیدا کر لیتا ہے۔ اگر یہ خیالی اضطراب مفہمی الی الشکر نہ ہو تو بسا اوقات دعا کے قبول ہونے کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ مگر عام طور پر یہ چیز چونکہ شرک میں مبتلا کر دیتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خاص طور پر کئی جگہ علاج ارشاد فرمایا اور یہاں بھی جملہ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ لَیَّ اسی غرض کے لئے لایا گیا ہے کہ کلمہ یا محمد حقیقی خطاب نہیں بلکہ خیالی خطاب ہے۔ اگر حقیقی ہوتا تو ”اے خدا پیغمبر کو میرا شفیع بنا“ کی بجائے ”اے پیغمبر میری شفاعت فرما“ کہا جاتا۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ فَشَفِّعْهُ لَیَّ ضَمیر غائب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے اگر مسائل کے قول ”یا محمد“ میں حقیقی خطاب ہوتا تو فَشَفِّعْهُ کی بجائے فَشَفِّعْ هَذَا النَّبِیُّ کہا جاتا۔ بہر حال طریق اول اسلم عن الشکر اور اقرب الی الصواب ہے۔

فتح طریقے

اب وسیلہ کے ناجائز اور صحیح طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں ایک سب سے زیادہ برا وہ ہے اور دوسرا فتح۔

۱۔ سب سے زیادہ برا وہ ہے جو قبر پرستوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ ارواح سے حاجت روائی چاہنا مسنون و مستحب سمجھتے ہیں، اس میں اقمیت کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز شریعت کے نزدیک گناہ اور معصیت ہے اسے طلال ماننا پڑتا ہے اور یہ کفر ہے۔

۲۔ اور فتح حال یہ ہے کہ ارواح کو حاجت روائی کے لئے اپنا شفیع بنانا اور ان کی شفاعت کو

اپنے لئے قبولیت کا یقینی سبب خیال کرنا، اس میں قباحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر امور دین میں ایک نئی چیز تجویز کرنی پڑتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (۲۱:۳۲)
 أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ حُفَعَاءَ قُلْ أَوْلُوا كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا
 وَلَا يَعْقِلُونَ. (۳۳:۳۹)

”کیا ان کے اور (بھی) شریک ہیں جنہوں نے ان کے واسطے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“
 اور فرمایا

”کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنائے ہیں۔ اے نبی کہہ دے کیا اگرچہ وہ عقل سے کورے ہوں اور کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اس وہم کے رد میں اسے کافی جاننا چاہئے، یہ بہت لوگوں کے پھسل جانے کا مقام ہے۔ انہوں نے سفارش کرنے والے اور جس کی سفارش کی جائے دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔ کہتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ یعنی اے عبدالقادر ساکن جیلان خدا کے لئے کچھ دے۔ اس کلام میں انہوں نے خدا کو سفارشی بنایا ہے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو دینے والا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔

ایک حدیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خدا کو آپ کے پاس شفیع لاتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعرابی کے اس قول سے ناراض ہو گئے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ کسی کے پاس اسے شفیع بنا کر لایا جائے۔ (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ زندہ اور غیر مخلوق کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع بنا کر لانا اس کا واسطہ دے

(۱) أخرجه البوداؤد (السنن، باب فی الجہمیۃ: ۹۴/۵-۹۷/۲۶)

کہ مخلوق سے حاجت روائی چاہنا گویا خدا کو عاجز سمجھنا اور مخلوق کو تواتر جاننا ہے معاذ اللہ من ذلک۔

قرب الہی کا وسیلہ صرف دو چیزیں ہیں

جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ صرف دو چیزیں ہیں اعمال صارفہ (کسی ہوں یا جیسی) اور اوصاف حمیدہ ان دونوں کا ذکر اذان کی دعائیں موجود ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو تلقین فرمائی ہے۔

دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدُّعْوَةِ النَّامِيَةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَبِ مُحَمَّدٍ رَّبِّ الْوَسِيْلَةِ وَالْفَضِيْلَةِ وَالذَّرَجَةِ الرَّفِيْعَةِ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَهُ.

(اے اللہ! تو جو رب ہے اس پوری دعوت کا اور نماز کا جو ابھی قائم ہونے والی ہے، دے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ کی بزرگی اور بلند درجہ اور پہنچا دے آپ کو مقام محمود میں جس کا تو نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ (۱))

اس دعا میں لفظ وسیلہ یا تو مصدر ہے یا صفت بمعنی مابینوسل بہ اور دونوں صورتوں میں یہ کسی صفت کا نام ہوگا نہ کہ ذات اور ضی کا۔

پس وسیلہ اگر صفت کا نام ہے تو آت محمد الوسیلۃ کے یہ معنی ہوں گے کہ خدایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ صفت عطا کر جو مقام محمود کے حصول کا باعث ہو، مزید برآں وسیلہ کے ساتھ فضیلت کا لفظ ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح فضیلت ایک صفت کا نام ہے، وسیلہ بھی کسی صفت کا نام ہوگا۔

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا بحث سے نتیجہ نکلا کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کی

(۱) الحدیث بدون والدرجۃ الرفیعہ أخرجه البخاری (فتح الاذان، باب الدعاء عند النداء ۶۱۴/۹۳/۴) وغیرہ مثل ابی داؤد والنسائی والترمذی وابن ماجہ وغیرہم وليس عندهم "الدرجة الرفیعة" ولعلت تلك الزيادة عند ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة (۹۳) وقد جرح بذلك ابن حجر فی التلخیص (ص ۷۸) کو البخاری فی المقاصد الحسنة (ص ۲۱۴) مع ان الحدیث عن طریق النسائی فیہی مدرجة من بعض النسخ

بیروی چھوڑ کر، جو حقیقی وسیلہ ہے محض بزرگوں کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں، غلطی پر ہیں، کیونکہ وسیلہ اعمال صالحہ اور اوصاف حمیدہ کا نام ہے۔

تین مسافروں کا قصہ

مصحبین میں ایک قصہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ تین آدمی صحرا میں سفر کر رہے تھے۔ جب ایک پہاڑ کے قریب پہنچے تو زور کی بارش آگئی۔ بارش سے بچنے کے لئے انھوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ ابھی داخل ہوئے ہی تھے کہ ایک بہت بڑا پتھر کھسک کر غار کے منہ پر آگیا اور وہ تینوں اس کے نیچے آ گئے۔ جب مسافروں نے اپنے آپ کو اس طرح گھرا ہوا اور بے بس پایا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے بھائیو! بچنے کی ایک صورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے خالص ترین عمل کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا کرے شاید اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے نجات بخشنے۔ اس پر ایک شخص نے اپنے زنا سے بچنے کا واقعہ بیان کر کے اس طرح کی دعا کی۔ (۱)

اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ إِنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهِكَ فَأَخْرِجْ عَنَّا

(کہاے پروردگار، اگر تیری نگاہ میں میں نے یہ کام صرف تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا تو

اس غار کا منہ کھول دے)

اس کا دعائیں کرنا تھا کہ غار کا منہ اتنا کھل گیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ پھر دوسرے نے دعا شروع کی اور اپنے بوڑھے والدین کی خدمت گزاری کا ایک واقعہ بیان کیا اور آخر میں انہی الفاظ میں دعا کی۔ اب غار کا دو تہائی منہ کھل گیا۔ اب تیسرے نے ایک مزدور کے ساتھ معاملہ میں اپنی امانت واری کا واقعہ بیان کیا اور انہی الفاظ پر دعائیں کی تو پتھر کھسک کر بالکل ہٹ گیا اور وہ باہر نکل آئے۔

نتیجہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کو مقصد اول جانتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اس کا وسیلہ گردانتے ہیں اور آپ کی پیروی کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور بزرگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو ہونے کی حیثیت سے دوست رکھتے ہیں، ان لوگوں کے لئے یہ فعل

(۱) بخاری (فتح الباری) ۵۵۰۶ حدیث ۳۳۶۵، الانبیاء باب حدیث الغار) مسلم (الذکر باب قصہ اصحاب الغار
۱/۳۹۹ حدیث ۲۷۳۳)

وسیلہ نجات ہوگا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَحِبُّوا اللَّهَ لِمَا يَفْعَلُكُمْ مِنْ نِعْمَتِهِ وَأَحِبُّونِي لِحُبِّ اللَّهِ وَأَحِبُّوا أَهْلِي
بَيْنِي لِحُبِّي. (۱)

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اس لئے کہ وہ تمہیں نعمتیں دیتا ہے اور مجھ سے محبت کرو اس لئے کہ
اللہ تعالیٰ میرے ساتھ محبت رکھتا ہے اور میرے اہل بیت سے پیار کرو اس لئے کہ میں ان سے پیار
کرتا ہوں۔

پیروں کے ساتھ محبت کرنے کا معیار

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس حدیث کو معیارِ ظہر الیں اور کسی پیر کے ساتھ اس وقت تک رشتہ
الفت نہ جوڑیں جب تک یہ معلوم نہ کر لیں کہ اس کا قول و فعل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول
و فعل کے مطابق ہے۔

لیکن قبر پرستوں کے اس قسم کے اقوال مثلاً عصائے پیر بجائے پیر اور گور پیر بجگم پیر تو یہ
شریعت و طریقت دونوں سے خارج ہیں اور وسیلہ کے کسی مفہوم میں داخل نہیں۔ قبر پرستوں نے
اس قسم کے اقوال عوام الناس کو مغالطہ دے کر خود ان کے پیشوا بننے کے لئے مشہور کر رکھے ہیں۔
ان سے بچنے کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قرب الہی کا وسیلہ بنانا
صرف آپ کی پیروی کرنے ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوبَكُمْ. (آل عمران ۳۱)

اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر اللہ کے ساتھ محبت رکھنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے
پیار کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کرنا ہی وسیلہ ہے۔

شفاعت کن لوگوں کیلئے

اگر کوئی کہے کہ قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت وسیلہ نجات ہوگی تو

(۱) ترمذی بروایت ابن عباسؓ۔ بحوالہ مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیعت۔

اسے بتانا چاہئے کہ کسی شخص کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوگی۔
چنانچہ ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ. (۲: ۲۵۵)

ایسا کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کے پاس سفارش کرے۔

اور اللہ تعالیٰ کا اذن مومن کے لئے ہو سکتا ہے۔ غیر مومن کے لئے نہیں ہو سکتا۔ تو اس طرح بھی نتیجہ وہی نکلا کہ آدمی کا اصل وسیلہ اس کا اپنا ایمان ہے، جو بندے کا عمل ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

کار خود کن کار بیگانه مکن
در زمین دیگران خانه مکن
دوسروں کا کام چھوڑ کر اپنا کام کرو دوسروں کی زمین میں اپنا گھر نہ بنا۔
عمل مطابق سنت ہی قرب کا وسیلہ ہے

اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہی چیز اللہ کے قرب کا وسیلہ ہو سکتی ہے جو سنت کے مطابق ہو لیکن اس کے برعکس وسیلہ کو جو لوگ سنت کے مطابق سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے قبروں کو وسیلہ سمجھ رکھا ہے جیسے کفار مورتیوں کو سمجھتے ہیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ لوگ بے خبری میں غیر ہادی کا اتباع کر رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

أَلَمْ يَهْدِ إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْذَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ. وَمَا يَنْبَغُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا. (۱۰: ۳۵-۳۶)

بھلا جو حق و صداقت کی راہ دکھا سکتا ہے وہ قابل اتباع ہے یا وہ جو بے ہدائے خود بھی راستہ نہ پاسکے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کس طرح انصاف کرتے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ صرف وہم کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ حق کے مقابلے میں وہم کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظن کی پیروی کرنے والوں کے عذاب کا موجب ان کا اپنا عمل ہے نہ کہ کسی اور کا۔

عمل صالح کی تعریف اور وسیلہ نجات

الغرض ہر شخص کے لئے عمل ہی وسیلہ نجات ہو سکتا ہے۔ پھر جو معاملہ بزرگوں کی قبروں کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ اگر عمل صالح میں داخل نہیں ہے تو کیوں کر نجات کا وسیلہ ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ عمل صالح کی تعریف تو یہ ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہو، تفسیر حسینی نے آیت

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيُحْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا.

(۱۱۰:۱۸)

کی تفسیر لکھتے ہوئے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل کئے ہیں کہ عمل صالح وہی ہے جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہے۔

پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کا آرزو مند ہے، اسے نیک عمل کرنا چاہئے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہئے۔

شرک فی العبادات کا مفہوم

آگے شرک فی العبادات اور شرک بالعبادت کے درمیان فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

غیر کی ذات کو اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہراتا یہ ہے کہ اس کی ذات کو اپنے حق میں مثل عبادت الہی مفید اور فائدہ مند جانے۔ اس کی مثال جابلوں کا یہ عمل ہے کہ بزرگوں کی عزت اور ان کے ناموں کو وسیلہ سمجھتے ہوئے اعمال صالح ترک کر کے صرف ان کی ذات کا واسطہ دے کر خدائے تعالیٰ سے دینی اور دنیاوی ترقی چاہتے ہیں، یہ شرک فی العبادات ہے، یعنی عبادت میں ریا اور دکھاوا کیا جائے۔

عدم خلوص قرب کا وسیلہ نہیں

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دکھاوا کرنے اور شہرت چاہنے کی وجہ سے عبادت کے اندر خلوص نہیں رہتا۔ اور ایسی عبادت آدمی کو شرک خفی میں مبتلا کر دیتی ہے کیونکہ اس نے اپنی عبادت کو شرک کا ذریعہ بنایا۔ بہر حال صرف وہی عبادت تقرب الہی کا وسیلہ ہوتی ہے، جو خالص اللہ کے لئے ہو۔

پس غور کرو! جب خدا کی عبادت بھی خلوص نیت کے بغیر اس کے تقرب کا وسیلہ نہیں ہو سکتی تو

غیر کی عبادت خدا کے تقرب کا وسیلہ کیوں کر ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ. أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ

پس اللہ کی عبادت خالص نیت سے کرو اور یاد رکھو خلوص نیت سے بندگی کا مستحق اللہ ہی ہے۔

خاتمہ سخن!

اے اللہ! میں اس کتاب کو تیرے تقرب کا وسیلہ بناتا ہوں، اور تیری وسیع بخشش کے لئے اسے ایک ذریعہ گردانتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک اور بے نیاز ہے۔ تیرے دربار میں غلامی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

اے اللہ مجھے بخش دے۔ اور امت مسلمہ پر رحم فرما۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمارا بھروسہ تجھی پر ہے۔ تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

اے اللہ! ہماری ذمہ صرف تبلیغ کرنا ہے۔ ایسی تبلیغ کہ گمراہ اور نافرمان کے سوا کوئی ہلاکت میں نہ رہے۔ سو اللہ کا دین واضح ہو گیا۔ اور اس کی مدد آگئی۔ اب ہم بری ہیں اس بات سے کہ بے دین لوگ محروم رہیں۔

اے اللہ! اپنی بہترین مخلوق حضرت محمدؐ اور ان کی ساری آل اور ان کے تمام اصحاب پر ہزاروں رحمتیں نازل فرما۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العقیدۃ الحسنۃ

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

عبد الحمید سواتی

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين
واله وصحبه اجمعين

امام بعد ایں کہتا ہے بندہ اپنے رب کی رحمت کا محتاج، احمد جس کو ولی اللہ بن عبد الرحیم کے نام سے پکارا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر احسان فرمائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اور جو ملائکہ، جنات اور انسان حاضر ہیں، ان کو گواہ بنا کر اپنے عقائد کے بارے میں کہتا ہوں (۱) کہ میں خلوص قلب سے اس بات کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ تمام عالم کا ایک صانع (بنانے والا) قدیم ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کا وجود واجب ہے اور اس کا عدم ممکن ہے (جس کا ہونا ضروری اور اس پر فنا اور عدم، محال) اور وہ بڑا اور عالی شان ہے اور تمام کامل صفات کے ساتھ متصف ہے اور زوال اور نقص کی تمام علامتوں سے پاک اور منزہ ہے وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے اور تمام کائنات کی باتوں کا جاننے والا ہے اور تمام مخلوقات پر پوری قدرت رکھتا ہے اور تمام کائنات کی (ایجاد و قیام) کا ارادہ کرنے والا ہے اور زندہ ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے، کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کی ضد اور مقابل ہے اور نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے اور اس کے واجب الوجود ہونے اور عبادت کے استحقاق پیدا کرنے اور تدبیر میں کوئی اس کا شریک نہیں پس عبادت کا استحقاق اس کے سوا کسی

یہ رسالہ جس کا نام ”العقیدۃ الخسۃ“ ہے، علم عقائد کے موضوع پر ایک جامع رسالہ ہے جو عقیدۃ الخمادی کے طرز و انداز پر ہے اور یہ اصلاً عربی زبان میں ہے بلاشبہ یہ رسالہ اس لائق ہے کہ جو دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہو اور اہل مدارس کو اس رسالہ کو داخل نصاب کرنے پر غور کرنا چاہئے۔ (قاضی)

کے لئے نہیں اور عبادت انتہائی درجہ کی تعظیم کو کہا جاتا ہے کسی مریض کو اس کے سوا کوئی شفا نہیں بخشتا اور نہ کسی کو اس کے سوا کوئی روزی پہنچاتا ہے اور ضرر اور تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔

اور اس کا یہ کام اس طرح ہے کہ جب وہ کسی چیز کو (بغیر ظاہری اسباب کے) کہہ دے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اس طرح نہیں جس طرح ظاہری اور عادی اسباب کے تحت کوئی چیز ہوتی ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ طیب نے مریض کو شفا دی اور امیر لشکر نے لشکر کو رزق دیا کیونکہ یہاں مراد ظاہری اسباب کے تحت علاج و معالجہ کرنا اور تحوّل وغیرہ دینا ہوتا ہے یہ معنی اس کے علاوہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے اگرچہ الفاظ ایک جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی معین اور پشت پناہ نہیں اور نہ وہ کسی دوسری چیز میں حلول کرتا ہے اور نہ وہ غیر کے ساتھ مل کر متحد ہوتا ہے اور اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث چیز قائم نہیں ہو سکتی (نو پیدا چیز جو پہلے نہ تھی) پس اس کی ذات میں اور صفات میں کسی قسم کا حدوث نہیں ہے البتہ جب اس کی صفات کا تعلق اپنے متعلقات کے ساتھ ہوتا ہے تو اس تعلق میں حدوث ہوتا ہے تاکہ افعال ظاہر ہوں۔ اور حقیقت میں یہ تعلق بھی حادث نہیں ہے حادث صرف ان صفات کے متعلقات (تمام کائنات کی اشیاء اللہ تعالیٰ کے سوا) ہی ہوتے ہیں، اس لئے اس تعلق کے احکام بھی مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں (ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں مطلقاً کسی قسم کا حدوث نہیں) اور وہ باری تعالیٰ ہر وجہ اور ہر طریق پر حدوث اور تجدّد سے بری اور پاک ہے اور وہ نہ جوہر ہے (جو کسی زمان یا مکان میں خود قائم ہوتا ہے) اور نہ عرض ہے (دوسری چیز کے ساتھ قائم ہو جیسا رنگ، شکل وغیرہ) اور نہ وہ جسم ہے اور نہ کسی مکان یا جہت میں ہے اور نہ اس کی طرف یہاں اور وہاں کے ساتھ اشارہ کیا جاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں نہ حرکت کرتا ہے اور نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور نہ بدلتا ہے اور اس میں جہل اور کذب بھی روا نہیں یعنی کذب اور جہل کا صدور اس سے محال ہے اور وہ عرش کے اوپر ہے جیسا کہ اس نے خود اپنے بارے میں فوق العرش ہوتا بیان کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرش اس کا مکان ہے اور فوق اس کی جہت ہے بلکہ اس کی فوقیت اور استواء کی حقیقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، یا پھر وہ پختہ کار علما جانتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا ہے۔ اور

باری تعالیٰ کا دیدار ایمان والوں کو قیامت کے دن نصیب ہوگا اور اس دیدار کی دو طرح وضاحت کی گئی ہے ایک اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مومنین پر ایسا انکشاف نام ہو جائے گا جو عقل تصدیق سے بہت زیادہ ہوگا۔ گویا کہ آنکھ سے ہی دیکھا ہے، لیکن اس میں سامنا، مقابلہ اور جہت، رنگ اور شکل نہیں ہوگا۔

اور یہ وجہ ایسی ہے کہ اس کا قول فرقہ معتزلہ نے اور دوسرے لوگوں (مثلاً شیعہ وغیرہ) نے بھی کیا ہے اور یہ بات فی نفسہ حق اور درست ہے، لیکن ان کی فطرت یہ ہے کہ وہ رویت کا یہی معنی (بیان) کرتے ہیں یا رویت کو اسی معنی میں منحصر مانتے ہیں (جس کی وجہ سے رویت بالابصار کا انکار کرتے ہیں) اور دوسرا معنی رویت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں میں ان کے سامنے متمثل ہو جیسا کہ سنت اور احادیث میں مذکور ہے، پس وہ لوگ باری تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے ساتھ شکل، صورت اور رنگ اور آئینے سامنے کی طرح دیکھیں گے جیسا کہ خواب میں واقعہ ہوتا ہے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جہاں آپ نے فرمایا ہے کہ ”میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا ہے۔“ اسی طرح لوگ قیامت میں اس کو عیاں یعنی بالکل ظاہر آنکھوں سے دیکھیں گے جس طرح دنیا میں خواب کے اندر دیکھتے ہیں اور رویت کی یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن کو ہم سمجھتے ہیں اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد رویت سے ان کے علاوہ کوئی اور معنی ہو، تو پھر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مراد ہے۔ اگرچہ ہم بعینہ اس معنی کو نہ سمجھتے ہوں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اور کفر اور دیگر معاصی اور گناہ اس کے پیدا کرنے اور ارادہ کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن وہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ اور وہ ایسا غنی اور بے نیاز ہے جو اپنی ذات اور صفات میں کسی چیز کی طرف احتیاج نہیں رکھتا، اور نہ اس پر کوئی حاکم ہے اور نہ اس پر کوئی چیز کسی غیر کے واجب کرنے سے واجب ہوتی ہے۔ ہاں لیکن وہ خود (ازراہ لطف و کرم) کسی چیز کا وعدہ فرماتا ہے۔ تو پھر وہ اس کو پورا کرتا ہے اس وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں ”کہ وہ چیز اللہ کے

ذمہ ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے، اور اللہ تعالیٰ کے تمام کام حکمت اور مصلحت کلیہ (عمومی مصلحت) جیسا کہ وہ بہتر جانتا ہے، پر مشتمل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کسی خاص فرد یا خاص جزی چیز کے بارے میں جو بات اصلح (بہتر بات) ہو واجب نہیں (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کا اعتقاد ہے کہ جو چیز بندہ کے لئے اصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی ہے) اور کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبیح نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے کاموں میں اور اپنے فیصلوں میں ظلم اور نا انصافی کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا (اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم اور نا انصافی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے یا جو حکم دیا ہے اس میں حکمت کی رعایت فرمائی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی ذات و صفات میں کسی شے سے تکمیل حاصل کرتا ہے (حکمت کی رعایت سے اس کی ذات یا صفات میں کچھ کمال پیدا ہوا یا نہیں) اور اس کو کسی چیز کی طرف حاجت اور غرض بھی نہیں کیونکہ یہ کمزوری اور قباح (بری) بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ پس عقل کیلئے اشیا کے حسن و قبح میں کوئی حکم یا دخل نہیں ہے (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اشیا کا حسن و قبح عقلی ہے) اور اسی طرح کسی فعل کے ثواب یا عقاب کے سبب ہونے میں بھی عقل کا دخل نہیں ہے، اشیا کا حسن و قبح اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ اس نے لوگوں کو مکلف بنایا ہے (یعنی حسن و قبح امور شرعیہ کے مکلف ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ عقل کی وجہ سے) اب بعض باتیں ایسی ہیں کہ عقل ان کو سمجھتی ہے اور ان میں ثواب یا عقاب کی مصلحت اور مناسبت کو بھی جانتی ہے۔

اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ عقل ان کے حسن و قبح کا ادراک نہیں کر سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے تیلانہ دیں اور اللہ تعالیٰ کی ہر ایک صفت اپنی حقیقت اصلیت کے اعتبار سے واحد ہے، اور باعتبار تعلقات کے غیر متناہی اور بے انتہا ہے۔ اور حدوث و تجدد اس صفت میں نہیں بلکہ اس چیز (ممکن و حادث اشیا) میں ہوتا ہے جس کے ساتھ اس صفت کا تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ہیں جو عالم بالا میں رہتے ہیں اور وہ مقرب بارگاہ ہیں اور کچھ دوسرے ملائکہ ہیں جو لوگوں کے اعمال کے لکھنے اور ان کی حفاظت پر مقرر ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو بندوں کی مہلک خطرات سے اور ہلاکتوں سے حفاظت کرتے ہیں اور کچھ دعوت الی الخیر دیتے

ہیں اور بندوں کی طرف اچھے خیالات ڈالتے رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا ایک مقام اور ٹھکانا مقرر ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل میں سرگرم رہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں شیاطین بھی ہیں جن کا کام یہ ہے کہ انسانوں میں برے خیالات اور دوسرے ڈالتے رہتے ہیں، اور قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (سورۃ زخرف آیت ۱۵) ”کہ کسی بشر کیلئے یہ ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اس سے کلام کرے۔ مگر یہ کہ وحی کے ذریعہ سے یا پس پردہ، یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ جو پیغام اللہ تعالیٰ کو منظور ہو وہ فرشتہ اس کے حکم سے پہنچا دے“ اور یہی وحی کی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسما پاک اور اس کی صفات میں الحاق (زیادتی) جائز نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفتوں کے ساتھ دوسرے اسماء اور صفات اپنی طرف سے بڑھائیں جائیں) لہذا اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات کے اطلاق میں شریعت پر توقف کرنا چاہئے۔ جو نام اور صفت شریعت میں وارد ہو اس کا اطلاق درست ہوگا، ورنہ درست نہ ہوگا۔

اور قیامت کے دن جسم کے ساتھ زندہ ہونا برحق ہے جس میں لوگوں کے اجسام جمع کئے جائیں گے اور ان جسموں میں روحوں کو لوٹایا جائے گا اور یہ ابدان وہی ابدان ہوں گے جو دنیا میں تھے۔ اور شریعت اور عرف میں جن کو ابدان سمجھا جاتا ہے اگر چنانچہ ان میں قیامت کی درازی یا کوتاہی ہو، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، کہ کافر کا دانت اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ یا وہ اجسام لطیف خوبصورت اور پاکیزہ ہوں جیسا کہ حدیث میں اہل جنت کے بارے میں آیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جس طرح چھوٹا بچہ جو بیعتہم وہی ہوتا ہے جو ایک وقت جوان اور دوسرے وقت بوڑھا ہو جاتا ہے، چاہے اس کے اجزا ابدان میں ہزار مرتبہ سے بھی زیادہ تبدیلی کیوں نہ واقع ہوئی ہو (لیکن ہوتا وہی ہے)

اور اعمال کی جزا اور حساب اور پل صراط اور میزان برحق ہے اور جنت اور دوزخ حق ہیں، اور یہ اس وقت مخلوق ہیں (یہ بات نہیں کہ ان کو قیامت میں پیدا کیا جائے گا جیسا کہ معتزلہ کہتے

ہیں بلکہ فی الوقت موجود ہیں)۔ اور کسی نص نے ان کا محل اور مکان متعین نہیں کیا بلکہ یہ دونوں وہاں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ چاہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اور جہانوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اور کسی مسلمان کو جس سے کبیرہ سرزد ہوا ہو ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھا جائے گا اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سورہ نساء آیت ۳۱ میں اس طرح فرمایا ہے کہ ”جن کاموں سے تم کو منع کیا جا رہا ہے اگر تم ان ممنوعات میں سے جو بڑے بڑے گناہ ہیں ان سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے قصور تم سے زائل کر دیں گے“، یعنی نماز اور دیگر کفارات کی وجہ سے اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں کو معاف کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے افعال دنیا اور آخرت میں دو طرح ہیں، ایک یہ کہ دستور اور عادت کے مطابق واقع ہوں اور دوسرے یہ کہ عادت اور دستور کے خلاف ہے، جو شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اور بلا توبہ مر جائے اس کو معاف کر دینا جائز ہے لیکن یہ بات عادت اور دستور کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح حقوق الناس کو معاف فرمادینا بھی جائز ہے مگر عادت و دستور کے خلاف ہے۔

اور یہی تطبیق ہے ان متعارض نصوص میں جو بظاہر ایک دوسرے سے متعارض معلوم ہوتی ہے اور شفاعت حق ہے اس کے لئے جس کے بارے میں خدائے رحمن اجازت دے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت آپ کی امت کے اہل کبار کے لئے برحق ہے اور آپ کی شفاعت مقبول ہوگی اور جہاں قرآن میں شفاعت کی نفی واقع ہوئی ہے اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضا کے بغیر ہو۔

اور قبر میں فاسق اور بدکار کے لئے عذاب کا ہونا اور نیکو کاروں اور ایمان والوں پر نعمت کا ہونا حق ہے اور قبر میں منکر و نکیر (دو فرشتوں) کا سوال و جواب، مردوں سے حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی ہدایت کے لئے رسولوں کا مبعوث فرمانا حق ہے اور انہیں انبیاء و رسل کی زبانوں پر امر و نہی کرنا اور بندوں کو شرعی احکام کی تکلیف دینا برحق ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام چند باتوں کے ساتھ ممتاز ہوتے ہیں یہ باتیں انکشی دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتیں اور یہ باتیں اس کا ثبوت ہوتی ہیں کہ یہ انبیاء ہیں۔

ان میں سے ایک خرق عادت (معجزات) کا ان سے ظاہر ہوتا۔ اور ان باتوں میں یہ بھی ہے کہ ان کی فطرت سلیم ہوتی ہے اور ان کے اخلاق کامل درجہ کے ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ میں پائی جاتی ہیں۔

اور تمام انبیاء علیہم السلام کفر، شرک اور عداً گناہ کبیرہ سے اور صفات پر اصرار کرنے سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بچاتا اور معصوم رکھتا ہے تین طریقوں سے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کنی طور پر ہی سلیم الفطرت اور اخلاق کے کامل اعتدال پر پیدا کرتا ہے۔ اس لئے وہ معاصی میں رغبت نہیں کرتے بلکہ ان سے متنفر ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی نازل کرتا ہے کہ معاصی پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا ہوگی اور طاعات اور نیکیوں پر اچھا بدلہ دیا جائے گا اور یہ وحی ان کے لئے گناہوں اور معاصی سے روکنے کے باعث ہوتی ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے ان انبیاء علیہم السلام کے درمیان اور معاصی کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتا ہے کسی لطیفہ غیبیہ کے ظاہر کرنے سے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کا ظاہر ہونا، انگلی کو دانٹوں سے دبائے ہوئے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں (آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا گیا آپ پر اس مرتبہ کو ختم کر دیا گیا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ”خَتَمَ بَسْمِ النَّبِيِّينَ“ کہ مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا ہے) اور آپ کی دعوت تمام جن وانس کے لئے عام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خصوصیت کی بنا پر اور اس کے علاوہ دیگر خصوصیات کی وجہ سے تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ان کرامتوں کے ساتھ نوازتا ہے اور اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اولیاء ان مومنوں کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت رکھتے ہیں اور ایمان میں پختگی اور غضبوی کے ساتھ نیکیاں کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور ہم جنت اور بہتری کی گواہی دیتے ہیں عشرہ مبشرہ کے حق میں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دس صحابہ جن کو آپ نے ایک ہی مجلس میں بہشت کی بشارت سنائی تھی

خلفاء اربعہ، سعیدؓ، سعدؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، ابوبعبیدہ ابن جراحؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اسی طرح ہم حضرت فاطمہؓ اور ام المومنین خدیجہؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کے حق میں بھی جنت کی گواہی دیتے ہیں۔

اور ہم ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور اسلام میں ان کے عظیم مرتبہ کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح اہل بدر اور اہل بیحہ الرضوان کے حق میں بھی بہتری اور بہشت کی گواہی دیتے ہیں۔ اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق ہیں ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ ان چاروں بزرگوں کے زمانہ تک خلافت راشدہ ختم ہو گئی (۱)۔ ان کے بعد جو خلفاء ہوئے ہیں وہ بادشاہ تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں پھر ان کے بعد فضیلت میں حضرت عمرؓ کا مرتبہ ہے اور ان بزرگوں کے افضل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ یہ تمام وجوہ سے دوسروں سے افضل ہیں حتیٰ کہ نسب، شجاعت، قوۃ، علم اور اس جیسے دیگر امور میں (ممکن ہے کہ بعض دوسرے صحابہ افضل ہوں) بلکہ ان بزرگوں کے افضل ہونے کا یہ معنی ہے کہ اسلام میں ان سے جو نفع عظیم ہوا ہے وہ دوسروں سے نہیں ہوا، پس امیر تو اصل میں آنحضرت ﷺ ہیں اور ابوبکرؓ، عمرؓ آپ کے دو وزیر ہیں۔ انھوں نے حق کی اشاعت میں بہت بالغہ سے کام لیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت اللہ تعالیٰ سے اخذ کرنے کی ہے اور دوسری جہت مخلوق کو دینے کی ہے۔ اور ان دونوں بزرگوں (شیخین) کو خلق خدا کی ہدایت میں اور لوگوں کو جمع کرنے میں اور جہاد کی بہتر تدبیریں کرنے میں بہت کمال حاصل تھا۔

اور تمام صحابہ کے بارے میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے ان کا ذکر نہیں کرتے (یعنی ان پر کسی قسم کی تنقید و جرح نہیں کرتے) وہ دین میں ہمارے مقتدا اور پیشوا ہیں، صحابہ کو گالی دینی حرام ہے اور ان کی تعظیم واجب ہے، اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں

(۱) صرف ۲۳ سال تک روئے زمین پر قرآن کی حکومت قائم رہی ہے وہ خلفائے راشدین کا دور ہے، آج بدعتی سے روئے زمین پر کہیں بھی قرآنی حکومت قائم نہیں ہے۔ (قاضی)

کہتے ہیں جب تک کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے خدا تعالیٰ صانع، قادر الحقار کی نفی ہو۔ یا غیر اللہ کی عبادت کرے، یا معاذ اور قیامت کا انکار کرے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے یا دوسری ضروریات دین کا انکار کرے (ضروریات دین میں کسی ایک چیز کا انکار یا ان کی غلط تاویل کرنے سے کافر ہو گیا)۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے بشرطیکہ کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور قبول کرنے کا گمان ہو۔

یہ میرا عقیدہ ہے اسی کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں، ظاہر و باطن اور اول، آخر، ظاہر، باطن میں سب ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اے اللہ میرا حشر بھی ان لوگوں کے گروہ میں فرما جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کا اتباع کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور تمام صحابہ اور ان کے اتباع پر اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

